فرہنگ اِصطلاحاتِ تصوّف

قاضی عبدالکبیر منصور پوری

فرہنگ اِصطلاحاتِ تصوّف

قاضی عبدالکبیر منصور پوری

مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور

نام کتاب:	فرہنگ اصطلاحاتِ تصوّف
ناشر:	جنرل سیکرٹری، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور
مطبع:	طیب اقبال پرنٹرز، ۱۷-بی، رائل پارک، لاہور
طبع اول:	۲۰۱۱ء
تعداد اشاعت:	۳۰۰
کمپوزنگ:	پرل کمپوزنگ سنٹر، میاں چیمبر، ۳-ٹمپل روڈ، لاہور
قیمت:	۲۰۰ روپے

یہ کتاب حکومت پنجاب کے محکمہ اطلاعات وثقافت کی مالی اعانت سے شائع ہوئی

ملنے کا پتہ:

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

۲۵-سی، لوئر مال، لاہور

محترم

حبیب احمد جھوکیے

کے لیے

محمد منشا خان

26/09/2017

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

میں قاضی عبد الکبیر کو ۱۹۷۶ء سے جانتا ہوں جب میں اقبال اکادمی پاکستان میں آیا تھا-وہ اپنی ہنڈا ففٹی موٹر سائیکل پر آیا کرتے تھے' ارمغان حجاز کے انگریزی ترجمے کے سلسلے میں اور اس کی پروف خوانی کے لیے۔ اس وقت وہ جذب کی ابتدائی منزلوں میں تھے سُکر کی وہ کیفیت ان پر اس قدر طاری نہیں ہوئی تھی جو میں نے ۱۹۸۰ء میں دیکھی' جب میں جہاں زیب بلاک اقبال ٹاؤن میں رہتا تھا اور روزنامہ نوائے وقت لاہور میں کام کرتا تھاوہ اسی موٹر سائیکل پر ڈھونڈتے ہوئے علی الصبح میرے گھر تشریف لے آئے حالانکہ میں رات کی ڈیوٹی کرکے سویا ہوا تھا۔ انھوں نے معانقہ کیااور لاتعلقی کا گلہ کیا اور کہا کہ آج میرا مصمم ارادہ تھا کہ آپ کو ڈھونڈ کے ہی رہوں گا۔ میں نے کہا مولانا رومؔی نے بھی فرمایا ہے کہ مشک ختن کے لیے تھوڑی سی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں اور پھر خود مشک ختن راہی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے انھوں نے میرے ماتھے پر بوسہ دیا اور کہا کہ آپ پر قبض کی کیفیت کب سے ہے۔ میں نے کہا ۱۹۶۳ء سے' جب میں نے ریلوے میں نوکری کی اور غض و بصر ممکن نہ رہا۔ سلسلہ قادریہ میں غض و بصر لازم ہے اور اس سے دوری سے عجائبات حجابات میں چلے جاتے ہیں۔ بہرکیف کبھی کبھی بسط کا لپکا بھی طاری ہو جاتا ہے مگر بہت کم۔ ایسے ہی موضوعات پر دیر تک ہم دونوں سر دھنتے رہے اور چائے بار بار اندر سے آتی رہی۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ میری کیفیات سے ۱۹۷۶ء سے ہی واقف ہیں اور اس کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں مگر یہ واضح نہیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے کسی مرد کامل سے رجوع کے لیے کہا۔ ایک آدھ نام بھی بتائے مگر میرے دل کو تسلی نہ ہوئی۔

قاضی عبد الکبیر گارڈن ٹاؤن سے جب آفیسرز کالونی چلے گئے تو ان سے رابطہ بہت کم ہو گیا۔ میں ملازمت' روزگار اور گھر گرہستی کے بکھیڑوں میں الجھا رہا اور وہ سلوک کی منزلیں تیزی سے طے کرتے رہے اور پھر جذب و کیف کی اعلیٰ سطوتوں میں انھیں درک ہو گیا اور ان میں احوال اس قدر غالب ہو گئے کہ انھیں اپنی کیفیات کے بیان کے لیے الفاظ نہ ملتے اور بظاہر لگتا کہ وہ بے ربط باتیں کر رہے ہیں جو بظاہر ناقابل یقین بھی نظر آتی تھیں۔ ان حالتوں میں بھی میری ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں' کبھی آمنے سامنے اور کبھی اس عالم میں کہ ہم دونوں ہی موجود نہ تھے۔

تصوف میں میرا اختلاف فلسفے کے مطالعے کے سبب تھا۔ میں وحدت الوجود کو اسپائی نوزا کے الفاظ میں ''مہذب

الحاد' سمجھتا تھا۔ اقبالؒ نے بھی اس کو الحاد و زندقہ کہا ہے۔ حضرت مجددؒ بھی اسے قبول نہیں کرتے۔ میں ان مباحث میں یہاں نہیں جانا چاہتا۔ شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ بھی اس پر حرف گیر ہیں۔ دراصل یہ سب افلاطونیت اور نو فلاطونیت ہے جو فلو یہودی کے تصرف سے اسکندریہ میں متکلم فلاطونس اور اس سے شیخ اکبر علامہ ابن عربی کی بے پناہ علمی وجاہت کے توسط سے ہمارے شعر اور تصوف کا جزو لاینفک بن گئی۔ یہ لمبی بحث یہیں چھوڑتے ہوئے مجھے کہنا یہ ہے کہ یہ فرہنگ اصطلاحاتِ تصوف فی نفسہٖ ان تصورات اور معانی کو محیط اور منکشف کرتی ہے جن کی اصل وحدت الوجود میں موجود ہے اور اس نقطۂ نظر سے معنی و مطالب کی تہ در تہ پرتیں کھلتی ہیں' پوری کاملیت کے ساتھ۔ تاہم قاضی عبدالکبیر چونکہ خود صاحبِ حال صوفی ہیں اور جذب و شوق کی بلند منزلوں کے شناسا ہیں اس لیے ان اصطلاحات کے معانی و معارف پر ان کا اپنا وہبی وجدانی اثر بھی غالب حد تک موجود ہے جہاں وہ عمومی اصطلاحی مفاہیم سے بلند اور منفرد بھی ہوتے نظر آتے ہیں لہٰذا یہ فرہنگ تصوف کے عام طالب علم' سالک کے ساتھ ساتھ مدارج و مراتب کی منتہی منزلوں پر فائز صوفیا اور اتقیا کے لیے زیادہ قریب الفہم ہے اور ان کے لیے یہ فرہنگ کاشف اسرار علوم باطنیہ کا درجہ رکھتی ہے۔

ایک دن جب میں اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ سرور روڈ لاہور چھاؤنی کام میں مصروف تھا کہ جناب حسن معزالدین صاحب کا فون آیا کہ میں فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتا ہوں میں نے کہا ابھی آجایئے چنانچہ وہ قاضی عبدالکبیر صاحب کا یہ مسودہ لے کے تشریف لائے۔ میری اور ان کی خواہش تھی کہ نظر ثانی کے بعد یہ اسی انسٹی ٹیوٹ سے شائع ہو۔ میں نے انسٹی ٹیوٹ کی سربراہ سے بات کرنے کا وعدہ کرلیا مگر بات آگے نہ بڑھ سکی پھر میں نے سید اویس علی سہروردی سے بات کی انھوں نے ہامی بھرلی۔

برادرم سید اویس علی سہروردی نے مجھے اس پر نظر ثانی کرنے کو کہا کیونکہ وہ اسے شائع کرنا چاہتے تھے۔ میں بھی یہ کام کرنے کا داعیہ رکھتا تھا مگر اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ لاہور میں اپنی مصروفیات مانع تھیں۔ قاضی عبدالکبیر کے برادر قاضی حسن معزالدین اور میری دونوں کی خواہش تھی کہ یہ فرہنگ اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ سے شائع ہو مگر ۲۶ جولائی ۲۰۰۷ء کو جب اس ادارے کی سربراہ کو بوجوہ اسلام آباد منتقل کر دیا گیا اور میں بھی الگ ہوگیا تو میں نے یہ مسودہ امانت کے طور پر قاضی حسن معزالدین کو واپس کر دیا جو اسے محترم و مکرم ڈاکٹر وحید قریشی معتمد مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے پاس لے گئے جو ان کے ذریعے محترم پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی صدر شعبہ فارسی اور چیئرمین داتا گنج بخش چیئر کے پاس آگیا اور تقریباً ایک سال ان کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ میں اس سارے حال سے بے خبر تھا کہ حسن معزالدین صاحب نے فون کیا کہ میں محترم نظامی صاحب کو یاد دلاؤں کہ وہ اس کام کی جلد تکمیل فرمائیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے لیے ۳۱ مارچ تک کی مہلت دی گئی ہے اور انشاء اللہ یہ اس تاریخ تک مکمل ہو جائے گا میں نے یہ بات قاضی حسن معزالدین صاحب کے گوش گزار کر دی۔ ۳۱ مارچ کو جب میں اپنے شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب اورینٹل کالج لاہور میں اپنی نشست پر بیٹھا تھا کہ یہ مسودہ محترم نظامی صاحب نے چند ہدایات کے ساتھ مجھے پہنچا دیا میں نے فوری طور پر قاضی حسن

معزالدین کو بتا دیا اور دوسرے دن ان کے کہنے پر میں اسے گھر لے گیا۔ شام کو وہ اسے لینے تشریف لے آئے۔ میں نے کہا کہ کیا ارادہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ اب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو دینے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا چلو میں بھی چلتا ہوں وہ علیل ہیں ان سے ملاقات ہو جائے گی اور میں ان کے ساتھ ہولیا۔

چائے پیتے ہوئے قاضی حسن معز الدین نے کہا کہ کتاب کے شروع میں کچھ ہدایات بھی ہیں جو شاید ڈاکٹر وحید عشرت نے نہیں پڑھیں۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا کہ میں نے مسودہ نہیں کھولا اور جیسا ملا ویسا ہی پہنچا دیا۔ چنانچہ جب یہ ہدایات پڑھی گئیں تو ڈاکٹر وحید قریشی نے فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ابھی اس پر کام باقی ہے۔ انھوں نے مجھے فرمایا اب آپ یہ کام کر دیجیے۔ چنانچہ یہ مسودہ پھر میرے پاس آ گیا اور قاضی حسن معز الدین نے کہا کہ قاضی عبدالکبیر صاحب کو ڈاکٹر وحید عشرت سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ آپ اس کام کے لیے موزوں ترین ہیں کہ فلسفہ اور تصوف ان کا اپنا موضوع ہے۔

گھر آ کر جب میں نے مسودہ کھولا اور پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی صاحب کی ہدایات کی روشنی میں انھیں دیکھا تو ان کے تجربہ علمی کا مزید قائل ہو گیا کہ واقعی وہ جید عالم اور محقق ہیں۔ تاہم یہ بھی محسوس کیا کہ فرہنگ پر نظر ثانی کی اب بھی ضرورت ہے۔ ان اصطلاحات کے معنی کو کھولنا ضروری ہے تاکہ معانی میں مزید وسعت اور تفہیم میں سہولت ہو۔ اس کے لیے مجھے خود پر قاضی عبدالکبیر کی وجدانی کیفیات کو طاری کر کے اترنا پڑا۔ میں جو ان کیفیات کا معمولی شناور ہوں اور قاضی عبدالکبیر کی وجدانی اور وہبی دنیا سے شناسا تو ہوں مگر ان پر عبور کا مدعی نہیں ہوں۔ بہرحال اس ضمن میں کوشش ضرور کی ہے تاہم ان کے معانی اور تعبیرات میں تصرف نہیں کیا اور ان معانی اور تعبیرات سے اپنے اختلاف کو بھی ظاہر نہیں کیا تاکہ ان کے معانی کی روح مقدم اور بحال رہے۔ پاورقی میں بھی اختلافی نوٹ نہیں لکھے تاکہ قاری صرف قاضی عبدالکبیر کی تعبیرات و معانی میں یکسو رہے اور وہ الجھن کا شکار نہ ہو۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میرے اختلاف سے قاضی عبدالکبیر کے معانی وتعبیرات کا اعتبار مجروح ہوا ہے۔ وہ گہرے شعور اور وجدان کے مالک ہیں اور بعض مقامات پر وہ اتنا گہرے اترے ہیں کہ وہاں میرے بھی پر جلتے ہیں۔ ان کے وہبی جذب اور انہماک تک شاید میری رسائی نہیں اور میرے اختلافات میری کم علمی اور نارسائی کا نتیجہ بھی ہو سکتے ہیں بلکہ یقیناً ہیں۔ مجموعی طور پر اس فرہنگ میں قاضی عبدالکبیر کی اپنی انفرادیت اور وہبی مشاہدہ کی مہک رچی بسی ہے اور میں نے نظر ثانی کرتے ہوئے اسے جوں کا توں رکھا ہے۔ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ بعض بلکہ اکثر اصطلاحات تصوف فلسفیانہ پس منظر رکھتی ہیں جیسے وحدت الوجود کا تصور مکمل طور پر افلاطون کے تصور مطلق اس کے نظریہ امثال، عیون کا در نظریہ عقول پر اپنی اٹھان رکھتا ہے۔ تصوف میں عشق اور محبت کی اساس اتنی مذہبی نہیں جتنی فلسفیانہ ہے۔ پلاٹانک لو (افلاطونی محبت) کے نظریہ کے تحت تصور مطلق اپنا اظہار اور پھیلاؤ عقول کے ذریعے کرتا ہے، عقل اول سے عقل دوم اور پھر عقل دہم ہماری دنیا ہے۔ دسویں عقل تک نجانے یہ سلسلہ کیسے رک جاتا ہے اور دنیا وجود میں آ جاتی ہے۔ تصور مطلق جب اپنا پھیلاؤ کرتا ہے تو دنیائے امثال وجود میں آتی ہے جہاں ہر چیز اپنی اصل میں مکمل ہے کیونکہ تصور مطلق سے ہم آہنگ اور اس کا پرتو ہے۔ لیکن تخلیق ہونے کی بنا پر وہ نامکمل ہے اور اپنی کمی کو محسوس کرتی ہے۔ اب وہ بے قرار ہو کر اپنی تکمیل کے لیے تصور مطلق کی طرف بڑھتی ہے۔ یہ کمی کو پورا کرنے کی خواہش اور تڑپ وہ محبت اور لپک ہے جو افلاطون کے

فلسفے کا جوہر ہے۔ ہمارے ہاں صوفیا اور شعراء میں یہی عشق یعنی افلاطونی محبت مقصد حیات بن گئی اور مذہب' طریقت اور شریعت پر بھی غالب آ گئی۔

البیرونی نے کتاب الہند میں افلاطون کو موسوی المذہب کہا ہے۔ یہودی اللہ کو کلمہ کہتے ہیں ۔ افلاطون کا تصور مطلق بھی یہی کلمہ ہے اور کلمہ یا خدا کی صفات کو افلاطون نے امثال میں تبدیل کر دیا۔ صفاتِ الٰہی چونکہ اکمل اور مکمل ہیں لہٰذا افلاطون کی امثال بھی مکمل اور اکمل ہیں اور دنیا انھی صفات و امثال کا پرتو ہے البتہ ہر چیز پرتو اور ظل ہونے کی وجہ سے ناقص ہے اس لیے اپنی تکمیل کی خاطر مجبور ہے کہ اپنے اصل' مبداء کی طرف بڑھے ۔ اب تصوف خود ایک مذہب بن کر رہ گیا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے فرمایا تھا کہ پہلے تصوف تھا۔ مگر اس کا نام نہیں تھا اب نام ہے مگر تصوف نہیں ہے اگر ایک ہزار سال پہلے یہ کیفیت تھی تو اب کیا ہو گی؟ بہر حال راہ سلوک و معرفت کے مسافروں سے دنیا خالی بھی نہیں۔

اہل طریقت اپنے آپ کو خالصتاً شریعت کا تابع اور فلاسفہ سے مختلف اور ممتاز بتاتے ہیں۔ ادھر اہل فلسفہ انھیں اپنے علوم کا خوشہ چیں قرار دیتے ہیں۔ رہروان جادۂ سلوک اپنے خیالات و نظریات کے اظہار میں جن اصطلاحات سے کام لیتے ہیں ان میں سے متعدد فلسفیوں کے یہاں بھی رائج و متداول ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ دونوں گروہ ان مشترک اصطلاحات کے معنی اپنے اپنے نقطۂ نظر سے متعین کرتے ہیں۔ زیرِ نظر فرہنگ پر نظر ثانی کرتے ہوئے میرا مسئلہ یہ تھا کہ مشترک اصطلاحات کے معنی درج کرنے میں کسی طبقے کے نقطۂ نظر کو ترجیح دی جائے چونکہ میرا تعلق فلسفے کے علاوہ کسی حد تک تصوف سے بھی ہے اس لیے میں نے فریقین کے مختلف اور بعض اوقات متضاد موقف میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

قاضی عبد الکبیر 'رحمتہ اللعالمینؐ' کے مصنف قاضی محمد سلیمان، سلیمان منصور پوری کے پوتے ہیں جن سے سب کو عقیدت ہے۔ یہ کتاب سیرت کی کتب میں مستند ہے۔ میں قاضی حسن معز الدین اور ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان کے توسط سے مجھے یہ کتاب پڑھنے کا موقع ملا۔ میں نے نظر ثانی کرتے ہوئے بہت کم قلم لگایا۔ اس لیے کہ زیادہ لگاتا تو یہ تصوف کی نسبت فلسفے کے قریب تر ہو جاتی جو قاضی عبد الکبیر کے حد ادب میں مانع بھی تھا۔ قاضی معز الدین نے اس کتاب کی اشاعت میں اپنے بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے اور ڈاکٹر وحید قریشی کی علم پروری کے سبب یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ڈاکٹر وحید عشرت

۳۱۳ - ایچ ا، جوہر ٹاؤن، لاہور

فون: ۵۳۰۱۶۳۱-۵۳۰۲۳۱۴

الف

اللہ:

اسم ذات ہے جو جملہ اسمائے الٰہی پر محیط ہے خواہ وہ جمالی ہوں یا جلالی، فعلی ہوں یا صفاتی۔ یہ اسم جملہ اسما کا جامع ہے۔ تمام اسما پر مقدم ہے اور تمام اسما اسی کی تجلی ہیں۔ اس اسم میں دو اعتبارات ہیں: ایک یہ کہ اللہ ہر اسم میں ظاہر ہے دوسرا یہ کہ وہ جملہ اسما میں شامل ہے۔ چنانچہ اسم اللہ کا اشتمال دوسرے اسما پر ایسا ہے جیسا کہ حقیقتِ واحدہ کا اشتمال اپنے انواع کے افراد پر ہوتا ہے۔ نیز اس کا اشتمال دوسرے اسما پر ایسا ہی ہے جیسے کل پر، یہ مجموعی طور پر اپنے ان اجزا پر مشتمل ہوتا ہے جو بلحاظ ظہور اس کے عین ہیں۔ اسم اللہ میں جامعیت الٰہی کا پرتو حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے آئینہ میں رونما ہوا۔ لہٰذا اسم اللہ (ا۔ل۔ل۔ا۔ہ) پنج حرفی ہے۔ ہائے ہوز سے قبل کا لفظ تلفظ میں ثابت ہے۔ لہٰذا کتابت میں اس کے گر جانے کا احتمال نہیں۔ چونکہ تلفظ کتابت پر غالب ہوتا ہے۔ الف سے احدیت مراد ہے جس میں کثرت گم ہے۔ چونکہ احدیت تجلیات ذات سے بالذات پہلے تھی اس لیے یہ الف بھی اسم سے پہلے آیا یا جس طرح احدیت میں منفرد ہے۔ یہ الف بھی اپنی ذات میں منفرد ہے ہ سے اس کی ہویت مراد ہے۔ یعنی مرتبۂ وحدت' ذات باری تعالیٰ۔ حروف تہجی کا پہلا حرف ''الف'' اسی اسم کا مخفف اور استعارہ کہلاتا ہے۔

ہم زبان سے اللہ اللہ کہتے ہیں۔ اس کی ذات سے دل کا تعلق ضروری ہے۔ اللہ سے تعلق قائم ہوجائے تو سارے وجود سے اللہ اللہ ہی نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی مقام کو دل کا جاری ہونا بھی کہتے ہیں۔ دل نیچے سے اوپر کی طرف چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ زبان بند ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود تمام کمرہ میں اللہ اللہ کی آواز سنائی دینا شروع ہو جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے قلب کی آواز (قلب جاری کی آواز) مدینہ کی گلیوں میں ایک ایک میل تک سنائی دیتی تھی۔ (قلب عموداً چلتا ہے) قلب کے جاری ہونے کے وقت بندے کو اتنی زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے کہ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حالتِ وجد یا کیفیت وجدان اور چیز ہے۔ حالتِ وجد قرآن پاک کو کسی خوش الحان قاری سے سن کر بھی طاری ہو جاتی ہے۔ سورۂ مریم کو سن کر عیسائی بھی رو پڑتے ہیں۔ مسلمان بھی سورۂ مریم اور دیگر آیات کو سن کر رونے لگ جاتا ہے۔ حالتِ وجد نتیجہ ہے خشوع وخضوع کا یا دل پر کسی کیفیت کا (چوٹ) لیکن قلب کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی وجدان یا خشوع وخضوع کے بھی جاری کر دیتا ہے جس سے اللہ اللہ کی آواز وہ خود بھی سن سکتا ہے اور ممکن ہے کہ وہاں بیٹھے دیگر لوگ بھی سنیں حالانکہ اس کے ہونٹ نہیں ہل رہے ہوتے۔ اس مقام میں (قلب جاری ہونے میں) بندے کو اتنی لذت ملتی ہے کہ کسی کو خواب و خیال میں بھی کبھی نہ ملی ہوگی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ بندہ اپنی رُوح کو خود اڑتا ہوا دیکھتا ہے اس کا تعلق بھی کسی حالتِ وجد یا خشوع وخضوع سے نہیں ہے۔ حق الیقین پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ بندے کا قلب بھی جاری کر دیتے ہیں اور اُسے اُس کی روح بھی دکھا دیتے ہیں حالانکہ وہ آرام سے اپنی نشست پر بیٹھا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مرنے کے بعد ثواب و عذاب کا تعلق بندے کی روح سے ہوتا ہے کہ وہ کبھی نہیں مرتی۔ وہ اسے اڑتا ہوا بھی دکھا دیتا ہے حالانکہ اُسے پتہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ البتہ اولیاء اللہ اور مقام بلند کے بزرگان اس کیفیت کو طویل سے طویل عرصے کے لیے دیکھتے رہتے ہوں گے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

بعض بزرگ تو مرید کی بیعت لیتے وقت قلب پر انگلی رکھتے ہیں اور قلب جاری ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہی زمانے میں سید علاء الدین شاہ صاحب نقشبندی نے ہردیو گاؤں کے مغرب میں شیخوپورہ' گوجرانوالہ روڈ پر دارالسلام میں یہ سلسلہ قائم کیا تھا۔ ۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ مولانا مودودیؒ کے بھانجے تھے لیکن رنگ تبلیغ طریقت ہی تھا۔ یہی مقام صوفی نذیر حسینؒ مرحوم و مغفور کو حاصل تھا۔ شالامار باغ سے آگے ان کا سلسلہ تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ فیض یاب تھے۔ جناب حسن معزالدین کو ان سے فیض حاصل ہے۔ احاطہ مزار حصرت ایشاں میں دفن ہیں۔ یہ سید علاء الدین مودودیؒ کے پیر بھائی تھے۔ (علاء الدین شاہ بی اے ایل ایل بی' سابق ڈپٹی سیکرٹری)

ابرو:

صفاتِ حق تعالیٰ۔ جبکہ اشارہ یہ ہو کہ ان صفات کا ذات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ذات کے رُخ زیبا پر اسماء و صفات کی نقاب ہے۔ جو پردہ پوشی بھی کرتی ہے اور نشان دہی بھی۔ تاوقتے کہ حجاب سے واسطہ نہ پڑے' رُخِ زیبا تک رسائی نہیں ہوگی۔ جب نقاب کی صفتِ پردہ پوشی سے کنایہ کرنا مقصود ہو تو بھی ابرو سے کنایہ ہوتا ہے کیونکہ ابرو بھی چشم پر پردہ ڈالے ہوئے ہے۔ کبھی ابرو کا قاب قوسین سے بھی اشارہ ہوتا ہے۔ کیونکہ قاب قوسین ذات سے بہت قریب ہے۔ (سورۂ نجم ۵۳: آیت ۹)

آب رواں:

رُوح میں طیران (پرواز-Flight) پیدا ہونے سے جو دل کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اس کو آب رواں سے تصوف میں تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کی باراں یا بارش ہے جو قلب کو آلائشوں سے اس طرح دھو کر صاف کر دیتی ہے جیسے بارش کی تیزی پتوں پر سے گرد و غبار دھو کر انھیں فطری اُجلاپن عطا کرتی ہے۔

آرزو:

طلب' تمنا' خواہش' جو انساں کے اندر لچک پیدا کرتی ہے۔ جلن' تڑپ (آرزوئے نفس' شہوت پرستی' اس کی ادنیٰ صورت ہے۔ ادراکِ حس نفسیاتی کیفیت ہے)

آرزو برون:

To aspire آرزو بختن To nourish a hope, to die, frustrated in one' wish. آرزو بہ گور کردن: To wish aspire for death آرزو کردن' توفیق شمارا آرزو مندم۔ to civet, to aspire for death

آزاد:

جو کسی مخلوق یا غیر کا غلام نہ ہو۔ نہ اُس پر کسی مخلوق کا قبضہ یا غلبہ یا اقتدار ہو۔ اپنی ذات میں کامل اور فرد ہو۔

جسے لذاتِ دنیا اپنا قیدی نہ بنائیں' نہ ہی خواہشاتِ نفس اسے اپنا غلام بنائیں' نہ کسی آنے والے کی تمنا اسے اپنی جانب کھینچے' نہ کسی جانے والے کا رنج ہو' تکلیف و راحت (یافت و نایافت: Gain & Loss) سے اس میں ایسا کوئی تغیر واقع نہ ہوا ہو جو اسے اپنی جگہ سے گرادے۔ سونا اور مٹی اُس کے نزدیک یکساں ہو' باوجود علم و فضل و کمال اور جاہ و حشمت اور قیودِ بشری کے اس کا دل ذات حق تعالیٰ کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو۔ جو تقیدات سے (Worldly Rules) تجاوز کر کے اطلاق (مراد بقا باللہ) (Universality) کی طرف رخ کرے۔ (سالک ان قیود سے آزاد ہو کر خود بقا کے حصول کی کوشش کرے)۔

آشنائی:

اللہ کا تعلق مخلوق سے صفتِ خالقیت کی جہت سے (Signs of recognition)۔ یہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے جب بندے کا تعلق خدا سے ہوتا ہے۔ آشنائی کامل آ گا

ہی کے مفہوم میں ہے۔

آمدن:

عالم بشریت کی طرف واپسی۔ عالم ارواح سے نزول۔ اِستغراق سے بے ہوشی کی حالت' صورۃ الامر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علم مشیتِ الٰہی' ارادہ واحکام الٰہی میں آپ درمیان خلق و خالق رابطہ ہیں:

اُوست ایجادِ جہاں را واسطہ
درمیانِ خلق و خالق رابطہ
شاہباز لامکانی جان اُو
رحمتہ اللعالمین در شان اُو
عارفِ اَطوارِ[1] سر جزو و کل
خلق اول[2] روحِ اعظم[3] عقل کل[4]
علت غائی[5] امر کن فِکاں
نیست غیر از ذاتِ آں صاحب قراں[6]
رہنمائے خلق و ہادیِ سُبل
مقتدائے انبیاءِ ختم الرسل

۱ دیکھیں صفحہ ۱۴۔ ۲ عقل ۳ اللہ تعالیٰ (Supreme)
۴ جبرئیلؑ یا نبی کریمؐ یا اللہ تعالیٰ ۵ نتیجہ' ماحصل' مقصود
۶ یہاں نبی کریمؐ یعنی خوش قسمت ہیرو۔

صاحب قران' جو زھرہ اور مشتری کے قران (Union) کے وقت پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ صاحبِ صولت و حکومت ہوتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مراد ہیں۔ شاہ جہان اور مشہور فاتح تیمور کا لقب بھی ہے۔

آمدن: (۲)

عالم بشریت کی طرف واپسی۔ عالم ارواح سے نزول' سُکر سے صحو' ہوش سے استغراق۔

آہ:

ایک حلاوت ہے کمالِ عشق کی' جس کے بیان سے زبان وقلم عاجز ہیں۔ نیاز فتح پوری کے فارسی شعر کو اُردو میں لکھ دیا ہے:

یہ کیفیت ہوئی میری حضور خواجہ اے ہمدم
شبیہ میری مصور نے بہ شکلِ آہ ہی کھینچی

زِ عشق محبوب الٰہی آں چناں گشتم
کہ تصویرم مصور در کشد برصورت آہے
ہر لحظہ نئی شان میں انوارِ الٰہی دیکھ
ہر جذب دگر میں تو اسرارِ الٰہی دیکھ

آھو: (ہرن)

فردِ کامل جو وادیٔ قدس کی فضا میں پھر رہا ہو چوکڑیاں بھر رہا ہو۔ لفظی: ہرن' (برائی' نقص جو یہاں مراد نہیں)۔ اور کئی معنی ہیں۔

ابداع:

بغیر مادہ و مثال کے بلا کسی وسیلے کے کسی چیز کو پیدا کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے عقل اول کو پیدا کیا۔ افعالِ الٰہی کے جملہ مراتب میں پہلا مرتبہ ابداع ہے۔ جس میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ افعال انسانی' مادہ' مدت' آلہ' غرض' مقصد' حرکت وغیرہ قوت کے محتاج ہیں۔ ابداع تخلیق سے اولیٰ ہے۔ ابداع عدم سے وجود میں لانا ہے۔ ایجاد اور تخلیق میں پہلے سے موجود میں تبدیلی اور ارتقا ہوتا ہے جبکہ ابداع میں قبل ازیں کچھ نہیں ہوتا (ڈاکٹر وحید عشرت)۔

اَبر:

وہ حجابات جو مشاہدات[1] میں مانع آئیں یا وصول الی اللہ میں سدّ راہ ہوں۔ (۱ نورِ الٰہی کا نظارہ)

ابلیس:

معارف الٰہیہ میں ابلیس کا ذکر دیکھیے۔ سرکشی اور

افکار کی علامت ہے۔ جب نفس سرکشی کرتا ہے۔

ابن الوقت:

بقول مولانا:

صوفی ابن الوقت باشد اے یقیں

وہ مبتدی صوفی جو تابع حال ہو۔ یا حال کا آنا جانا اس کے اختیار میں نہ ہو۔ اُسے مغلوب الحال یا صاحبِ تلوین بھی کہتے ہیں۔ (لون۔ رنگ)۔

ابن الوقت:

(Verbal) TimeServer,aSycophant. (Khushamdi):

صاحبِ تلوین:

A cloured or varying man, in diversiform [1]

[1] طبعِ رنگا رنگ

صاحب حال وقال:

وہ منتہی صوفی ہے جو تابع حال نہ ہو۔

A dignified mystic or Sufi. صاحب حال و قال۔

ابوالوقت:

ابوالوقت ہی صاحب حال وقال ہے۔ اسے صاحبِ تمکین بھی کہتے ہیں۔ ہر نبی یا پیغمبر ہر وقت صاحبِ تمکین و استقامت ہوتا ہے۔ یہ اپنے حال پر غالب ہوتے ہیں حال ان پر غالب نہیں ہوتا۔

اتصال:(Close Union)

جملہ اعتبارات[1] کا (All imagination, or beliefs All worldly things other than himar imagination.) ذاتِ احدیت میں استغراق یا گم ہوجانا۔ مشاہدۂ معیتِ حق ،بندہ کا حق تعالیٰ کو خود سے متصل پانا۔ جب جز و کل سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ قطرہ کا دریا ہو جانا۔ نفسِ رحمانی کا علی الدوام بلا انقطاع اپنے آپ سے متصل پانا۔ (یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ انسان جب اس کا ہو جاتا ہے تو اس کی ذات معدوم ہو جاتی ہے۔ اسے فنافی اللہ بھی کہتے ہیں۔

بقولِ مولانا رومی: اتصال بے تکیف بے قیاس هست[2] رب الناس رابا جانِ ناس

[1] beliefs ([2] ایک ہو جاتا ہے۔)

اثبات:

حق کا ظہور (ظاہر ہونا affirmation of God) اور خلق کا مخفی ہونا۔ نفی کی ضد۔ حق کو پالینا۔ تصوف میں ایک وظیفہ، کلمہ طیب کا ورد لاالہ نفی اِلا اللہ اثبات۔ اسے ورد بالجہر اور خفی بھی کیا جاتا ہے اور قلب پر اس ورد سے ضرب لگائی جاتی ہے۔ غیر خدا کا انکار اس کا پہلا جزو ہے اور اللہ کا اقرار اس کا دوسرا جزو ہے۔ آخر پر رسالت کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ یہ اثبات پیغمبر یا شریعت کی پابندی کا اعلان ہے۔ اس کو اصطلاحاً نفی اثبات کہتے ہیں۔

اثر:

اسما و صفات کے جمال و کمال کے مظاہر مثلاً معلومات اسم علیم اور رحمت کے آثار ہیں۔

احاطہ: گرفت کر لینا

سمجھ لینا۔ Comprehend+ اطلاق۔ ہمہ گیر ہونا۔ آزادی سے کام کرنا۔

[نوٹ: قید زمان و مکان اور تقیدات ہم معنیٰ ہیں+ احاطہ]

احدیت:

اس کے معنی ایک یا واحد ہونے کے ہیں۔ سیر و سلوک میں ایک بلند مقام ہے جہاں کثرت معدوم ہو جاتی

ہے اور اپنی منزل میں سالک کثرت سے اعراض کر کے صرف وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ الاحد دراصل وحد تھا۔ واؤ کو الف سے بدل دیا گیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے بھی وحد اور احد ایک سمجھے جاتے ہیں۔ میر درد دہلوی لکھتے ہیں کہ جامع الدعوات بیہقی اور سنن ترمذی میں اسم اَحد بیان نہیں ہوا۔ البتہ جامع الاصول ابنِ اثیر کی روایت میں واحِد الاحد مروی ہوا ہے۔

ہر دو الفاظ کے متحد المعنی ہونے کا یہ راز بھی ہوگا کہ ہر دو اسما توحید خالص پر دال ہیں اور ایسے اسما اصلاً، معناً دَلالۃً بھی الگ نہ ہونے چاہیں۔

شرح اسما الحسنٰی صفحہ ۳۱۱۔ باقی شرح دیکھیں بر صفحہ ۳۴۔ نیز شرح اسما الحسنٰی صفحہ ۱۳۱۔

احسان:

اصطلاح شریعت میں تصوف کا نام۔ جو اموی دور میں تصوف عیسائی اور عجمی اثرات سے بن گیا۔ حدیث ہے کہ جب تو عبادت کرے تو یہ محسوس کرے کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ ورنہ کم از کم یہ محسوس کرے کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

أن تَعبُدَ اللہَ کَانّکَ تراہُ فان لم تکن تراہُ، فإنَه یراکَ (متفق علیہ)

یہ مراقبہ کا زینہ ہے۔

احصائے اسماء:

اسما دراصل صفات الٰہیہ کا تشخص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات سے باطن کو آراستہ کرنا، اخلاق الٰہیہ کا خوگر ہونا، معانی کو ایک زبان دان کی طرح سمجھنا۔ مقربین کا یہ درجہ ہے کہ اسمائے الٰہی کا عرفان انھیں کشف و شہود سے ہو جاتا ہے۔ یہ عرفان انھیں اجمالی ہوتا ہے نہ کہ تفصیلی۔ اسی کی کمی و زیادتی پر ان کے درجات کا دارومدار ہے۔ مقام حق الیقین انھی درجاتِ الٰہی کے متصف ہونے سے حاصل ہوتا ہے، اعیانِ ثابتہ وہ صورتیں ہیں جو اسما الٰہی کی نمائندہ ہیں۔ حدیث ہے:

اِن للّٰہ تسعۃ و تسعین اسماءً ومَن احصاھا فدَخلَ الجنّۃ۔

(اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ جس نے ان کا ذکر یا ورد کیا، جنت میں داخل ہوا۔ ننانوے معلوم نام ہیں انسانی فہم سے بالا اور بھی اسماء ہو سکتے ہیں اس لیے کہ خدا لا محدود ہے تو اسماء بھی لامحدود ہو سکتے ہیں۔ رحمتہ اللعالمینؐ (سہ جلد) کے مصنف مرحوم علامہ قاضی سلیمان منصور پوری نے اس موضوع یعنی علم الاسماء پر بھی ایک منفرد کتاب تصنیف کی جو ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی جس میں قرآن حکیم، اور احادیث مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تخریج کی گئی، جنھیں مفسرین اور محدثین نے ثقہ احادیث اور روایات سے مدون کیا ہے۔ کتاب کا نام اسماء الحسنٰی ہے جو طارق اکیڈیمی فیصل آباد نے مئی ۲۰۰۳ء میں شائع کی۔

علامہ قاضی سلیمان منصور پوری قاضی عبدالکبیر منصور پوری اور قاضی حسن معزالدین کے دادا تھے اور قاضی عبدالعزیز منصور پوری جنھوں نے رحمتہ اللعالمین کا انگریزی میں ترجمہ کیا ان کے والد گرامی تھے۔ (وحید عشرت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ۹۹ اسماء الحسنٰی کا احصاء کرلو۔

(۷) سات محدثین کرام۔ بشمول ترمذیؒ و امام جعفر صادق نے اپنی ترجیح اور ذوق کے مطابق قرآن اور حدیث سے اپنی اپنی فہرست پیش کردی۔ ہمارے ملک میں صرف امام ترمذیؒ کی فہرست مقبول و معروف ہوئی۔ اُن سات فہارس میں جملہ ۲۴۴ اسماء الحسنٰی ہیں۔ علماء عربی اور مسلم فلاسفروں نے بھی اپنی ترجیح کے مطابق اسماء کی فہرست بنائی اس طرح ایک ہزار کے قریب اسماء الحسنٰی دست یاب ہیں۔

صرف قرآن مجید سے ماخوذ کوئی فہرست نہ تھی۔ یہ خدمت قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے انجام دی اور ایک اسم احسن کا اضافہ بھی کیا جو محدثین کی فہارس میں نہ تھا۔ اُن کی اس موضوع پر منفرد تالیف ''شرح اسماء الحسنٰی'' اس علم کی معرفت ہے۔ جملہ اسماء الحسنٰی کا علم جملہ مخلوقات کے اجتماعی علم سے بھی ماورا ہے کچھ اسماء الحسنٰی کا انکشاف' اللہ تعالیٰ' یوم حساب کو عطا فرمائیں گے برائے برکت و فیوضِ معرفت' قاضی صاحبؒ کی مرتب کردہ فہرست' ماخوذ از قرآن' اِس کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ صرف توقیفی اسم احسن کا احصاء کرے۔ .

احوال: حال کی جمع

وہ خوشگوار کیفیات جو سالک پر طاری ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے سالک کی رُوحانی اور اخلاقی جدوجہد میں حلاوت پیدا ہوتی ہے۔

نوٹ: (ادراک) حواس خمسہ ظاہری کے مقابل باطن میں حواس باطنی یا صفا باطنی ہیں۔ انھی کی تہذیب (refinement) پر کشف کے حقائق کا انحصار ہے یعنی انھی کی تہذیب یا نکتہ سنجی یا باریک بینی پر کشف کے حقائق کھلنے کا انحصار ہے۔

اخلاص:

صرف خدا کے لیے کسی فعل کو انجام دینا نہ کہ معاوضے کی نیت سے۔ حضرت رابعہ بصریؒ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے میں آگ لے کر جا رہی تھیں کہ پانی سے دوزخ کو بجھا دوں اور جنت کو آگ لگا دوں تاکہ لوگ لالچ میں خدا کی عبادت نہ کریں۔ صرف اخلاص سے کریں۔ غالب نے اس کو یوں شعر میں بیان کیا ہے:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبین کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو

اللہ بھی کہتا ہے کہ جنت کے لیے عبادت کریں گے انھیں جنت دے دی جائے گی اور جو صرف اخلاص سے میری خوشنودی کے لیے عبادت کریں گے ان کی جزا میں ہوں گا یعنی زیارت یا دیدار ابھی ہوگا جو سب سے بڑا انعام ہے۔

اَخیار: (خیر کی جمع)

صوم و صلوٰۃ' تلاوت' حج' جہاد میں بکثرت مشغول رہنے والے۔ (ب) لفظی۔ برگزیدہ لوگ' شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے صوفیائے کرام کا تذکرہ لکھا اور اس کا نام 'اخبار الاخیار' رکھا۔

ادب: (Self Culture)

شریعت کی رعایت' شعائر اللہ کی حرمت' اللہ کی حرمت' خدمتِ شیخ' رویتِ حق میں فنا ہو جانا۔ صوفیاء کے نزدیک ہر لمحے اور ہر مقام کا ایک اپنا ادب ہوتا ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

ادراک' بصیرت' احساسِ باطنی Vis-a-vis قوتِ باصرہ (قوتِ لامسہ Versus ذوق و شوق باطن) قوتِ سامعہ Versus القاء و الہام' صلاحیت ماخذ' یا کھٹاس' تلخی' نمک' سوندھا پن۔

منتہی کا مقام محویت ہے' جہاں پہنچ کر کشف و کرامات وغیرہ سب بند ہو جاتے ہیں کیونکہ لذتِ حضوری سے سیری نہیں ہوتی۔

ادب کے معانی نکلسن نے Self- culture دیے ہیں۔ یعنی تہذیبِ نفس۔

ادراک بسیط:

حق تعالیٰ کے وجود کا ادراک نہ کہ اس سے غفلت۔ یہاں بسیط سے ابتدائی جامعیت یا فہم مراد ہے۔ اس کے بعد ادراکِ صادقہ ہے۔

اراده:

یَحکُم ما یُرید و یفعلُ مایشاءُ

تجلّیِ ذات برائے ایجادِ معدوم، یعنی عدم سے وجود میں لانے کا تعلق اللہ کے ارادہ سے ہے۔

ارتفاع:

اُٹھ جانا، بلند ہونا، بلندی۔ بشری صفات سے ملکوتی صفات کی طرف ارتقاء۔

ارتقاء:

ارتقائے نفسِ ناطقۂ انسانی بمراتبِ عالیہ۔ بچۂ ماں کی گود، باپ کی تربیت اور سفرِ تحصیل علوم وغیرہ۔ اسی طرح رُوحانی طفل شیر خوار جس نے نفس ناسوتی (دنیا) سے رہائی نہیں پائی، شیر مالوفاتِ[1] طبع پیتا ہے۔ عناصر کی گود میں (مادر اسفل السافلین) اور بدن کے گہوارہ میں جھولتا ہے اور آثارِ رُشد کے بعد سفرِ معنوی (رُوحانی) اختیار کرتا ہے۔

[1] milk liked by ones nature

ارتقائے تحلیلی:

کائنات میں ہر چیز ایک دوسرے میں تحلیل اور جذب ہوتے ہوتے بالآخر انسان میں تحلیل ہو کر قابلیت معرفت پیدا کرتی ہے۔

ارکان:

عناصر اربعہ: پانی، مٹی، ہوا اور آگ۔ یونانی تصورات کے مطابق کائنات کے یہ تشکیلی عناصر ہیں۔ زندگی کیا ہے عناصر کا ظہورِ ترتیب موت کیا ہے انھی اجزا کا پریشان ہونا۔ یونانی حکمت یعنی طب بھی اس پر انحصار کرتی ہے کہ کسی ایک عنصر کی کمی یا زیادتی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔

ازل یا ازل الآزال:

اس کا متضاد ابدالآباد ہے۔ وکان اللّٰہ ولم یکن معہٗ شیئاً (اللہ موجود تھا اور اس کے علاوہ اور کوئی شے نہ تھی) روز ازل، صبح ازل، جب زندگی یا کائنات کا ابداع ہو۔ کب ہوا؟ کسی کو معلوم نہیں۔

استجلاء:[1] (epiphany)

(جلاء۔ کھلا ہوا معاملہ) ظاہر کرنے کو کہنا یا ظاہر ہونے کو چاہنا غیر واضح اور متشخص ہونا بروز یا ظہورِ ذات برائے ذات، درمیان تعینات یعنی اللہ کا اپنی ذات کو پانا۔

([1] انسانی طاقت سے برتر ہستی کا ظہور)

استقامت:

عہدِ وفا اور اعمال میں ثابت قدم رہنا۔ (برعایات حدودِ اوسط)۔ اس کے تین درجے ہیں:

۱۔ تقویم: تادیب نفس[1] Perfection of ego, self

۲۔ اقامت[2]: تہذیب قلب سے اس کا تعلق ہے:

۳۔ استقامت: یہ قربِ اسرار کا ذریعہ ہے۔ یہ سب سے بڑی کرامت اور دلیل مقبولیت ہے بقول حضرت مظہر جان جاناں:

براصلِ استقامت فیض نازل می شود مظہر
نمیدانی تجلی گردِ کوہ طور می گردد

[1] Intent upon anything refinement of heart

[2] Teach good manners, perfection of ego, self

استتار:

سَتر۔ پردہ میں ہونا۔ تصوف میں اس سے اشارہ ذاتِ باری تعالیٰ (پاک۔ اللہ کی ذات) یعنی اللہ کی طرف ہوتا ہے جو ہمیشہ پردہ میں رہتی ہے۔ لہٰذا ''مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستتار'' یعنی نیک لوگوں کا مشاہدہ تجلی اور استتار کے درمیان ہے۔ تجلی کے معنی ظہورِ ذات ہے۔ استتار سے اصل ذات کی جانب اشارہ ہے جو ہمیشہ پردے میں رہتی ہے۔ (تجلی۔ خدا کا نور)

شان (جمع شیون) برتر شان یا حالت۔ رفیع الشان ہونا ہی اللہ کی شان ہے۔ اسی کو انگریزی میں noble or lofty condition کہیں گے۔

استعداد:

قابلیت۔ ability, talent, competency، کوئی ظاہری و باطنی صلاحیت، رد و قبولیت کی استعداد۔

استغراق:

عشقِ الٰہی میں ڈوب جانا۔ محویت کی کیفیت کو بھی استغراق کہا جاتا ہے۔ غلبہ محبت الٰہی

Wholly engaged in desire for drowning in His love-

استغفار:

طلب معافی (گناہ) Asking forgiveness or pardon نادم ہونا۔ پشیمان ہونا اور خدا سے معافی کا خواستگار ہونا۔

استطاعت:

خدا سے درگزر کرنے کی التجا کرنا۔ اطاعت، اختیار، قوت، کر سکنے کی قوت۔ Ability to do, capability to (divine do, to have the power or potency power),Competency.

استہلاک:

بقاباللہ سے پہلے کی منزل۔
طلب فنافی اللہ۔

Seeking 'fana' or annihilation or negation of one's conciousnes (b) (Knowledge)

استوٰی

غزالی نے استواء الی العرش کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

(عربی: استوی= متمکن ہو گیا، قرار پکڑا)۔ تقید "اعتباری" ہے۔ (دیکھیں اعتبار Speculative) یعنی ہر قال اور حال (each limitation) اعتباری یا ظنی ہے۔ تقید= Limitaion, (binding oneself) ہر استوٰی (Contd)

اطلاق کے بندش۔ صلاحیت کار کی پابندی۔

application, reference کے

استوٰی: ثم استویٰ الی السماء فسوّاھن سبع سمٰوت (سورہ بقرہ ۲۱: آیت ۲۹)۔ دیکھیں ارمغانِ مجاز رُباعی ۱۹۸ (مکمل وحدت الوجود ہے) ثم استویٰ علی العرش یُدبر الامر مامن شفیعٍ اِلا من بعد اِذنِہ (سورہ یونس ۱۰: آیت ۳)

ثم استویٰ علی العرش یغشی اللیل النھار یطلُبُہٗ حثیثاً۔ (سورہ اعراف: آیت ۵۴)

اللہ الذی خلق السمٰوتِ والارض وما بینھما فی ستۃِ ایامٍ ثم استویٰ علی العرش. (سورہ فرقان ۲۵: آیت ۵۹/سورہ یونس ۱۰ آیت ۳)

ولما بلغ اشدّہ واستویٰ اتیناہ حکماً وعِلماً (سورہ قصص ۲۸: آیت ۲۴/سورہ سجدہ ۲: آیت ۴)

کزرعٍ اخرجَ شطاہٗ فازرَہٗ فاستغلظَ فاستویٰ علیٰ سوقہٖ (سورہ فتح: آیت ۲۹) انزل، اتارنا۔

[تقید اور وجود۔ ہستی+تنزُل. نزول (descent)] کا فرق۔

اُمہات (مائیں =Mothers) لیکن اردو اصطلاح میں اُمہات علوی۔ علوم۔ نفوس اور ارواح ہیں۔ نیز اُمہات سے مراد سات اصول (Seven elementaries or elements) بھی ہیں۔ مرجع؛ لوٹنے کی جگہ۔ مامن (پناہ

گاہ)۔ یہاں وہ نام جس کی نمائندگی ضمیر کرتا ہے' بھی مراد نہیں بلکہ ان اسماء کا خلاصہ یا compendium یا مختصر اور جامع الفاظ ہیں جو قَل و دَلَّ (مختصر اور بادلیل) ہوں۔

استیلاء:

غالب آنا' پورا اختیار' سند' تفوق' بالادستی' طاری ہونا۔

اسراف:

لفظی مطلب فضول خرچی ہے۔

سلوک (تلاشِ قربِ الٰہی) میں بے تکے پن سے عبادت کرنا مراد ہے۔ کسی چیز کا درست استعمال نہ ہونا۔

ضیاع:

چو از حد سر گذشتن شرطِ رہ نیست
اگرچہ طاعت آمد جز گنہ نیست

شرطِ راہ سے بھی شوقِ قربِ الٰہی ہی مراد ہے۔ سرگذشتن معقولیت کی حد سے تجاوز کرنا۔ دوسرے مصرعے کو یوں پڑھیں: اگر طاعت گزاری جز گناہ نیست۔

(ب) باسراف آنکہ گفتارش بلند است
اگرچہ درفشاند ناپسند است

اگرچہ: تاہم' اسراف فضول یا بیکار گفتگو اگرچہ اس میں فصاحت و بلاغت کی بلند خیال ہو دُرفشانی: موتی بکھیرنا' چمکانا۔ اپنی بلند الفاظی کو چمکانا' لیکن وہ کلام حقیقت سے خالی ہو۔

تقابل و تکاثر: (لفظی) مقابلہ (فرق) اور (کوشش) برتری۔ لیکن صوفی کے نزدیک یا منعم اور یا منتقم کے فرق کو دماغ میں رکھنا۔

(ب) یا قابض اور یا باسط کے فرق کو ذہن میں رکھنا۔ (تنگی اور فراخی دینے والا)

اعیانِ ثابتہ اور اعیانِ ممکنات: (وہ اسماء یا صورتیں جو اللہ تعالیٰ کے نام کی نمائندگی کرتی ہیں)۔ وہ صورتیں یا مظاہر[1] جس میں اسمائے الٰہی ظاہر ہوتے ہیں۔

([1] Manifestations)

(ب) وہ مظاہر جو خارج میں ظاہر ہوتے ہیں وہ اعیانِ ممکنات' وجودِ عینی اور عالم شہادت کے نام سے منسوب ہیں۔ اعیانِ جمع ہے عین کی۔ عین مطابق' ہو بہو' عکس اور پرتو مراد ہے عین کا لفظی معنی آنکھیں اور آنکھ میں عکس کا بھی ہے اصطلاحاً بڑے لوگ اور شرفا مراد ہیں۔ جیسے اعیانِ مملکت' اعیانِ دولت یا سلطنت ہیں۔ اعیان ثابتہ افلاطون کے تتبع میں ابن عربی کا نظریہ جو وحدت الوجود کی اساس ہے۔

اسلام حقیقی:

یعنی ممکن اور واجب میں غیریت نہ جانی جائے (اصطلاحاً مراد ہے) یعنی بندہ اور اللہ میں۔

اسلام مجازی:

ممکن اور واجب میں بیگانگی (غیریت) کا امتیاز کیا جائے۔

اسماء:

اسم کی جمع ہے اس کے معنی ہیں اللہ کا نام' چونکہ اسما اللہ اس کی کسی خاص صفت یا فعل کو ظاہر کرتے ہیں اس لیے یہ اسم ذات و صفات کا جامع ہے۔ (مجموعی معنی دیتا ہے)

اسماء و صفات:

وہ لفظ یا عبارت جس کا اشارہ حق سبحانہ کی جانب ہو' باعتبارِ صفت یا ذات کے۔

اسمائے حسنیٰ:

اگرچہ لامتناہی (Uncountable) ہیں لیکن ان کا مرجع اصول متناہی ۹۹ ہیں۔ (99 Principle objects - return to God)

اللہ کے پاک نام اگرچہ متناہی ہیں لیکن ان کا مرجعِ اصولِ متناہی ۹۹ ہیں۔

نوٹ: مرجع صحیح حد بندی کرنے والا۔ تعین کرنے والا یا انگریزی میں determinant ہے۔

اسم جامع:

اسم جامع اللہ ہے۔ جو جامع ہے جمیع اسمائے الٰہی کا اور شامل ہے۔ A comprehensive of names & attributes of God)

آشنائی: (Friendship)

اللہ کا تعلق مخلوق سے صفتِ خالقیت کی جہت سے۔

اشتیاق:

شوق، چاہت، طلبِ تمام اور عشقِ مدام کی وہ کیفیت جو یافت (gain) نفع اور نایافت مراد نقصان یعنی نفع اور نقصان میں یکساں رہے۔

یافت و نایافت: پانا اور محرومی

فائدہ اور نقصان، وصول اور نا قابل وصول، Gain) or loss) قابل دریافت اور نا قابلِ دریافت۔

عشق وطلب کی وہ کیفیت جو ''ھل من مزید'' کی صورت ہمیشہ طالب رہتی ہے۔

اشراقیہ یا اشراقین:

the illuminati (illuminous) sect of philosophers)

اشراقی لوگ حکمائے قدیم کا وہ گروہ جنھوں نے کثرت ریاضت یعنی مراقبہ و مکاشفہ کے ذریعے اسقدر دلوں کو تطہیر اور باطن کی صفائی حاصل کر لی تھی کہ ایک دوسرے کے پاس چل کر جانے کی حاجت نہ رکھتے تھے۔ (بقراط اور افلاطون اور مولانا عبدالرحمٰن جامی وغیرہ حکمائے اشراقیہ میں سے تھے)۔

مشائین: (مَشی یعنی چلنے والے)

برخلاف اس کے حکمائے مشائین وہ Teachers یا scholars ہیں۔ جو چلتے چلتے تعلیم دیتے تھے۔ ارسطو چونکہ اپنے باغ ایتھنز میں ٹہل ٹہل کر تعلیم دیتا تھا اس لیے اس کو ٹہلنے والا یعنی مشائی کہا جانے لگا۔

اصل:

صفات کی اصل الٰہیت ہے اور اسماء کی اصل ربوبیت۔ کل اسماء کا اشتقاق رَبّ سے ہے اور کل صفات کا استخراج اللہ اور اِلٰہ ہے۔ یہ حجابات ہیں جمالی اور جلالی ذات سبحانہ کے جو ان حجابات سے آگے نظر بڑھاتا ہے وہ الٰہیت اور ربوبیت سے تجاوز کر کے حق وحدہ لاشریک کا امتیاز کر لیتا ہے۔

اصلاح: (Mend matters)

سدھارنا، سنوارنا، پاک کرنا۔

اپنی اصلاح کے بعد ہی دوسروں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ دانا نادانوں کی، عالم بے عمل کی اور حکیم بیماروں کی۔ وہ حکیم (یا پیر) کیا علاج کرے گا جسے مریض (مرید) سے محبت ہی نہ ہو۔ ہر صفت اپنی مخالف صفت پر محبت ہی سے اثر کر سکتی ہے نہ کہ نفرت سے۔

اصل وظلّ:

ظل سایہ ان کے معنی ہیں شے اور اس کا سایہ۔ ظل انعکاس یا پرتو کی حیثیت سے بھی متصور ہوتا ہے جو تقریباً تجلّی اور ظہور کا مترادف ہے۔ لیکن شیخ مجدد'' کے ہاں ابتداء'' اس کے معنی سایہ کے ہیں۔ جو شے سے مشابہت رکھتا ہے لیکن وہ جوں جوں ترقی کرتے جاتے ہیں ظِل کی حیثیت محض سائے کی ہوتی جاتی ہے اور یہ لفظ کم حیثیت اور ہیچ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ انجام کار شیخ مجدد کے نزدیک ظِلّ صرف نتیجہ رہ جاتا ہے۔

اُصول: (اصل کی جمع)

منبع، سرچشمہ، بنیاد، مادہ، ماخذ، مصور بنیادی اصول،

اصل اجزا' اصول سے اہل شرح عقائد مراد لیتے ہیں۔ (اگر چہ اس کے لفظ معنی principles کے ہیں)۔

اطوار:

جمع طور کی۔ وجودِ حقیقی کے وہ شیون و حالات جو عرش تک عالم حوادثات کے جملہ تعینات میں جھلک رہے ہیں۔ اسی سے ذاتِ احدیت سے عالم شہادت کی جانب اشارہ ہے۔

ذات نے احدیت سے عالم شہادت کی جانب اور اطلاق سے انسان کامل تک جن جن تنزلات میں ہو کر ظہور فرمایا (نزول فرمایا)۔ سب اطوار ہیں۔ ذاتِ اقدس کے جملہ اطوار و شیون (شانیں۔ حالتیں) ہی اطوار ہیں۔

اعتبار: (Realtive, speculative, Imaginative)

یا اعتباری:

تصوف میں اس لفظ کا استعمال عموماً حقیقت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو حقیقی نہیں اعتباری ہے' یعنی ظنی' وہمی اور فرضی ہے۔ ہر تنزل' ہر تقید اعتباری ہے۔ ساری کائنات اعتبارات ہی کا مجموعہ ہے۔

اعتدال :(Control)

نفس ناطقہ انسانی میں دو قوتیں ہیں: ادراک اور تحریک۔ دونوں کی دو دو اقسام ہیں۔

(۱) ادراک بقوتِ فکری Understanding (۲) اور بقوتِ عملی۔ تحریک کی دو قسمیں ہیں:

لہٰذا یہ سب مل کر چار اقسام ہوئیں: (۱) فطری۔ (۲) عملی۔ (۳) شہوی۔ (۴) غضبی۔ ان میں اعتدال رکھنا ہی باعثِ فضیلت ہے۔ قوت فکری کی تہذیب کو حکمت کہتے ہیں۔

۲۔ قوت عملی کی تہذیب کو عدالت کہتے ہیں۔

۳۔ قوت غضبی کی تہذیب کو شجاعت کہتے ہیں۔

۴۔ قوت شہوی کی تہذیب کو عصمت کہتے ہیں۔

تہذیب (Refinement): تہذیب سے مراد اصلاح' درستی یا پاک کرنا ہیں۔ آراستگی وغیرہ' اخلاق کے اصول اربعہ یہی ہیں۔ تہذیب نفس' نفس کی پاکیزگی مراد ہے۔

یہ اعتدال کو محمود اور افراط و تفریط کو مذموم قرار دیتا ہے۔ یہی حدِ وَسط جو افراط و تفریط سے بچی ہوئی ہے' صراط مستقیم ہے۔ جس کے دونوں جانب دوزخ ہے اور درمیانی خط مستقیم جنت کو جا رہا ہے پل صراط بھی یہی خط ہے۔ حُسن بھی اسی اعتدال اور حدّ اوسط کا نام ہے۔ یہی اعتدال اور تناسب مختلف اور متضاد اجزاء کی ترکیب مساوات پیدا کرتا ہے۔ مرکب چیز میں وجدانی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور بدن اور رُوح جیسی مختلف پیدا اشیاء کو جمع کر کے ایک دوسرے میں ایسے پیوست کر دیتا ہے کہ ایک بسیط الذات شے پیدا ہو جاتی ہے۔ جسے نفسِ ناطقہ' انسانی کہا جاتا ہے۔

اعتزال۔ اہل اعتزال یا معتزلہ: (Schismatic)

فرقہ بندی یا تفرقہ سے متعلق

کیونکہ یہ لوگ اہل سنت و الجماعت سے الگ ہو گئے تھے۔ حسن بصریؒ نے واصل بن عطا کو پہلی بار کہا اعتزلہ انا یعنی وہ ہم سے نکل گیا۔ جب حسن بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب جنت میں جائے گا یا دوزخ میں تو واصل بن عطا نے حسن بصریؒ کے جواب سے پہلے ہی کہہ دیا کہ منزلہ بن المنزلتین' یعنی وہ دونوں مقامات کے درمیان رہے گا جس پر حسن بصری نے کہا اعتزال انا یہ ہم سے نکل گیا اور واصل معتزلہ کا بانی بنا اور مسجد کے دوسرے کونے میں درس دینے لگا۔

اہلِ حال = Conversant with the State of things جو حالتِ وجد میں ہوں۔ وہ اولیاء جو کسی کیفیت میں ہوں۔

اہلِ حجاب= Veiled, modest منکسر المزاج۔ جو اپنی قابلیت کا اندازہ گھٹا کر کرے۔

اہلِ تماشا= actors of a play محض دل لگی اور دکھاوا کرتے ہیں۔ خود ان خوبیوں سے متصف نہیں ہوتے۔

اہلِ باطن = Contemplative, pious اہل کشف و باطن۔ متقی۔ پرہیز گار۔

اعیانِ ممکنات = Most Excellent of creatures identical to Him اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے والے (یہی توحید وجودی ہے؟)

اھلِ آھویٰ = Heretics,Visionaries مسلمہ عقائد کے مخالف۔ رافضی۔

اھل اللہ = اھل ایمان= People of God, faithful, believer, orthodox

اھلِ ادراک = Intelligent

اھلِ اِھلَتہ = Wealthy person

اھلِ اختیار= A partician of noble birth اہل اقتدار۔ جو مجبورِ محض نہ ہو۔ جو اپنے ارادہ سے کام کر سکے۔ مسلمان درویش کو ہی Santom کہا جاتا ہے۔

اعتکاف:

قلب کو دنیا سے فارغ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر دینا۔ دنیا کے علائق سے الگ ہو کر غور وفکر کرنا اور خدا کی عبادت کے لیے خدا سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ چھوٹی عید سے قبل رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا جاتا ہے۔ صوفی اپنے حجرہ یا غار میں اعتکاف کرتا ہے۔

اَعیان ثابتہ:

صُورِ معانی جو صحیح موجودات غیر حاضر میں موجود ہیں۔ آئینۂ عالم میں علم الٰہی قبل تخلیق عالم موجود تھا۔ وہ اسماء یا صورتیں جو اللہ تعالیٰ کے نام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ صورتیں یا مظاہر جس میں اسمائے الٰہی ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ وحدت الوجودی تصور، ابن عربی پر محسن جہانگیری کی کتاب میں ملاحظہ ہو اور ڈاکٹر وحید عشرت کی کتاب فلسفہ وحدت الوجود ملاحظہ ہو (ناشر سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور) نیز اقبال اور وحدت الوجود از ایف ڈی نسیم اور الطاف اعظمی کی کتاب وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ ملاحظہ ہوں۔

(ب)۔ وہ مظاہر manifestations جو خارج میں ظاہر ہوتے ہیں وہ اعیانِ ممکنات، وجودِ عینی[۱] اور عالم شہادت[۲] کے نام سے منسوب ہیں اعیان کے لفظی معنی آنکھیں۔ بڑے لوگ اور شرف ہیں جیسے اعیانِ مملکت، اعیانِ دولت یا سلطنت ہیں۔

۱۔ Visible World) ۲۔ Metaphysics

نفس انسانی بدن میں مہتاب کے مشابہ ہے۔ مہتاب لفظی معنی پورا چاند، چاندنی، چاند کی شان۔

وجودِ عینی:

یعنی وجود عین ہے تمام اشیاء کا (یہی وحدت الوجود ہے)۔

اعیانِ ممکنات:

وہ اعیان جو ممکن ہو چکے یا وجود میں آچکے ہیں۔

موجوداتِ عالم ہی اعیانِ ممکنات ہیں۔ یہی وحدت الوجود ہے۔ 'خارج میں وجود عینی رکھتی ہیں' سے یہی مراد ہوا کہ وجود عین ہے ان تمام اشیائے خارجی کا۔ یہ آسانی سے وحدت الوجود میں بدل جاتا ہے۔

افتادگی:

حالات اور کیفیات کا مخفی نہ رہ سکنا۔ صوفی کو اپنی ابتدائی منازل میں سکوت (خاموشی) لازم ہے مگر وہ شدتِ کیفیات سے مغلوب ہو کر وقت سے پہلے ہی حالتِ اضطرار میں بول پڑتا ہے اور اپنے مقامات سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ

ضبط کی کمی ہوتی ہے۔

افتراق:

فرقہ بندی(Schism) مسلمانوں اور عیسائیوں کی یہی تفرقہ بندی ہے۔ تصوف میں توجہ اور ذہن کا اپنی اصل سے ہٹ کر ذہن اور توجہ کا بٹ جانا مراد ہے۔

افعالِ الٰہی:

جملہ افعال الٰہی آثارِ (Signs) قدرتِ الٰہی ہیں ان کے لیے آیات الٰہی بھی مستعمل ہے۔ خواہ جزوی ہوں یا کلی، جزویات بلحاظ اپنی ضرورت و احتیاج کے زمانے سے متعلق ہیں اور کلیات تقدیم کی جہت سے حق کی طرف منسوب ہیں۔

یفعلُ مایشاء و یحکُمُ مایُرِیدُ.

ابداع:

افعالِ الٰہی کا پہلا مرتبہ۔ بغیر واسطے اور وسیلے کے پیدا کرنا جیسے عقل اول کو بلا کسی واسطہ کے (پیدا کیا) بنایا۔ عقل اول کی پیدائش کا نظریہ بھی وحدت الوجودی تصور ہے۔ الفارابی اور ابن سینا نے صدور کائنات کے نظریے میں اسے یونانی فلسفے سے لے کر مسلم علم کلام میں داخل کیا تخلیق کے نظریے سے تطبیق دی۔

خلق:

دوسرا مرتبہ خلق ہے یعنی ایک واسطے سے دوسرا پیدا کرنا۔ جیسے نفس[۱] کل کو عقل اول سے بنانا۔

[1] The Universal soul (met) The Throne of god, Loh-e Mehfooz.

[۱] جس میں خدا کی حکمت اور تدبیر درج ہے۔ آج کی زبان میں اسے کل علم اور تدبیر و تقدیر کی فلاپی بھی کہہ سکتے ہیں جس میں ہر چیز ریکارڈ اور محفوظ ہے اور اس کے مطابق ہو رہا ہے۔

صنعت:

تیسرا مرتبہ صنعت کا ہے جو خلق کے بھی نیچے ہے۔ جب بندہ کسی چیز کو بنائے گا تو اسے صانع کہا جائے گا۔ (خالق نہیں کہا جائے گا) یعنی ایک چیز کو دوسری سے ترتیب دینا صنعت ہے۔

نوٹ: فعل اور عمل۔ صانع کو تو فاعل بھی کہہ دیتے ہیں لیکن فاعل کو صانع کبھی نہیں کہتے۔

عالم آفاق و اَنفُس:

یا انفس و آفاق، انفس عالم باطن و آفاق عالم خارجی۔ انفس کے علم کو حضوری بھی کہتے ہیں اور حضوری کا غائب ہو جانا یا زائل ہو جانا انفس کے بھول جانے کو بھی کہتے ہیں یہی فنائے نفس ہے۔ عالم آفاق سے مراد وہ عالم خارجی ہے جو ہمارے آگے پیچھے دائیں بائیں نیچے اوپر ان سمتوں میں گھرا ہوا ہے۔ انفس علمِ حضوری کو کہتے ہیں۔ عالم انفس سے مراد سالک کے اپنے شعور کا عالم ہے جو اس کے باطن میں ہے اور خود اس کی اپنی ذات کے علاوہ ہر شخص کی دسترس سے بالاتر ہے۔

عالم خلق و امر:

Universe of creation & instentaneous

(فوری۔ دم بھر کا) انفس کے بھول جانے کو کہتے ہیں۔ عالم خلق وہ کائنات مادی ہے جس میں اشیاء بالترتیب زمانے کے اندر وجود کی صورت اختیار کرتی ہیں۔

عالم امر، اس عالم سے (عالم خلق سے) ماوراء عالم کو عالم امر کہتے ہیں۔ امر اور خلق دونوں خدا کے لیے ہیں۔ امر خلق پر وارد ہوتا ہے اور باعثِ تغیرات ہے۔

عالمِ کبیر:

عالمِ کبیر سے مراد پوری کائنات ہے جس کا باطن صوفیہ وجودیہ[۱] کے نزدیک خدا ہے اور عالمِ کبیر اسی طرح ایک وحدت ہے جس طرح سے عالمِ صغیر ہے یعنی انسان۔ عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے۔ یہ سب اصطلاحیں وحدت

الوجودی معنوں میں ہیں۔ جن کی تعبیر وحدت الشہودی تھوڑے سے تصرف سے بھی کرتے ہیں۔

ل Eminent

عالم مثال:

افلاطونی نظریہ۔ افلاطون کے نزدیک عالم مثال اصل ہے وہاں ہر چیز اکمل حالت میں ہے اور یہ کائنات اس کا ظل ہے جو اپنے اصل کو پانے کے لیے بیتاب ہے۔ اس بیتابی کو عشق کہا گیا ہے۔ وحدت الوجودی تصور اس کے گرد گھومتا ہے۔

یعنی ابرار کا مشاہدہ تجلی اور استتار (Hiding) کے درمیان ہے۔ تجلی= ظہورِ ذات۔ استتار سے اصل ذات کی جانب اشارہ ہے جو ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے۔ تجلی' خدا کا نور' جلوہ۔

اقتضا ئات الٰہی: (اقتضاء کی جمع)

اللہ تعالیٰ کے مصلحت آمیز کا Expedient orders+ قوابل[1] طبعیہ۔ رجحانِ طبعی[2] مقاصد

ل Nature's begining of Affairs & leanings ۲

حلول:

خالق کا مخلوق میں اس طرح سرایت کر جانا کہ دونوں میں امتیاز نہ ہو سکے۔ اس کے ماننے والوں کو حلولی صوفیا کہتے ہیں۔

Penetrating or transmigration by arriving at the place of a sacrifice. (of a victim, like a victim).

تناسخ:

(بدن کا) تبدیلیٔ قالب

اتحاد:

حقیقت سے ایک ہو جانا' اس میں ضم ہو جانا محو ہو جانا' صوفیا کے نزدیک آخری منزل Being one, Oneness

اتصال:

مل جانا۔ وصل ہونا۔ دو چیزوں کا ملاپ

(See page 6) Being closely united, a conjunction but not a too close proximity or conjunction.

انفصال:

اتصال کے برعکس۔ علیٰحدگی۔ جدائی۔ افتراق (Separation)

شوق:

طلب' کسی کی لگن' چاہت۔ لپک۔

ل یہ بڑے نصیب کی بات ہے یہ عطا ہے ذوق بلند کی نہ طلب ہے خوف سے ان کی یہ مراسجدہ ہے مرے شوق کا

مخلصین طلب کو ابتدائے سفر میں ہی منزل کا پتہ چل جاتا ہے۔

اقرب:

(دیکھیں قرب)

نحن اقربُ الیہِ مِن حبلِ الورِید.

(ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

القاء (= الہام):

اترنا۔ نزول قلب سالک پر یقین کامل کے ساتھ وارد ہونا القاء ہے یا الہام ہے ابتداً خطرات رحمانی وارد ہوتے ہیں۔ الہام یا التباس میں فرق مرشد بتاتا ہے یا پختگی آنے پر صوفی خود بھی امتیاز کرنے لگتا ہے۔ شرع کی کسوٹی پر پرکھنے سے بھی کھوٹا اور کھرا سامنے آجاتا ہے۔

القائے سبوحی:

وہ القائے رحمانی جو بلاواسطہ بندے کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ اسے القائے داعی الی اللہ بھی کہتے ہیں۔

یعنی بلانے والا اللہ کی طرف۔

الہام: (Ilham or Inspiration)

اللہ کی جانب سے بلا کسی فرشتے کے اترنا ہوتا ہے۔

ولِکُلٍّ وجھۃٌ ھو مُولّیھا. (س۲:۱۴۸)

مراقبہ: دل کو دوسرے خیالات سے ہٹا کر ایک ہی خیال پر لگا دینا۔ دل کو ایک ہی خیال پر جمانا۔ انگریزی میں مراقبے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ تاہم ارتکاز توجہ نفسیات کی اصطلاح اس سے قریب تر ہے۔ جس سے عمل کرنے والے پر اپنے نفس کے اسرار کھلتے ہیں۔
Contemplation یا meditation, observation
وغیرہ اس کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔

حدس: (Thinking)

(Finding soon something which has been lost; Wandering without a guide, going fast.)

(۱) حدس: یک بیک غیب کی جانب متوجہ ہونا۔ علم مطلوب کا اس پر ایک ہی دفعہ نازل ہونا۔ حدس بمقابلہ علم کے نفوسِ کاملہ سے زیادہ اقرب ہوتا ہے۔ حدس سے فراست (genuity) پیدا ہوتی ہے۔ (بغیر اس کے کہ عرصہ گزرے یا ریاضت کرے)۔ حدس اور کیاست (Kayasat) میں یہ فرق ہے کہ کیاست زیرکی؛ دانائی کو کہتے ہیں۔ فراست وہ نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے۔ جب نفس پر حدس کی قوت سے عالم بالا کے انوار چمکتے ہیں تو ان علوم کا اظہار اُس پر رمزوابہام کے پردوں کی آڑ میں کیا جاتا ہے۔ اگر نفس میں اتنی قوت نہیں کہ حالتِ بیداری میں اس کا متحمل ہو سکے تو یہ جلوے اسے خواب میں دکھلائے جاتے ہیں۔

تکنیکی طور سے اس کا تعلق محض صوفیا (the santons, the mystics) سے ہے۔ الہام کے معنی رُوحانی فیضان ہو سکتے ہیں۔ الہامی ہدایت میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے لہٰذا الہامی احکام کا اتباع اور قبول کرنا کسی دوسرے شخص پر فرض نہیں البتہ مُلہم پر فرض ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ الہام حکم نبوی اور احکام شرع کے خلاف نہ ہو۔

الیاس (Elias):

Names of a king and coresin of khizr, on the confines of caspain sea

اسرار باطن کے رمزشناس کی علامت۔ وہ صوفیا جو اسرار باطنی کی کیفیات سے گزرتے ہیں تتبع حضرت الیاس کے حوالے سے انھیں الیاسیس کہتے ہیں۔ تاہم حضرت الیاسؑ نبی تھے اور حضرت خضر نبی نہیں تھے عالم اسرار باطنی تھے۔

الیاسین:

The followers of Elias وہ صوفیا جو اسرار باطن کی کیفیات سے گزرتے ہیں؛ تتبع حضرت الیاس کے حوالے سے انھیں الیاسین کہتے ہیں۔

الیاس وخضر:

اگر دونوں اکٹھے آئیں تو الیاس کنایہ ہے حالتِ قبض کی جانب اور خضر حالتِ بسط کی جانب۔

Khizr has sprung in his wake, where he places his steps is supposed to be at once covered with green.

بعض اوقات سالک پر قبض کی کیفیت لمحہ کے لیے اور بعض اوقات طویل دورانیے کے لیے بھی رہتی ہے؛ قبض اور بسط دونوں حالتیں مرشد سے دوری اور توجہ کے منقسم ہونے کا نتیجہ ہیں۔ شیاطین بھی غلبہ کر کے قبض کی حالت طاری کر سکتے ہیں۔ خضر رہنمائی کی بھی علامت ہے اس میں مرشد اور فائق تر ہے کہ نبی اور خدا سے رابطہ کیا جائے۔

امانت:

جو بار آسمان و زمیں سے نہ اٹھ سکا
تو نے غضب کیا دلِ شیدا اُٹھا لیا

انہ کان ظلوماً جھولا سے مراد ظلم نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایک جانب ظلمتِ عدمی ہے اور دوسری جانب علم و نور۔ اس ظلمت و جہل نے زنگار (rusts) کا کام دیا اور انسان نے الٰہیت کے پرتو کو قبول کر لیا۔ غالب کیا خوب فرماتے ہیں:

فلک کو کب ہے سلیقہ یہ ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

جھول بھی اسی حیثیت سے کہ وہ غیر حق سے جاہل ہے بوجہ معرفت تامہ کے جو نتیجہ تھا جامعیت کا۔ وہ ماسوٰی سے روگرداں ہے۔ تو ''ظلوماً جھولا'' ذم کے پردہ میں دراصل امتیاز و تمیز ہیں، وہ ہر چیز کو حق کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ مراتب کائنات کو اعتباری (ظنی) جانتا ہے اور اس طرح وہ وحدت الوجود کا قائل ہو جاتا ہے۔

امر و خلق:

وہ عالم جو موجد کے امر سے موجود ہو گیا لیکن خلق مادہ اور مدت سے مقید ہے یعنی زمان و مکان سے لہٰذا ایک بسیط چیز کا عدم سے وجود میں لانا امر ہے۔ مرکب چیز کا پیدا کرنا تبدیلیِ صورت کے ساتھ خلق ہے۔

الالَہ الـخلقُ و الامرُ– انما امرہ اذا ارادشیئاً ان یقول لہ کُن فَیکون (سورہ یٰسین ۳۶۔۸۲)

امرِ الٰہی کے تین مراتب ہیں:

(۱) حقیقتہ الامر: اللہ کا اسم ذاتی۔ اس کا امر اُس کے علم اور صفات کا لازمی حصہ (تلازم) ہے۔

(۲) اثر الامر: جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ امر کا اثر یہ ہے کہ اجسام کو حرکت ہو۔

قُـل الـرّوحُ مـن اَمـرِ ربی . (کہو روح خدا کا حکم ہے)۔ اس سے زیادہ اس کی تشریح نہیں کی البتہ علامہ ابن قیمؒ نے اس پر رسالہ لکھا ہے۔

امر کے آثار ان کی بمراتب ترتیب، یہ خدمت جبرائیل کے سپرد ہے۔ آثار، علامات، روایات۔ (احادیث)۔

(۳) صورۃُ الامر: کی صورت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علم، مشیت، ارادہ و احکام الٰہی کی آپ صورت ہیں۔

اُوست ایجادِ جہاں را واسطہ
درمیانِ خلق و خالق رابطہ
شاہباز لامکانی جان اُو
رحمتہ اللعالمین درشانِ اُو
عارفِ اطوار سر جزو کل
خلق اول رُوحِ اعظم، عقل کل
علت غائی، زِ امرکن فِکاں
نیست غیر از ذات آں صاحبقراں
رہنمائے خلق و ہادی سُبل
مقتدائے انبیاء ختم الرسل

صاحبقراں: جو زہرہ اور مشتری کے ملنے کے وقت پیدا ہو۔ حکما کے خیال میں وہ صاحب صولت و حکومت ہوتا ہے۔ یہاں نبی کریمؐ ہی مراد ہیں۔

اُمَناء: (Self- Prefects)

اپنا محاسبہ کرنے والا۔ (Self accounta bility) انگریزی میں کوئی مترادف نہیں۔ ملامتیوں کو کہتے ہیں جو اپنے روشن باطن کو ظاہری زبوں حالی کے پردے میں مخفی رکھتے ہیں۔ (b) Public functioner (Superintendants)

اُمہات (Mothers):

چار عناصر اور سات آسمانوں کو اصطلاحاً اُمہات کہا جاتا ہے۔

Seven Skies and four elements

(The seven skies or four elements and (elementary qualities) the elementaries for the gnosis of reality).

اُمہاتِ حقائق سات ہیں: (۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) ارادہ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام

اشتمالات (Which it contains) محولہ بالا (refered above) اسما یا امہاتِ اسما: یعنی جب تک سمع و بصر نہ ہو' کلام نہیں ہوسکتا۔ ارادہ نہ ہوتو بھی کلام نہیں ہوسکتا۔

اسمِ جامع: مندرجہ بالا کا 'اللہ' ہے۔ جو جامع ہے جمیع اسمائے الٰہی کا اور شامل ہے جمیع صفات پر

A Comprehensive of Names or attributes.

تقابل و تکاثر:(Dichtomy of eachother): یا مُنعم (Benificent) اور یا منتقم (Who takes revenge (God)) یا قابض اور یا باسط اسمائے متقابلہ ہیں۔ نیز یا ضارُ اور یا نافع۔

اعیانِ ثابتہ اور اعیانِ ممکنات ۔ وہ صورتیں یا مظاہر (Object, manifestations) جس میں اسمائے الٰہی' علمِ الٰہی کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں' اعیانِ ثابتہ یا صورِ علمیہ کہلاتی ہیں۔ اور وہ مظاہر جو خارج (externally, manifested) میں ظاہر ہوتے ہیں' اعیانِ ممکنات (most excellent creatueres) وجودِ عینی اور عالم شہادت کے نام سے موسوم (ہوتے) ہیں۔

امیری:

اپنی ارادت کو سالک پر ظاہر کرنا۔

انا:

جسم میں مضغہ ہے۔ اس مضغہ میں فواد (قلب) ہے۔ فواد میں رُوح ہے۔ رُوح میں سر ہے۔ سر میں خفی ہے۔ خفی میں اخفا ہے۔ اخفا میں انا ہے۔ عامی سمجھتا ہے کہ من سے مراد میرا جسم ہے۔ حکیم سمجھتا ہے اس سے رُوح مراد ہے۔ لیکن صاحب کشف جانتا ہے من سے نہ تنہا جسم مراد ہے نہ رُوح بلکہ وہ حقیقت مراد ہے جو تمام حقائق اور ھویات (Divine Essence & Substances) کو سمیٹے ہوئے ہے روح یا بدن اُسی حقیقت کے مظاہر[1] ہیں۔

[1] (Manifestation)

<u>مَن</u>: من سے مراد ذاتِ واحد جس کا تعلق جسم اور جان سے ہے۔ گویا جسم و جان اجزا ہیں اُس حقیقت کے تعینات سے جس سے ہر فرد اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے۔

من و تو برتر از جان و تن آمد
کہ ایں ہر دو ز اجزائے من آمد
بہ لفظ من نہ انسان است مخصوص
کہ تو گوئی باآں جان است مخصوص
یکے رہ برتر از کون و مکاں شو[1]
جہاں بگزار و خود در خود جہاں شو

(مثنوی گلشن راز)

انا الحق (یا ما اعظم شانی):

ایسی شطحیات جو غیر مغلوب الحال کے لیے کسی صورت جائز نہیں۔ صدفیوں کا ایک گروہ اس قسم کے الفاظ کا نکلنا توحیدِ وجودی کی وجہ سے جائز سمجھتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہیں جو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ انا سے اشارہ ہے ذاتِ مطلق کی جانب انانیت (خودی) انائے خودی کی بازگشت۔ بقولِ اقبال:

زِ مہرش سینہ ہا جولانگہِ برق
دلِ ہر ذرّہ در جوشِ انا الشرق

لیکن شریعت اس کے اظہار کو فاسق اور غلط قرار دیتی ہے۔ لہٰذا ضبط فائق تر ہے۔ اور اظہار موجب گرفت' اناالحق گو

منصور اسی شریعت کی بنا پر سزاوار ٹھہرا۔ غلبے کو ضبط لازم ہے۔

ہر چیز جو عبد سے منسوب ہے حقیقتاً حقیقتِ عبد سے منسوب ہے اور حقیقت عبد کی ذاتِ مطلق ہے۔ انا خواہ تعین روحانی میں متعین ہو یا تعینِ جسمانی میں' انا کی حقیقت وہی ذاتِ مطلقہ جو کبھی من و تو کی مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ جو بلحاظِ تعینات اعتباری من و تو ہے لیکن بلحاظ اطلاق ھو ہے۔

حقیقت کز تعین[1] شد مُعین[2]
تو اُو را در عبارت گفتۂ ای من
من و تو عارضِ ذاتِ وجودیم
مُشبکہائے مشکوٰۃِ وجودیم
ھمہ یک نوردان' اشیاء و ارواح
گہ از آئینہ پیدا گہ ز مصباح

۱ واقع ہونا ۲ بنیاد ۳ مادی وجود میں

مُشبک بمعنی جالی دار (Latticed, netted) یہاں مشکوٰۃ سے مراد 'طاق (Niche)' ہے جس میں چراغ رکھتے ہیں۔ مشکوٰۃِ وجود۔ ہم اور تم ایک عارض (واقعہ 'event' کے تحت بنے ہوئے ہیں)۔ مشکوٰۃ سے مراد وہ فریم ہے جس میں چراغ رکھتے ہیں۔

عارف انا کا استعمال کرتا ہے تو اس کی مراد وجودِ خارجی کی انانیت ہے جو باعتبار مرتبۂ ذاتِ متعین ہے وہ انانیت حق تعالیٰ کی خبر دیتی ہے۔ یہ وہ شعور ہے جو اللہ تعالیٰ کی خودی کے تصور کو سموئے ہوئے ہے کیونکہ عارف حق تعالیٰ میں فانی ہوتا ہے' وہ ھوالحق کہے یا انا الحق تعبیر ایک ہی حقیقت کی ہوتی ہے۔ یہ وحدت الوجودی صوفیاء کا حال ہے۔ جو انا الحق میں قال بن جاتا ہے' اقبال کے ہاں فنافی اللہ کے بر عکس بقاباللہ ہے۔ حضرت مجدد کے ہاں بھی اعلیٰ ترین منزل بقاباللہ ہے۔ تعین[1] کے دور کرنے سے ھو اور انا ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ بقول عطار:

(۱ ہستی یا وجود مراد ہے)

در آ در وادیِ ایمن کہ ناگاہ
درختی گویدش اِنّی انا اللہ
روا باشد اناللہ از درختے
چرا نبود روا از نیک بختے
ہر آن کس را کہ اندر دل شکے نیست
یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست
انانیت بود حق را سزاوار
کہ ھو غیب است و غائب وہم و پندار
جناب حضرت حق را دوئی نیست
دراں منزل من و ما و توئی نیست
ہر آں کو خالی از خود چوں خلا شد
اناالحق اندر و صوت و صدا شد
شود با وجہ باقی غیر ہالک
یکے گردد سلوک و سیر و سالک

چونکہ پہلا تنزل انا میں ہوا ہے' اس لیے لفظ انا میں کبھی تعین اول کی جانب اشارہ ہوتا ہے اور تعین اول مقام محمدی ہے' کیونکہ تعین ذات کا پہلا اظہار ہے۔ (سزاوار' لائق)۔

انتباہ:

سالک کے دل سے غفلت کا دور ہونا۔ انتباہ سلبی معنوی میں ہے اور اس انتباہ سے نکلنا ہی ایجاب کی راہ پر گامزن ہونا ہے۔

انجمن:

عالم کثرت (the multitude, the plentitude) ۔ عالم وجود و تعینات۔

انزعاج (بیقراری)

طلب' پانے کی خواہش۔ سماع یا وعظ کی تاثیر سے

دل کا اللہ کی طرف کھنچ جانا۔ لفظی معنیٰ بے قرار ہونا۔ اِنزعج = بے قرار ہونا۔ ہٹنا زَعج ۔ یزعج ۔ سٹین گاس نے اس کے معنی غلط لکھے ہیں انزعاج کے معنی agitate یا agitation نہیں ہے نہ ہی drive away ہے بلکہ ہٹنا ہے۔ بطور شکست یا پسپائی کے نہیں بلکہ کنج عزلت یا اعتکاف کے لیے جتنے معنی ہیں دراصل مندرجہ بالا اصطلاحی معنی ہی اس کے لفظی معنی ہیں۔ لہٰذا کسی عربی دان سے ہی تصدیق کریں۔

انصداع:

(پھٹنا روشنی کا پھیلنا) فرق بعد الجمع (یعنی) سکر کے بعد (حالت) صحو کا حاصل ہونا۔ حالت جمعیت کے بعد حالت صحو یا ہوش میں لانا ورنہ متواتر مستی کی حالت میں وہ سالک بندوں کی رہنمائی کیسے کرے گا۔ لفظی معنی روشنی کا پھیلنا۔ جیسے اِنصدع الصباح= صبح کی روشنی پھیل گئی یا انصدع الارض بالنبات= یعنی زمین میں نباتات یا روئیدگی ظاہر ہونے لگی۔ گھاس وغیرہ نکلنی شروع ہوگئی۔

اِنظار:

سالک کا حق تعالیٰ کو لباسِ صفات میں دیکھنا

Who looks Allah in Attributes (Looks, glances, eyes)

اَنفس و آفاق:

نفسِ انسانی مع اپنے ظاہر و باطن کے۔ (۲) جو کچھ ظاہر و باطن ہے۔ لفظی معنی۔ انفس: سانس زندگی کی یا جو کچھ بظاہر نظر آ رہا ہے۔ آفاق: جہاں زمین اور آسمان دونوں ملتے نظر آئیں مگر وہ ملتے نہیں۔

breaths of life

(b) what is extemely visible اَنفس

آفاق Horizon, Universe, tracts, regions. آفاق

نفسِ انسانی مع اپنے ظاہر و باطن کے اَنفس ہے۔ اسی کے مطالعے کو سیر انفسی کہتے ہیں۔

آفاق:

(Universe, Horizons)

جو کچھ ظاہر و باطن ہے آفاق ہے۔ عالم حقیقت انسانی ہی کا ظہورِ تفصیلی ہے۔ آفاق میں جو کچھ ہے وہ سب اجمالی طور پر انفس میں بھی ہے۔ سیرِ انفسی سیر اجمالی ہے اور سیرِ آفاقی سے سیرِ تفصیلی مراد ہے۔

انفعالی کمال:

افعالی (Passive, Plassivity) حالتِ مجہولیت۔ اثر پذیری) شرمندگی' کمال خجالت' (اثر پذیری)

اوباش:

(عام آدمی نیز Rulfians)

جب غلبۂ محبت میں ثواب' عبادت سے نظر ہٹالی ہو۔ مغلوب النفس ۔ آوارۂ منزل

Who cares not for calamities & rewards under influence of love.

اولیاء:

(ولی کی جمع) دوست۔ اہل اللہ' صوفی

پرستار۔ زاہد مُرتاض (discipined) تصوف میں مشقت اٹھانے والا (by Nicholson Devotee) ولی (God's friends) اللہ کے دوست۔ زیرحمایت۔ متوصل (Protege) وسیلہ چاہنے والا۔ (saint)

2- Those who aspire to be very close to God.

اہلِ نظر:

پرکھنے والے۔ اہلِ بصیرت۔

اقبال کے بقول:

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

وہ ہر چیز کو حق کی روشنی سے دیکھتا ہے اور مراتب ممکنات کو (دنیا کے درجات کو) اعتباری جانتا ہے۔ یہ محض ذوقی شاہ بلکہ ابن عربی کا تصورِ وحدۃ الوجود ہے۔'تازہ بستیاں' سے اس شعر میں رونق' چہل پہل ہی مراد لیا ہے۔ مجازاً نئے شہر اور آبادیاں۔ اصلاً دل کی دنیا ذکرِ الٰہی سے آباد کرنا۔ راکب نہیں مرکب مغلوب نہیں غالب۔

ایامِ الٰہی:

ظہور انوار مانند روز روشن' ہر تجلّی کے لیے ایک حکم خاص ہے جسے شان کہتے ہیں۔ كُلَّ يَومٍ هُوَ فِي شَان (القرآن) اس کی ہر تجلّی میں ایک تغیر ہے۔ اگرچہ حق تعالیٰ بالذاتِ تغیر کو قبول نہیں کرتا لیکن ہر تجلّی کی ایک شان ہے اور ہر شان کا وجود حادثات میں ایک اثر ہے۔ اس کی ہر تجلی میں ایک تغیر ہے ۔ جیسے تحول فی الصور (A change of form) اس کا خود متغیر نہ ہونا تو ایک فعل ذاتی ہے۔ کل یوم ھو فی شان کا یہی مطلب ہے۔ حق تعالیٰ جب بندہ پر متجلی ہوتا ہے تو اس تجلی کا نام شانِ الٰہی ہے۔

ایثار:

خدا کے آگے خود کو منکسر جاننا یا کرنا۔ اپنی انا کا سرنڈر (Surrender) کرنا۔ (قرآن)

ويوثرونَ علىٰ انفُسِهم ولو كان بهم خصاصة

(خصاصة = مفلسی' فقیری)

اور سچے مسلمان دوسروں کے لیے ایثار کرتے ہیں خواہ ان کی اپنی حالت بھی مفلسی کی ہو یعنی انھیں خود بھی حاجت ہو۔ فقرا صحابی کی شان میں ہے۔ غلام الخلیل نوری طائفہ کی عداوت پر اتر آیا تو نوری' رقام اور ابوحمزہ کو گرفتار کر کے خلیفہ سے ان کے قتل کا حکم لے لیا۔ جب جلاد نے حضرت رقام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو نوری اُٹھ کر ان کی جگہ آ گئے کہ پہلے مجھے قتل کر دو۔ یہ بات بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے قتل پر عمل درآمد روک کر قاضی القضاۃ ابوالعباس کے حوالہ کر دیا۔ وہ حالت گرفتاری میں انھیں گھر لے گیا۔ ان سے شریعت کے احکام اور ان کی حقیقت دریافت کی اور اس طرح انھیں رہائی ملی۔ خلیفہ نے ان سے مل کر ندامت کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی حاجت بیان کرو کہا ہم تجھ سے یہی حاجت چاہتے ہیں کہ ہمیں بالکل فراموش کر دو۔

حضرت نافع (غلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ) نے مچھلی کھانے کی آرزو کی۔ اس کی تلاش پر جب ملی اور پک کر آ گئی اور دروازہ پر کوئی سائل آ گیا تو وہ مچھلی اسے دے دی۔

حضرت علیؓ ہجرت کے وقت نبی کریم ﷺ کے بستر پر سو جاتے ہیں اور حضور ﷺ کی جگہ خود قتل ہو جانا پسند کرتے ہیں تب اللہ کے حکم پر جبرئیل اور میکائیل ان کے بستر پر پہرہ دیتے ہیں۔ تو حضرت جبرئیل کہتے ہیں کہ آج کون تیری مثل ہے اللہ تیری ذات پر فرشتوں میں فخر کرتا ہے۔ اسی طرح جان کی پروا نہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کا حضورؐ کی رفاقت اختیار کرنا اور غارِ ثور میں جانا۔

جنگ احد میں سات زخمی صحابی ہیں ایک عورت انصار کی پانی پلانے آتی ہے اور آواز آتی ہے پانی' وہ کہتا ہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ دوسرا کہتا ہے تیسرے کو اسی طرح سب ہی جان دے دیتے ہیں۔

بنی اسرئیل کے ایک عابدؑ جس نے چار سو سال عبادت کی تھی' نے کہا پروردگار! اگر تو یہ پہاڑ نہ بناتا تو لوگوں کو چلنے پھرنے میں دقت نہ ہوتی؟ پھر اس کا پورا واقعہ۔

لن تنالو البرّحتّى تُنفقُوا مِماّ تُحِبُّون. وَلا تَحسَبَنَّ الذينَ قُتِلوا في سبيلَ اللّٰهِ اموات بَل اَحياءٌ عند ربهِم يُرزقُون

ایقان:

اس حقیقت کا کامل یقین کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں بلا حلول و اتحاد متصرف ہے۔

ایمان:

تصدیق قلبی بلا کسی دلیل و شرط ظاہری کے۔ قلب کی تصدیق ایمان ہے۔ یہی تجدید ایمان ہے۔ تصدیق قلبی ہی شکوک و شبہات کی نفی کرتا ہے اہلِ ایمان غنا و فقر، خوشی و غم میں اللہ کے قریب رہ کر اطمینان قلبی حاصل کرتا ہے۔ مومن جانتا ہے کہ خوشی کے بعد غم کی آزمائش بھی مل سکتی ہے۔ ایمان اسے دولتِ یقین سے محروم نہیں کرتا۔

ایمان تقلیدی عوام کا ایمان ہے۔ یہ لوگ ان سے بہتر ہیں جو عقل ظاہری کے پھندوں میں گرفتار ہو کر شک و شبہ کے مہلک مرض میں بتلا ہو کر تھوڑا ایمان بھی کھو بیٹھتے ہیں یا ماورائے عقل علوم اسلامی کو توڑ مروڑ کر ان کو ناقص عقل کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ ایمانِ تقلیدی اہل عقل کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ ایمانِ حقیقی: اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔

ب

یہ حرف ثانی ہر مرتبہ وجود (زندگی کی ہر حالت) ہر تنزل (شکست در شکست) اور کل موجودات کی نشاندہی کرتا ہے۔ (تنزل سے درجہ گھٹنا بھی مراد ہوتا ہے)۔ اہل اسرار کے نزدیک ''ب'' کے معنی سبب بھی ہیں۔ سبب حجاب ہے مسبب تک پہنچنے کا اگر تعین ثانی نہ ہوتا رہتا (یعنی اسما و صفات کی تجلیات اگر سبب نہ بنتی) تو حق و خلق کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوتا۔

نکتۂ ب وحدت کو کہتے ہیں۔ کیونکہ کل کائنات کے دائرہ کا مرکز وحدت ہی ہے۔ (یعنی دائرۂ کثرت کا مرکز۔ ب الف سے آگے کی منزل۔ ازل سے ابد کے سفر کا آغاز۔

باب الابواب:

توبہ کا دروازہ۔ جب تک سالک اس در سے نہیں گزرتا کوئی اور در اس کے لیے کھولا نہیں جاتا۔ نجات کی پہلی منزل قبولیت و اجابت کی طرف قدم۔

بادصبا:

نفحاتِ رحمانیہ (جھونکے)۔ جو مشرقِ رحمانیات سے آتے ہیں اور سالک کو تروتازہ کر دیتے ہیں۔ اُسے بادیمانی بھی کہتے ہیں (نفحات، ہوا کے جھونکے) اُمید کے آغاز کے اشارے۔ عقدے کھلنے کا سفر۔

بادہ:

محبت و عشقِ الٰہی کا فیضان جو عالم غیب سے سالک کے دل پر وارد ہوتا ہے اور اسے مست و بے خود بنا دیتا ہے۔ سرشاری۔ خدا کی عنایت کی علامت۔ سالک کو خوشخبری۔

بادہ فروش:

مُرشد۔ پیر، شیخ، ہادیٔ طریقت۔

باران:

لفظی معنی A rain of blessings. نزول رحمت بارش بارانِ رحمت۔ بقاء۔

بازو:

مسبب کی طرف سے کسی سبب کا پیدا ہو جانا یا کسی فعل کا سرزد ہو جانا جس سے صفتِ مسبب کا پتہ چل سکے۔

بازی:

توجہ خالص جس میں اس درجہ خلوص ہو کہ اعمال تو کیے جائیں مگر ثواب کے لالچ سے نہیں بلکہ رضائے خالص کے لیے۔

طاعت میں تار ہے نہ مے وانگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو

حضرت رابعہ بصری ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے میں آگ لے کر جارہی تھیں کہ پانی سے دوزخ بجھادوں اور جنت کو آگ لگادوں تا کہ لوگ ان کے لیے عبادت نہ کریں بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے عبادت کریں طمع اور لالچ سے نجات۔

باطل:

غیر حق، ماسواللہ، معدوم، عالم وہمی جس کا حقیقتاً کوئی وجودِ ذاتی نہیں۔ حجابِ نفس۔ غفلت

باطن:

یہ جب ظاہر ہو جائے تو باطن نہیں رہتا۔ اس لیے وہ ظاہر ہے ۔ یہی تعریف غیب پر صادق آئے گی۔ ظاہر باطن میں اور غیب حاضر میں بدل جاتا ہے۔ غائب آنکھ سے غائب عقل اور دل سے غائب نہیں ہوتا۔

غیب صرف وہ ہے جس کا علم بندے کو نہیں۔

بام:

(لفظی: صبح سویرے، چھت، روشنی، شان) محل تجلیات، عالم ناسوت، دنیا، دنیاوی منظر۔

بامداد:

صبح سویرے موہومات کی نظروں میں فنا ہو جانا۔ (لفظی: علی الصبح)۔

Literal: Occuring in the morn.

باھوت:

(عالم باھوت۔ تشہید) لفظی معنی

عالم ناسوت (کائنات) کی وہ سیر جو فنائے نام[1] اور وصول احدیت[2] حقہ کے حاصل ہو جائے۔

[1] مقام حیرت ۔[2] مشاہدۂ مدت (دنیا سے منہ موڑ کر)

بت:

غیر اللہ، ماسوا، خدا کو مجسم کرنا۔ اہلِ جسمیہ کی حالت مظہر پرستی۔ حالتِ شرک۔ مثلاً بت خانہ، بتکدہ، بت پرست، کہیں ماسوا اللہ مراد ہوتی ہے اور کہیں مضمر۔ مجازاً محبوب یا مظہرِ عشق یا تعین یا تجلّی یا تجلّی مشہودی (دیدارِ خدا) یا مطلوب کی جانب اس سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ کہیں وحدت یا جمعیت یا وحدتِ ذاتیہ کا مفہوم اس سے ادا کیا جاتا ہے۔

(ا) ماسوا اللہ، اس جسدِ بے روح کو کہتے ہیں جو سنگ تراش، پتھر تراش کر تشبیہہ صوری تیار کرتا ہے اور اہل باطل اس غیر ذی روح مجسمہ کو پوجتے ہیں یا اس پردہ میں اس کی پرورش کرتے ہیں جس کی وہ تشبیہہ ہے۔ لیکن اہلِ مجاز اور عوام کے نزدیک اس کے معنیٰ کسی قدر وسیع ہو گئے ہیں۔ خوگر محسوس:

قبلۂ شاہاں بود تاج و گہر
قبلۂ اربابِ دنیا، سیم و زر
قبلۂ صورت پرستاں، آب و گل
قبلۂ معنی شناساں، جان و دل
قبلۂ زُہّادْ محرابِ قبول
قبلۂ بد سیرتاں، کارِ فضول
قبلۂ تن پروراں نان و خورش
قبلۂ انساں، بدانش پرورش
قبلۂ عاشق وصال بے زوال
قبلۂ عارف، جمال ذوالجلال

غرض وہ چیز جو اللہ اور بندے کے درمیان حجاب بن جائے وہ بت ہے۔ نفس بھی ماسوا اللہ کے تحت ہے۔ خواہشاتِ نفسانی بھی بڑا حجاب ہیں۔ قولِ ربِ کریم سنیے۔ (الجاثیہ۔ ع ۳)

اَفَرَأیت مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھهُ ھَوَاهُ وَاَضَلهُ اللّٰهُ علیٰ علمٍ وَ

خَتَمَ علیٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ و جَعَلَ علیٰ بَصَرِهِ غِشٰوَةً ..فَمَن یهدِیهِ مِن بعدِاللّٰہ اَفَلا تَذکَرون..

بعض علماء و فضلاء، صوم و صلوٰۃ کی شدت سے پابندی کے باوجود ایسے نظر آئیں گے جن کے لیے ان کا علم و فضل حجاب بن گیا ہے۔ ان کی رسمی عبادت بھی حجاب بن گئی ہے۔ وہ اُنھی Vehicles میں جو مقصود اصلی کا ذریعہ تھیں الجھ کر رہ گئے۔ عرفی شیرازی کے بقول:

فقیہان دفترے را می پرستند
حرم جویان درے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

قرون اولیٰ میں مشرک نماز پڑھتے ہوئے اپنی بغلوں میں بت رکھتے تھے۔ ایسا شخص جو حالت ایمان کو دل سے قبول نہ کرے۔

بت کے استعمال مشترک حافظ شیرازی کی مندرجہ ذیل بیت میں دیکھیے:

خدا زاں خرقہ بیزار است صد بار
کہ صد بت باشدش در آستینے

یا خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:

چوں ترا صد بت بود در زیرِ دَلق[۱]
چوں نمائی خولیش را صوفی بہ خلق

[۱] (درویشوں کی) گدڑی یا (Clad in) rags

بت کا استعمالِ خاص:

تصوف میں اس لفظ کے استعمال کے اور بھی پیرائے ہیں، جن سے اغیار کو مغالطہ ہوتا ہے۔ صوفی باریک بیں اور بلند پرواز ہوتا ہے اس کی نظر میں ہر ماسوا بھی مظہر ہے ہستیِ مطلق کا، ہر موضع اور ہر صنعت دلیل ہے صانع پر، ہر تعین رہنمائی کرتا ہے متعین کی جانب، ہر ظاہر میں ایک باطن بھی پوشیدہ ہے، ہر صورت میں پوشیدہ اس کی رُوح ہے، ہر مجاز کی تہ میں حقیقت ہے ۔

یوں عکس رخ خود ہی شیشے میں نمایاں ہے
میں بت پرست بن گیا وہ خود پرست جاں ہے
درونِ ہر بتِ جان است پنہاں
بہ زیرِ کفر ایمان است پنہاں

اس لیے صوفی کے نزدیک ہر مظہر بت ہے خواہ اس کی پرستش کی جائے یا نہ کی جائے۔ یہ کائنات بھی بت خانہ ہے اور جملے کو ٹٹولنا ان کے نزدیک بت پرستی ہے مجاز میں بت معشوق کو بھی کہتے ہیں۔ صوفیا اپنے مقصود و مطلوب و محبوب کو بھی کبھی کبھی بت سے کنایہ کرتے ہیں۔ ہر وہ صورت جس میں اس کا مطلوب ظاہر ہوتا ہے ان کے نزدیک بت ہے ۔

آں بت نمود عکس رخِ خود در آئینہ
من بت پرست گشتم و اُوخود پرست شد
اپنا ہی عکس بن کر ظاہر ہوا وہ (بت بھی) آئینہ میں
میں بت پرست بن گیا، اور وہ خود پرست ہوگیا

جب کائنات میں جملہ مظاہر (صورتیں) بت ہیں اور جملہ مظاہر کی اصل ایک ہے تو تمام بتوں کی اصل بھی لازمی طور پر ایک ہی ہونی چاہیے۔ اس لیے بت سے کبھی وحدت یا جمعیتِ وحدتِ ذاتیہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے اور انسان کامل کی طرف بھی:

بندہ، غلام، انسان، بشر، تابع معبود کے مقابل عبد۔

بندۂ باطن (الباطن):

وہ خارج میں موجود نظر نہیں آئے گا۔ الجیلی نے ''انسانِ مکمل'' میں یہی تصور پیش کیا لیکن پروفیسر نکلسن نے اپنے نظریۂ انسان کامل میں اس نے مختلف تصور پیش کیا ہے ان کے نزدیک وہ (انسان کو) یعنی باطن اُسے نظر آتا ہوا

محسوس ہوگا۔ اس کے مقابل الظاہر کا تصور حسب ذیل ہے:

الظاہر (the outward Intrinsic): الظاہر یا ہستی مطلق کے تصور میں اُس کی غیر موجودگی (Non-existence) کائنات کا تصور یا منطقی تکملۂ خبر بھی موجود یا مخفی ہے لہٰذا عالم انفس و آفاق (عالم نفوس دنیا کے دونوں کناروں تک) سے اسی لیے دنیا مراد لیا گیا ہے۔ یہی عالم ظاہر یا عالم اور عالم کون وفساد پر منطبق ہوگا۔ صوفیا کے نزدیک یہی عالم ناسوت یا عالم بنائے فانی ہے۔ یہی دنیا عالم شہادت یا ظاہری دنیا ہے لیکن صوفی کو اسی وجدانی کیفیت میں ہر شے میں جلوۂ حق نظر آتا ہے۔

عالمِ تر: جاہلیت مراد ہے۔ عالم جبروت سے ہی اظہار صفات کا عالم ہے۔ یہی عالم ملکوت ہے۔

بانگ درا:

لفظی ترجمہ گھنٹی کی آواز۔ رسول کریمؐ کی ایک حدیث کا عنوان سلسلتہ الجرس ہے اس کے معنی بھی گھنٹی کی آواز ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب ان پر اللہ کی محبت کا جذبہ یا رُوحانی فیضان طاری ہوتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے کان گھنٹی کی آواز سن رہے ہیں۔ شاید اسی حدیث کی بنیاد پر اقبال نے اپنی پہلی کتاب کا نام بانگِ درا رکھا ہو۔

بت ترسا بچہ:

مضامینِ تصوف میں بالعموم اور تصوف کی شاعری میں بالخصوص اس سے حقیقتِ محمدی مراد ہوتی ہے۔ (پیروی سنت)

<u>بتخانہ، بتکدہ، دیر:</u>

صوفی کے نزدیک ہر وہ چیز جو وصول الی اللہ میں واسطہ اور ذریعہ بنے، بت ہے۔ خدا اور بندہ یا عبد اور معبود میں حجاب، رُکاوٹ

غیبِ عدم:

وہ ہے جو اللہ کسی کو نہیں بتاتا سوائے اپنے انبیاء کے۔ جتنا چاہتا ہے کسی نبی کو علمِ غیب دیتا ہے۔ مقصود، مطلوب کو بھی کبھی کبھی بت سے کنایہ کرتے ہیں۔ ہر وہ صورت جس میں ان کا مطلوب ظاہر ہوتا ہے، ان کے نزدیک بت ہے ہر مظہر، مظہرِ عشق ہے اور ہر مظہرِ عشق بت ہے۔

یعنی جب کائنات میں جملہ مظاہر بت ہیں اور جملہ مظاہر کی اصل ایک ہے تو تمام بتوں کی اصل بھی لازمی طور پر ایک ہی ہونی چاہیے۔ اس لیے بت سے کبھی (وحدت یا جمعیت وحدت یا جمعیت وحدتِ ذاتیہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے اور انسانِ کامل کی طرف بھی۔ (وحدت یا جمعیت مترادف الفاظ ہیں) یہ اصطلاح محض تصوف تک محدود ہے اور یہ بت کے غیر حقیقی معنی ہیں ورنہ بت علامت شرک اور غیر اللہ ہے بعض دفعہ صوفی اوہام میں انھیں بتوں کو پوجنے لگتا ہے۔ شیخ اور کئی مرتبہ خود انسان اپنا بت بنا کر پوجنے لگتا ہے تلبیس اسی کو کہتے ہیں اس منزل پر احتیاط لازم ہے کہ رجوع الی اللہ رہے۔

تو آں بتے کہ بتاں جملہ پائے بند تو اند
سہی قداں، ہمہ محوِ قد بلندِ تو اند
(فروغی بسطامی)

یعنی

تمام بت ہی ہوئے تیرے تابع فرماں
تمام سروقداں، تیرے قد پہ ہیں حیراں

<u>اشیائے درمیانی کے دو پہلو:</u>

ایک مذموم ہوتا ہے دوسرا محمود۔ محمود وہ ہے جو دونوں کے مابین واسطہ بن جائے۔ مذموم پہلو یہ ہے کہ وہ چیز طالب مطلوب کے درمیان رکاوٹ بن جائے۔ بت چونکہ

درمیانی چیز ہے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ مجازی بت پرست اس کے مذموم پہلو سے تعلق رکھتے ہیں اور خسارہ اُٹھاتے ہیں۔ صوفی کو اس کے محمود پہلو سے واسطہ ہوتا ہے اور وہ مراد کو پہنچتا ہے۔ تصوف میں یہ مذموم ومحمود کی اصطلاح مہمل ہے اور ہندو اثرات کا نتیجہ ہے اور بت پرستی کو معنی دینے کی سعی ہے بتوں کو خدا کی بیٹیاں اور واسطہ سمجھنا اور اُنھیں قربِ الٰہی کی علامت بنانا شرک کی راہ ہموار کرنا ہے' ہندو یوگی جو مسلمان ہوئے یہ ان کے اثرات ہیں۔

ترکِ ناموس:

بت و زنار' ناقوس و ترسائی یا اس قسم کے دیگر الفاظ سے بھی ترکِ ناموس اور ترکِ جاہ و منصب کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جبرئیل' صاحب راز ہیں۔ (ناموس' جبرئیلؑ کا لقب ہے)

عینِ بت پرستی:

عین بت پرستی سے مراد توحید اور بسا اوقات استغراق فی التوحید ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کو یگانہ گردانا عین بت پرستی ہے۔ یہ تلبیس ہے جو توحید کا تصور مغلظ کرنے کے لیے ہے۔ تصوف کے پردے میں ایسی گمراہیاں شرک و ضلالت ہیں۔

چو کفر و دیں بود قائم بہ ہستی
شود توحید عینِ بت پرستی

یوں بت کو من حیث الحقیقت غیر جاننا شرک ہے۔ وجود خیرِ محض ہے۔ جس میں صدہا حکمتیں پوشیدہ ہیں اور عدم شر ہے۔ بت از روئے وجود کوئی بری چیز نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس تعین میں محدود رہتا ہے۔ اس لیے شریعت کے نزدیک وہ کافر ہے۔ اگر نظر اس کی حقیقت پر ہوتی تو شرع کی رو سے بھی وہ کافر نہ ہوتا۔ خلق کی صورتِ ظاہری بھی بت ہے اور مدعیِ اسلام خلق کی ظاہری صورت کو دیکھتا ہے لیکن حق کو جو اس میں پنہاں ہے نہیں دیکھتا تو وہ بھی کافر ہے۔

دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ کثرتِ اعتباری (Multitude of thoughts) کو وحدتِ حقیقی (Factualness) میں پوشیدہ کردے۔ اسی کو کفرِ حقیقی بھی کہتے ہیں:

ہرچہ گیرد علتِ علت شود
گر کفر گیرد کاملِ ملت شود

یعنی جو عذر تراشے ہے خود عذر نہ بن جائے
کفر کرے کامل مذہب ہی نہ بن جائے

برزخ:

(According to Quran) a place between the death of man and resurrection,

قرآن مجید میں تین جگہ مستعمل ہے۔ ایک ایسا وقفہ جو دو حالتوں کے درمیان ہو۔ وجود کی نسبت میں اسے ایک عالم سے تعبیر کریں گے جیسے عالم برزخ۔ عالمِ ملکوت اس سے باہر (خارج) ہے یعنی عالم ناسوت (دنیا) اور عالم ملکوت و جنت یا دوزخ کی درمیانی حالت۔ (مومنون ۲۳:۱۰۰ اور الرحمٰن ۵۵:۲۰' الفرقان ۲۵:۵۳)

برزخ (موت سے قیامت تک درمیانی حصہ یا حالت):

وہ چیز جو دو مختلف چیزوں کے درمیان حائل ہو دونوں میں واصل و فاصل ہو۔ عالم مثال کو بھی برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ عالم اجسام کثیفہ اور ارواحِ مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطیٰ ہے۔ شیخ کی صورتِ محسوسہ کو بھی برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ فیضانِ قدس اور طالب کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ یہی (عالم) اعراف ہے۔ یعنی بہشت اور دوزخ کا درمیانی طبقہ۔ عالم امثال کا نظریہ افلاطون ہے۔ عالم امثال دراصل صفاتِ الٰہی ہیں جنھیں افلاطون نے امثال بنا دیا اور خدا کو تصور مطلق (وحید عشرت)

برزخ البرازخ:

برزخ جامعہ، برزخ اول، برزخ اعظم، برزخ اکبر، اور برزخِ کبریٰ۔ یہ سب نام حقیقت محمدیہ کے ہیں جو واسطہ ہے ظہور و بطون (Apparant & Concealed) کا۔

بطون: Inside, Interior, heart, mind, concealed. بطن کی جمع۔ اردو میں واحد مستعمل ہے۔ راز، بھید، دل کا حال وغیرہ

ظہور (آمدن): to become conspicuous, appearance, birth (reign, fame) پیدائش، اظہار، نمائش، دکھاوا۔

جو ظاہر ہے جو چھپا ہوا ہے۔ a bar, partition, a link between the above. واسطہ یا تعلق دل کا اور لوگوں کا What is apparent & concealedd viz heart. A link between the people & heart. ظہور و بطون واسطہ ہے ظہور و بطون کا Appearnce, aspect, look, bearing, face, show etc. بروز ظہور، ظاہری شکل، رخ، پہلو، حالت وغیرہ۔

واسطہ: motive, cause,reason. درمیانی چیز یا شخص، ایلچی۔(ب) ربط، نسبت (ج) کام، سروکار (د) وسیلہ، ذریعہ وغیرہ۔

برکت: (Veritable Grace): یہ معنی 'Frith Joff Schuon' نے دیے ہیں۔ نیک بختی، زیادتی (مال و حوصلہ)۔ خوش قسمتی، عروج، نمود وغیرہ۔

صوفی ازم (Esoteric dimension) یہ بھی شوعان[1] نے بطور مترادف المعانی لکھا ہے۔ صوفیت، تصوف۔

[1] F.J. schuon

مرَجَ البحرینِ یلتقیان بینهما برزخٌ لا یَبغیان. ۵۵:۲۰۔

جو مستِ خلوتش گشتی، فلک را خیمہ برہم زن
ستونِ عرش در جنبان، طناب آسمان درکش

فرشتہ۔ ارواح۔ (مجرد وہ شخص ہے جو دنیا سے الگ ہو گیا ہو، تارک الدنیا، تنہا، اکیلا)۔

بساطت The state of a single, uncompounded substance.

(آزادی یا تیزی سے بولنا) کسی ایک فرد کی غیر مرکب حالت۔

<u>خانقاہ شیخ:</u>

مرشد کے رہنے کی جگہ۔ عارف کامل کا باطن جو جذباتِ الٰہی اور کیفیاتِ روحانی اور ذوق و شوق و معارف الٰہی کا گنجینہ ہوتا ہے۔ عالم باطن یا ہر وہ مقام جہاں سالک کے دل میں جذبۂ ربانی پیدا ہو۔ سالک کے لیے ایک بتکدہ ہے اس اعتبار سے کبھی عالمِ جبروت والا ہوت کی جانب بھی ان الفاظ سے اشارہ کیا جاتا ہے کیونکہ ذاتِ حق ان دونوں عالموں سے ماورا ہے۔

بحرِ مسجور: (Swollen Sea, burning waves):

یہ ایک سرِ مکنون ہے۔ کن کے کاف اور نون کے درمیان اور ایک بلند پایہ اشارہ ہے۔ جسے یوں بیان کیا ہے کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے جس میں جبرئیلؑ روزانہ داخل ہوتے ہیں۔ جب باہر نکل کر اپنے پر جھاڑتے ہیں تو ستر (۷۰) ہزار قطرے نکلتے ہیں۔ اللہ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ یہ ستر ہزار فرشتہ ہر روز بیتِ معمور میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک دروازے سے نکلتے ہیں دوسرے سے داخل ہوتے ہیں۔ اور پھر قیامت تک وہاں داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

برق:

وہ لمعانِ یا لمعاتِ نور جو سالک کے قلب پر وارد ہوتے ہیں اور اسے سیر الی اللہ کی جانب کھینچتے ہیں۔

بروز:

ظہور۔ کسی چیز کا نئی صورت میں آنا' ایک خیال میں آنا۔ کنفیوشش کا نظریہ کہ دانشور کا عمل پرانی شراب کو نئی بوتلوں میں ڈالنے کا ہے کہ ہر خیال اپنے عہد کے نئے لباس میں ظاہر ہو کر قبولیت حاصل کرتا ہے۔ ابنِ عربی کا نظریہ کہ نبوت اپنا بروز مستقبل میں بھی رکھتی ہے' تسلسل وحی اور نبوت کا نظریہ ختم نبوت کے تصور کی نفی۔ جس کی بناء پر نورالدین اور قادیانی غلام احمد نے جریان نبوت کا نظریہ تیار کیا۔ جو غلط ہے یہ نظریہ زرتشتیوں اور سریانیوں کا ہے۔ ظہور مہدی کا تصور بھی اسی پر قائم ہے اقبال نے اس کو کفروزندیقہ کہا ہے۔ (وحید عشرت)

کسی عارف کامل کا کسی شخص ناقص کی طرف متوجہ ہونا۔ فیض پہنچانا اور اپنا مظہر بنا لینا۔ اسی لیے کہا جاتا کہ فلاں بزرگ فلاں بزرگ کی صورت میں نمودار ہوئے اور دونوں کی صورتِ معنوی یکساں ہوگئی۔ صورتِ ظاہری کا ایک ہو جانا بھی کچھ بعید نہیں۔ یہ تناسخ نہیں ہے۔ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ ایک کی روح سے دوسرے کی زندگی کا قیام ہوتا ہے لیکن بروز کا مقصد نہ تو دوسرے کی زندگی کا قائم رکھنا ہے اور نہ اس میں حس وحرکت کا پیدا کرنا ہے بلکہ کمالاتِ معنوی اور باطنی فیضان مقصود ہوتا ہے۔

بساطت:

بسیط سے کسی چیز کا دوسری سے مرکب نہ ہونا۔

بُسطان:

محل کشادگی۔ وجودِ سالک کیونکہ وہ بھی محل کشود و بسط ہوتا ہے۔

بصارت و بصیرت:

آنکھ سے دیکھنا بصارت ہے' دل سے دیکھنا بصیرت ہے۔

بقاباللہ: (دیکھیں تجلّیِ ذاتی):

صرف قلب جاری ہونے کے وقت محسوس ہوتی ہے۔

بقا: (بقول شیخ عبدالقادر جیلانی بجوابِ سائل) کہ بُقا کا تعلق لقا سے اور لقا کی حالت کلمح البصر اَو اَقربَ ہے فرمایا کرتے کہ ذاکر محبّ ہے اور ذکر الٰہی میں دل لگانے والا محبوب ہے۔ دنیا تیرے لیے حجاب ہے اور تیرا نفس اللہ کے لیے حجاب ہے۔

؎ حاصل ایں ہمہ کمال' بُعد و بیگانگی است
(ص ۱۵ مکتوب ہشتم مجدد الف ثانی)

بُعد و بیگانگی:

صمدیت و بے نیازی استغنائے الوہیت جو کسی چیز کی محتاج نہیں یہاں تک کہ اپنی مماثلت بھی پسند نہیں۔ اسی لیے ہم مثل یا امثال کو الحاد اور کفروزندیقہ کہتے ہیں (وحید عشرت)

(جیسے ذہنی علم) بے وصف =Unqualitative

(as speculation,knowledge).

صفت ولی =While the religions Unity must be qualitative.

فرد جس کی مذہبی وحدت یا یک رنگی قابل تعریف و توصیف ہو۔

بطونِ ذات = Interior of God, which we can't see.

بطونِ ذات فی الذات۔ تاریکیِ محض جو جملہ تجلیات کے بعد محسوس ہوتی ہے۔

بصیرت:

وہ روشنی ہے جو نورِ قدس سے جلا پاتی ہے جس سے حقائقِ اشیا اور ظواہر کے باطن پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ دل کی روشنی۔

بقرہ (= بدنہ):

نفسِ انسانی کو بقرہ کہتے ہیں جب ریاضت سے آراستہ ہوتا ہے تو اس کا نام بُدنہ ہے۔ وہ اُس شتر کو کہتے ہیں جو عیدالضحیٰ کو مکہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔ نفس کی مخالفت ہوا و ہوس ہی بُدنہ ہے۔ تیغ امرِ موتوا قبل ان تموتوا کی موتِ اختیاری سے ہی نفس کو ذبح کیا جاتا ہے۔ چونکہ نفس کو اس ذبیحہ پر آمادہ کرنے کے لیے انبیاء کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے انبیا علیہم السلام کو ساربانوں سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔

بلا:

موانعاتِ سلوک۔ ہر وہ چیز جو وصول الی اللہ میں مانع ہو، توجہ کو ہٹانے والی ہو۔

بلبل:

عارف ربانی جو نفسِ امّارہ سے چھٹکارا پا کر ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہو۔

بلوغ:

سالک کی جب تک یہ حالت ہوتی کہ اس کے اشغال ظاہری، اس کے اعمال باطنی کے لیے مانع نہ ہوں اور اعمال باطنی، اعمال ظاہری کے لیے حجاب نہ رہیں اسے نابالغ کہتے ہیں ۔ ایسے شخص کو دعوت حق کی اجازت نہیں جب سالک مقام فنا میں پہنچتا ہے اور سیرالی اللہ اس کی ختم اور سیرفی اللہ شروع ہوتی ہے اور تصرفاتِ جذباتِ الوہیت کا اپنے دل میں مشاہدہ کرتا ہے تو وہ صفات و جذب الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے اور اس صفت سے وہ دوسرے کے باطن میں تصرف کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اسے بالغ کہتے ہیں۔ اب اس میں دعوتِ خلق کی استعداد پیدا ہو چکی ہے۔

بندگی:

مقام تکلیف کو کہتے ہیں۔ جو ابتدا سے عبارت ہے۔ بندگی غلامی، کسی کے حضور سرافگندگی۔ جھک جانا اپنی ہستی کا انکار۔ ہستی واحد کا اقرار۔

بنفشہ:

وہ نکتۂ دقیق اور رمزِ لطیف جس کا ادراک محال ہو۔

بوادر:

ایک نسیم غیبی ہے۔ (بوادرِ غیبیہ) جو عالم غیب سے اچانک آتی ہے اور دل میں فرحت و انبساط پیدا کرتی ہے۔

بوسہ:

عشق و محبت، نفخِ روح، افاضتِ فیض وجودی، زندگی کا عطا ہونا، فیض قبول کرنے کی صلاحیت، کیفیت کلام صوری اور معنوی، روح کا اپنے مرکوب یعنی جسم سے لذت پانا۔ (کلامِ صوری، ظاہر کلام، منہ در منہ کلام)۔

بوئے:

دل کا متعلق ہونا عالم حضور سے، کبھی یہ لفظ حقائق سے آگاہی کا کنایہ ہوتا ہے۔

بہار:

سالکوں کا ذوق وشوق، عالم علم۔ سرشاری۔

بہشت:

صفت روحانی، مظہر جمال مطلق، رضائے الٰہی کا محل، خوشنودیِ پروردگار پر انعامات۔

بیابان:

راہِ طلبِ حق میں سالک پر جو واقعات گزرتے ہیں۔ (دیکھتا ہے)

بیتِ معمور:

وہ جگہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرما کر زمین سے آسمان کی جانب اٹھا لیا۔ مثال اس کی قلب

انسانی ہے۔ جو حق سبحانہٗ کا محل ہے۔ یہ محل رہنے والے سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔ خواہ وہ روح ملکوتی یا روح قدس ہو یا پھر روح حیوانی (شیطانی یا نفسانی) ہو۔

بیچوں و بیچگوں:

یہ اصطلاح قرآن مجید کی آیت سے ماخوذ ہے یعنی لیس کمثلہٖ شیئاً جس کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات بے مثال، بے مانند ہیں اور اس کی صفات کو غیر اللہ کی صفات سے کوئی نسبت نہیں۔ افلاطون نے انھی بے مثل صفات کو بے مثل امثال کہا۔ (وحید عشرت)

بیرون:

عالمِ طلب۔

بیداری:

عالمِ محو۔ ہوشیاری۔

بیعت و حقیقت بیعت:

اقرار بندگی اپنی جان و مال کو خدا کے ہاتھ فروخت کرنا۔ حق تعالیٰ سے یہ بیعت کسی بزرگ کی وساطت سے ہوتی ہے۔ وسیلہ ہی قربِ الٰہی ہے۔ شاید بہتر یہ ہے کہ وسیلہ باعثِ قربِ الٰہی ہے۔ (وحید عشرت)

یاایھاالذین امنو اتقواللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون: (المائدہ، ع ۶)

اسی نوع کا وسیلہ مراد ہے۔ وسیلہ کے معنی ایمان مراد لینا غلطی ہے۔ کیونکہ خطاب انھی لوگوں سے کیا گیا ہے جو اسلام لا چکے ہیں اور مومن ہیں۔ تقویٰ بھی مراد نہیں ہے۔ وسیلے کے معنی قربِ الٰہی ہے۔ کیونکہ یا ایھاالذین امنو اتقواللہ آیا ہے۔ پھر کہا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ کہا ہے۔ درمیان میں واوِ عطف ہے جو کسی اور چیز کی طرف اشارہ ہے۔ متقدمین اور اکابرِ امت کے نزدیک یہاں وسیلے سے توسل مرشد مراد ہے۔ شاہ عبدالرحیمؒ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیز نے وسیلے کے یہی معنی لیے ہیں۔ مولانا اسمٰعیل شہید اپنی کتاب منصب امامت (مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی ص ۵۵) میں وسیلے کے معنی ایسے شخص کا وسیلہ مراد لیتے ہیں جو اللہ کا مقرب ہو۔ شخصے کہ اقرب الی اللہ باشد بہ منزلت۔

اولٰئک الذین یدعونَ یبتغونَ الیٰ ربھم الوسیلۃ اَیھم اقرب. (بنی اسرائیل، ع ۶)

بیعت تقویٰ:

نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے بیعت لی۔ کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، ثابت قدمی پر کبھی عبادات پر حریص وشائق رہنے پر اور بدعات سے بچنے پر، کبھی محتاج مہاجرین سے اس بات پر کہ وہ سوال نہ کریں گے۔ عورتوں سے اس بات پر کہ میت پر نوحہ نہ کریں۔ جریرؓ سے اس بات پر کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کو اپنے اوپر لازم کریں۔ انصار سے اس بات پر کہ نہ ڈریں حکم خدا پر کسی ملامت گر کی ملامت سے اور جہاں رہیں حق بات بولیں۔ نوٹ کریں شاہ ولی اللہ کی تحریر القول الجمیل میں کہ رسول کریمؐ خلیفۃ اللہ تھے اس اللہ کی زمین پر اور وہ عالم تھے قرآن و حکمت کے جو اُن پر نازل ہوا اور معلم تھے قرآن و حدیث کے اور امت کے پاک کرنے والے تھے۔ جو فعل انھوں نے بر بنائے خلافت کیا، خلفاء کے واسطے سنت ہو گیا اور جو فعلِ بہجت تعلیم کیا وہ راسخین کے لیے سنت ہو گیا (راسخین جو علم ظاہر و باطن کے جامع ہیں)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود کو خلیفۃ الرسول کہا کیونکہ اللہ کا خلیفہ تو حضور نبی پاکؐ ہیں۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل ع ۲)

افتؤ منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض (البقرہ: ۸۵)

ھوالذی بعث فی الاُمّیّینَ رسولاً مِنھُمْ یتلوا علیھم ایاتہٖ و یز کیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃَ (الجمعہ: ۲)

حضرت محبوب سبحانی شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے بیعت

کی گیارہ اقسام لکھی ہیں:۱) بیعت جبروتی: جو کسی جنگل میں کیے گئے اعتکاف کے چار ماہ کے بعد کی جاتی ہے۔

حضورِ کریمؐ سے مع چہار اصحاب جو بیعت ہوتی ہے وہ بھی بیعتِ جبروتی ہے۔

۲) بیعت ملکوتی (درجہ اول)۔ اعتکاف کے آٹھ ماہ بعد جو بیعت ہوتی ہے مع بزرگانِ سلسلہ ہائے نو۔

۳) بیعتِ درجۂ آخر ملکوت و شروعِ جبروت۔ اعتکاف (خلوت) کے ایک سال گزرنے کے بعد جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کا شرف ہوتا ہے (ملتا ہے)۔ جس کے لیے پانچ سلسلوں کے بزرگان عالم علوی سے آکر اس کی بیعت لیتے ہیں۔ جس میں بیعت توبہ شریعت اور بیعت توبہ طریقت (شامل ہیں) اور بیعت ارشاد تعلیم نفس شامل ہے۔

(۴) بیعتِ نفس انتقالی۔

(۵) بیعتِ تعلیم خلافت۔ جس کی چھ اقسام ہیں۔

(۶) بیعت تعلیم امامت۔

(۷) بیعت تعلیم حوالت عامہ (نگرانیِ عوام برائے اعتماد)۔

(۸) بیعت تعلیم معالی(High)صاحب مجاز (دنیاوی)

(۹) بیعت تعلیم مثالی۔

(۱۰) بیعت تعلیم خلافت روح علوی۔

(۱۱) بیعت تعلیم معنوی دروحی جمالی خلافت اکبری۔

تکمیل بیعت:

یہ بیعت مرد صالح کے ہاتھ پر پورے آداب و شرائط کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جو سلسلہ بہ سلسلہ نبی کریمؐ پر منتہی ہوتی ہے۔ جب بیعت کرنے والا اپنے عہد پر آخر تک قائم رہتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں نوازا جاتا ہے۔

اِنَ الـذیـنَ یـبایعـونکَ اِنَما یبایعون الله. ید الله فوق ایدیهم فمن نکث فانَما ینکث علیٰ نفسهٖ ومن اوفیٰ بما عاهدوالله فسیئوتیهِ اجراً عظیماً. (الفتح، ع۱)

بعض کے نزدیک بیعت واجب ہے مگر اکثر اسے سنت متواترہ سمجھتے ہیں۔

اقسامِ بیعت:

بیعتِ اسلام، بیعتِ خلافت، بیعتِ ہجرت، بیعتِ جہاد، بیعتِ تقویٰ، بیعتِ تمسک بالسنّت، بیعتِ شوق و زیادتی عبادت۔ (تزکیۂ نفس، تزکیۂ باطن کی بیعت بھی بیعتِ تصوف میں شامل ہے)۔

بیعتِ اسلام:

خلفائے راشدین کے زمانے میں بیعت اسلام متروک ہو چکی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں قبولِ اسلام کے باعث یہ امتیاز کرنا مشکل ہو چکا تھا کہ خالصۃ للہ کون اسلام قبول کر رہا ہے۔ بنو عباس اور بنو امیہ کے دور میں فاسق حکمرانوں کی بنا پر بیعت نے رواج نہ پکڑا۔

بیعتِ تقویٰ:

یہ بھی خلفائے راشدین کے دور میں متروک تھی اس لیے کہ وہ دور نورانی تھا اور بسبب قرب زمانہ رسالت مآبؐ لوگ بکثرت اخذِ انوار اور فیضان باطن سے مالا مال تھے۔ ان کی توجہ جہاد اور خلافت کی دوسری ذمہ داریوں پر مرکوز رہتی تھی۔ اور صوفیا اس لیے اسے جاری نہ رکھ سکے کہ بادشاہ وقت اس بیعت کو بیعت خلافت کے ساتھ مخلوط کر کے باعث فتنہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا صوفیا نے خرقہ دینے کو قائم مقام خلافت کہا۔ ایک مدت بعد ملوک اور سلاطین سے رسم بیعت معدوم ہوگئی تو صوفیا نے بیعتِ تقویٰ کو بیعتِ تصوف کے نام سے زندہ کیا۔ پہلی گیارہ بیعتیں ظاہری اور باقی تین باطنی ہیں۔

بیگانگی:

صمدیت اور بے نیازی۔ استغنائے الوہیت جو کسی چیز کی محتاج نہیں یہاں تک کہ اپنی مماثلت بھی پسند نہیں۔

بے مثالی:

لیسَ کمثله شئی وهو السمیع البصیر (الشوریٰ ع ۲)

وہی بے مثل و بے مثال ہے۔

بے نام ونشاں۔ گمنام

پ

پابندی (ضابطہ کی) (Rigou):

وہ ذات جو مادہ مثال (His transcendental, abstract Being) یا دستور سے علیٰحدہ ہو مجرد اور غیر مقرون ہو۔ کسی قرن (زمانہ) سے تعلق نہ ہو۔

تاویل (Hermenutics) کلیسیائی دینیات میں کلمہ یا قطعی (آخری یا بنیادی) حقیقت کا نام ہے۔ یہ وہ زندہ رکھنے والی یا سہارا دینے والا کلامِ الٰہی ہے جو یسوع مسیح پر ظاہر ہوا۔

مخفی اصول: (Esotericism) فلسفہ یا دوسرے علوم نے جو محض بعض شاگردوں کو بتائے جاتے ہیں۔

(Sayings of Imams which are the only sources of esotericism have given rise to voluminous compilations (books) and require in their turn whole volumes of commentary.

شیعہ اور سنیوں کا سب سے بڑا اختلافی مسئلہ (Crucial, divergencies) یہ ہے کہ اہل سنت صفات نبوت کا مظہر یا اسٹیج قول کو قرار دیتے ہیں جو چند ہزار احادیث ہی ہیں لیکن اہل تشیع کے نزدیک صفات نبوت کا مظہر (manifestation) یا اسٹیج یا اظہار آخری گیارہواں امام اور یہاں تک کہ غائب امام بھی ہے، یعنی صفاتِ نبوت کو بھی ہمیں نویں صدی عیسوی کے آخر تک ڈھونڈنا پڑے گا۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو سال بعد (تک) بھی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ انجیل کے ساتھ ہمیں تمام فادرز یعنی راہبوں (Monks) کو شامل کرنا پڑے گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام موضوعی (خیالی) (Subjective) علوم کو اپنی اصلی صورت میں نہیں بلکہ مصنف کے نقطۂ نظر سے اور ذاتی رجحان کے مطابق سمجھنا پڑے گا۔ تمام تجرباتی (Empirical) علوم (نظری اور استدلالی علوم کے مقابل) اور تمام جذباتی (Emotional) علوم یا وہ علوم جن کا تعلق جذبہ یا جذبۂ الٰہی سے ہے۔ وہ بھی اور تمام روحانی (القا) یا القائی علوم الہام وغیرہ یعنی (Inspirationist) علوم اور تمام صحفِ انبیاء اور ان کے الہامی بیانوں کو چھوڑ کر کسی شخص کی خفیہ Esotericism کو یا محض تاویل ہی کو ماننا پڑے گا اور علم معاد یا علم آخرت اسی ایک شخص کے تابع ہو جائے گا۔ اس طرح ایک شخص مرتبۂ شہادت سے دور رہے گا۔ شیعیت کے اس جنونی فلسفے کو ان کی شاعری سے دیکھا جا سکتا ہے پھر شرفا کی تعریف بھی وہی ہو گی جو یہودی کوہنیم (kohnim) یا انبیاء کے وارث کرتے ہیں۔ انبیاء کا وارث حالانکہ سوائے ملت کے کوئی اور نہیں ہوتا۔ یہ سارے فتنے تصور بروز کے ہیں جو سریانی ہے اور قاطع تصور ختم نبوت ہے۔

پارسائی:

مقتضیاتِ طبعی اور شہوی سے اعراض اور صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونا۔ اگر یہ اوصاف حمیدہ پندار وخود بینی پیدا کر رہی ہوں تو اہلِ طریقت کے نزدیک سالک مقامِ کفر سے نہیں نکلا۔

پاک بازی:

اس درجہ خلوص کہ عمل کے بدلے نہ ثواب کا خواہاں

ہو نہ علو مرتبت کا' بے غرض۔

پائے کوفتن:

تواجد کرنا۔ یعنی تکلف اور تصنع سے وجد میں آنا۔

پردہ:

عموماً وہ پردے مراد ہیں جو طریقت کے لوازمات سے عاشق و معشوق کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ (یہ بے بسی' بے چارگی اور بے نیازی کے پردے نہیں ہیں)

پیالہ:

چشمِ محبوب جس میں خود بھی مستی ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی مست و بے خود بنانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ موجودات کا ہر ذرہ عارف کو شراب معرفت پلا کر مست کرتا ہے۔ ہر ذرہ ایک پیالہ ہے۔ دل بھی ایک پیالہ ہے جس میں شراب معرفت چھلکتی رہتی ہے۔

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زِ لذتِ شربِ مدام ما
(حافظ)

پیام:

اوامر ونواہی۔ دعوتِ حق۔

تجرد امثال یا کمون و بروز (Lying hidden or in public, many avoid similitude, renounce the world) یا وجود مطلق اور تعین وجود (تحت حشر نشر):

پیر میکدہ:

مرشد کامل[1] ہے۔ (۲) اسے پیرِ خرابات (Brothel keeper) اور پیر مغاں کے مترادف لفظ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (۳) پیر شراب خانہ یا پیر مغاں ہم معنی ہیں۔ ہمیں اس اصطلاح سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ (ق۔ع۔ک) خصوصاً تشریح نمبر ۲ اور ۳ سے۔

([1] جو قیود شرعی سے آزاد ہو اور فنافی اللہ ہو)

پیشانی:

ظہورِ اسرارِ الٰہی۔

پیمانہ:

ہر وہ چیز جس سے انوار غیبی کا مشاہدہ ہو۔ اسے پیالہ یا ساغر بھی کہتے ہیں۔ جامِ جہاں نما بھی یہی ہے جو صوفیانہ شاعری میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ جامِ جمشید سے یہ اصطلاح عام ہوئی۔

ت

تابستان:

تاب گرمی' ستان جگہ = گرمی کی جگہ یا موسم تصرف میں مقامِ معرفت (لفظی معنی موسمِ گرما)۔

تاج:

ماہیت ذاتِ لامتناہی۔ خدا کی لامتناہی ذات کا جب ادراک ہوتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ تاج معرفت حاصل ہو گیا۔ غض بصر سے چشم پوشی کے باعث یا کسی اور وجہ سے سلبِ معرفت' تجلّی کا عدم حصول۔

تاراج (بربادی):

سالک سے جمیع احوال اور اعمال ظاہری و باطنی کا اختیار اٹھ جاتا ہے۔ یہی غارت و بربادی ہے۔

تجدد امثال:

تجدد تجلیاتِ روحانی: کمون و بروز۔ خفی و مظاہر hidden & apparent تجدد آمد و شد (فیضانِ وجود) مجرد امثال (World renuncing) فیضان وجود نتیجہ ہے اسم رحمٰن کی تجلی کا جو موجودات پر ہر وقت (متجلی) رہتی ہے۔ نتیجتاً عالم ہر آن خلق جدید میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ ہر تجلی

ایک خلق جدید کہلاتی ہے اور خلق ماسبق کو لے جاتی ہے۔ یہی فنا اور بقا ہے۔ جدید اشیا آناً فاناً ہست اور نیست ہوتی رہتی ہیں۔ سرعتِ تجدد اور تیزیِ تسلسل کی وجہ سے اس کا ادراک نہیں ہوتا۔ بَل ھُم فِی لَبس مِنْ خَلْق جدید (س ۵:۱۴، ع ۱)۔ یہ التباس یا الجھن اہل حجاب ہی کو ہوتا ہے۔ اہل کشف ازروئے ادراک جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم اور ہر آن تجلی فرماتا رہتا ہے۔ کلّ یوم ھُوَفی شان .اس کی تجلی ایک صورت میں کبھی مکرر نہیں ہوتی۔ ایک صورت غائب ہوتی ہے اور اس کے مثل دوسری صورت آجاتی ہے۔ دونوں کے عدم اور وجود کا زمانہ بعینہٖ ایک ہوتا ہے۔ اس لیے آمدن میں رفتن اور رفتن میں آمدن ہوتی رہتی ہے۔

تجرید وتفرید:

مجرد، فرد یکتا۔ منفرد خدا کی وہ شان جہاں وہ یکتا وتنہا ہے۔ (تجرید: لفظی معنی تنہائی۔ علیحدگی۔ خلوت تفرید: اکیلا کرنا، یگانہ کرنا، حق پر غور و خوض کرنا)۔ ازالۂ ماسوا عن القلب اور سیر سوئے رویت ہی تجرید ہے۔ یہی ظہور حق در کل ہے۔ اس کی ظاہری صورت ماسوا اللہ سے اعراض۔ اُجرت اور انعام سے باطن کو مجرد کر لینا اس کا معاوضہ ہے۔

تفرید یہ ہے کہ تمام غلط تاثرات کو دور کر کے حقیقتِ واحدہ منفردہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی کو صوفیا ظنی یا اعتباری لباس اتار کر رجوع الی اللہ کہتے ہیں۔ لہٰذا تمام علائق (Connections) سے بے تعلقی کا نام تجرید ہے۔ یعنی تمام تعلقات اور ان کی پیچیدگیوں کے گم کرنے کا نام تجرید ہے۔

تجلّی جھلک (Theophany):

اسماو صفاتِ ذات کا اور افعالِ الٰہی کا کسی پر وارد ہونا تجلی ہے۔ لغوی معنی ظاہر کرنا اور ظاہر ہونا ہے۔ ذاتِ خلق ہے اظہار لباس تعین یا Specified form ہی میں ممکن ہے۔ لہٰذا صوفیا کی اصطلاح میں یہ لباس تعین ہی تجلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لاانتہا ہیں اور خارج از حدود ہیں۔ تجلیات بھی مختلف اور متعدد ہیں۔ ہر شخص پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات اترتی ہیں۔ ہر وہ شان اور وہ کیفیت اور حالت جس میں حق تعالیٰ یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو تجلی ہے۔ جو تجلی کسی پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اُس پر یا کسی اور پر نہیں ہوتی۔ یعنی تجلیات میں تکرار نہیں۔ ہر دم اور ہر لحظہ وہ نئی شان میں متجلی ہوتا رہتا ہے۔

فلمّا تجلّی رَبّہٗ للْجَبل جعلہ دکاو خَرّ موسیٰ صَعقا. (الاعراف:۱۴۳)

(جب اللہ نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔

موسیٰ چونکہ مقامِ تلوین میں تھے اور تمکین تک ابھی نہیں پہنچے تھے اور پہاڑ اپنی استقامت میں متمکن تھا۔ اس لیے ربوبیت کی یہ تجلی پہاڑ پر ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ چونکہ اس تجلی کا پرتو موسیٰ پر بھی پڑا اس لیے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے یہ قاعدہ عام ہے ہر تجلی کے لیے استقامت ضروری ہے۔ مظہر جانِ جاناں کا شعر ہے۔

بر اہلِ استقامت فیض حاصل می شود مظہر
نمی دانی تجلّی گردِ کوہِ طور می گردد

پھر جب اللہ کسی بندے پر اسم اللہ کے اعتبار سے تجلی فرماتا ہے تو عبد بالذات فنا اور حق اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ صفات میں بھی یہی ہوتا ہے۔ تجلیاتِ صفات میں بندہ صفات کے انوار کی بارش کے تحت آجاتا ہے یعنی ایک صفت کی کشتی میں یہاں تک تیرتا ہے کہ اس کی حد کو بطور اجمال کے (نہ کہ بطور تفصیل کے) پالیتا ہے۔ کیونکہ صفات کے عرفان میں بندے کے لیے اجمال کے ماوریٰ تفصیل کو کوئی دخل نہیں۔ سالک جب صفت کے ہوائی جہاز پر اُڑتا ہوا

اس صفت کے عرش پر پہنچتا ہے تو وہ اس صفت کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے اور اس صفت کا مظہر بن جاتا ہے۔ پھر دوسری صفت اس پر لاحق ہوتی ہے۔اسی طرح یکے بعد دیگرے صفات کی تجذیب کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قربِ نوافل اور قُرب فرائض کی منزلوں پر پہنچتا ہے۔ جہاں حق تعالیٰ بندہ کا سمع و بصر بن جاتا ہے۔ جہاں نور عبد گم ہو جاتا ہے اور روح خلقی فنا ہو جاتی ہے اور وجود عبدی میں حق سبحانہ تعالیٰ قائم ہو جاتا ہے۔ سالک پر جو تجلیات راہ فنا میں وارد ہوتی ہیں ان کی بالعموم مندرجہ ذیل چار اقسام ہوتی ہیں۔

(۱) تجلّیِ آثاری: یہ تجلّی صوری ہے۔ وجود جسمانیات کی صورت میں متمثّل ہوتا ہے۔ متجلّی جان لیتا ہے پختہ یقین کے ساتھ کہ وہ ذات حق کو صورت تمثیلی میں دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ پر تجلّی ابتدا میں بصورت نار ہوئی اور پہچان لیا کہ کون متجلّی ہے۔ خواب بھی تجلّی صوری ہے۔ جو عالم خیال میں ہوتی ہے اور محتاج تعبیر ہے۔

کسی شکل میں جو ظاہر ہو۔

=so,wari External, apparent, facial

صوری متاعبِ صوریہ+Personal interview مواصلت

صوری +Ostengible cause عِلّت صُوریہ Outward

.troubles تعبیر علم کی کلید ہوتی ہے اس سے تسہیل ہوتی ہے جس سے معلوم ہو کہ اس تجلّی صوری سے حق تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ تجلیات آثاری میں اکمل تجلّی صورت انسانی میں ہوتی ہے۔

ہمہ را بستۂ گیسوئے پریشاں داری
غمزۂ خاص بہر گبرو مسلماں داری
مثلی ہست کہ الجنس الیٰ الجنس یمیل
بہر دل بردنِ من صورتِ انساں داری

Therefore, Self-manifestation of God in His essenses, attributes & names is "Tajalli", which implies that something hidden before is now clearly seen, as the splendour of Sun emerging from eclipse, or the beauty of a bride when she unveils. Accordingly the ontological desscend (نزولِ وجود) from the Absolute and mystical ascent or return to the Absolute is really the same proces.

(۲) تجلّیِ فعلی: اس تجلّی میں سالک صفاتِ فعلیہ ربوبیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ اس مشاہدہ میں بندے سے قول و فعل و ارادہ سلب ہو جاتا ہے اور وہ ہر چیز میں قدرت کے جاری ہونے کو دیکھتا ہے۔

(۳) تجلّیِ صفاتی: اس تجلّی میں سالک حق تعالیٰ کو امہاتِ صفات میں متجلّی پاتا ہے۔ (یعنی آگ مٹی پانی ہوا اور نو آسمانوں یا سات؟ ذوقی شاہ نے امہات صفات کے معنی نہیں بتائے)۔امہات بنیادی صفات کی اصل ہیں مثلاً خلق۔ اب خلق کی مختلف نوعیتیں بنیادی نہیں تاہم وہ بھی خالق کی صفت خلق کے تابع اور اس کی توسیع ہیں (وحید عشرت)

(۴) تجلّیِ ذاتی: جب ذات کی تجلّی سالک پر ہوتی ہے تو سالک فانیِ مطلق ہو کر اپنے علم و شعور و ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عبد گم ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ تجلّی ذاتی میں اس فنائیت عبد کے بعد بقائے حق سے باقی ہونے کو بقاباللہ کہتے ہیں یعنی فنافی اللہ سے اگلی منزل، خودی میں فنا نہیں بلکہ یہ بقاباللہ کے تصور کو پیش کرتی ہے یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے فنافی اللہ سے بھی اگلی منزل (وحید عشرت) اس مقام میں سالک اپنے آپ کو بلاتعین جسمانی اور روحانی کے اطلاق کے رنگ میں پاتا ہے۔ اس وقت اس کا علم جو دراصل اس کا نہیں بلکہ تجلّی ہے حق تعالیٰ کی؛ جملہ ذاتِ کائنات کو دیکھتا ہے اور وہ خود جمیع صفاتِ الٰہیہ سے متصف

ہو جاتا ہے۔ اور کسی چیز کو غیر از خود یا اپنے سے خارج نہیں پاتا۔ کمال توحیدِ عیانی سے یہی مراد ہے۔ (اس طرح فنا فی اللہ یا فنِی خودی کو بقاباللہ سے ملایا جاتا ہے)۔

اقسامِ دیگر: غیر متناہی ہیں۔ حق سبحانہ جسے چاہتا ہے اپنی تجلی ارزاں فرماتا ہے۔ وہ ہر معقول و مفہوم و موہوم و مسموع و مشہود میں متجلی ہوتا ہے۔ جس بندے پر تجلی فرماتا ہے اس کی قابلیت کے مطابق تجلی فرماتا ہے۔ اس لیے کسی کا ان تجلیات پر جو اس پر ہوتی ہیں قانع ہو کر بیٹھے رہنا اور ھل من مزید کی صدا بلند نہ کرنا یا دوسروں کے مکاشفات کا انکار کرنا غلطی ہے۔

وجوہِ تفاوت: علاوہ اختلافِ صفائی باطن کے اختلافِ زمان ومکان پر بھی حصر رکھتا ہے۔

(۵) اکمل تجلی: ذاتِ حق کو متجلی دیکھنا تجلی ہے اور اپنے کو مظہرِ حق پانا اتم و اکمل تجلی ہے۔

(۶) تجلیِ ظہوری: کائنات بھی تجلیِ حق ہے۔ ساتھ اسماوصفات کے تجلی

تجلی جمالش را مظاہر در وجود آمد

ولی چوں پردہ بکشایدٗ عدم بر مظہر اندازد

ظہورِ تعینات: تجلی حق سے سبب بننا (بواسطہ اسما و صفات کے)۔ اسی لیے اسے تجلی ظہوری کہا جاتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں:

تجلیِ رحمانی: عام ہے جس کا اطلاق جملہ موجودات پر افاضہ وجود کے لیے ہے۔ اسی کو فضلِ رحمانی بھی کہتے ہیں۔ اس تجلی فضلی سے ہر دو عالم یعنی عالم غیب و الشہادت نے انوار وجود کی روشنی پائی۔

تجلیِ رحیمی: یہ خاص تجلی ہے جس کے ذریعے مؤمنین و صدیقین و اربابِ قلوب کے دلوں پر کمالات معنویہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔ اس تجلی میں کافر مومن سے اور عاصی مطیع سے اور ناقص کامل سے جدا ہو جاتا ہے۔ کمالات انسانی اسی فیضِ خاص کے تحت ظہور میں آ کر پرورش پاتے ہیں۔

نوٹ: جمع کے معنی خدا کے ساتھ ایک ہو جانے کے ہیں۔ چند دیگر تجلیات کی شرح اجمالی یہ ہے:

تجلیِ شہودی: ہستی مطلق کا آئینۂ نیستی کے مقابل ہونا اور حق تعالیٰ کا اعیانِ ثابتہ یعنی صورِ علمیہ میں اور صورِ ممکنات میں ظہور فرمانا تجلیِ شہودی ہے۔ اس کے تحت حسبِ ذیل بے شمار تجلیات ہیں۔

تجلیِ جمادی: یہ تجلی جلالی ہے۔ جماداتِ بے شعور خاک میں بے خود و بے ادراک دائماً اوندھے منہ پڑے ہیں۔

تجلی افعالی: اس تجلی میں سالک صفاتِ فعلیہ ربوبیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ حق تعالیٰ کو متجلی دیکھ پاتا ہے۔ اس مشہد (شہادت vision) میں بندے سے فعل وارادہ سلب ہو جاتا ہے، وہ ہر چیز میں قدرت کے جاری ہونے کو دیکھ سکتا ہے۔

تجلیِ آثاری: یہ تجلی آثاری بھی تجلیِ صوری ہے۔ وجودِ جسمانیات کی صورت میں تمثیل ہوتا ہے اور جس پر تجلی کی جاتی ہے وہ مان لیتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کا پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ صرف حق ہی کو اس تمثیلی صورت میں دیکھ رہا ہے۔ خواب بھی تجلیِ صوری ہے لیکن تعبیر کا محتاج ہے۔

تَجْلِیَہْ:

روح کو منزہ [1] کرنا۔ کدوراتِ جسمیہ سے جو قالبِ عنصری (بدن) کو عارض ہو سکتے ہیں۔

(1. Purify)

تَخْلِیہ:

اللہ کے سوا کسی اور چیز کا باقی نہ رہنا۔

سالک کی پہلی منزل تزکیہ ہے۔ پھر تصفیہ، پھر تجلیہ

پھر تخلیہ۔

تحقیق:

شہودِ حق درصورِ اسمائے کونی

(Existant, Worldly, Material)

محقق: جسے ہر چیز میں شہودِ حق ہو وہ محقق ہے۔ وہ نہ بسبب خلق کے حق سے اور نہ بسبب حق کے خلق سے حجاب میں نہیں رہتا۔ (مُحتَجِب نہیں رہتا)

تحت:

مرتبۂ رحمانیت۔ اللہ تعالیٰ عرش پر اسم رحمٰن ہی کے ساتھ مستوی ہے۔

نوٹ: (الرحمٰن علی العرش استویٰ) سے یہ دلیل لی گئی ہے۔

تدالی (By Steingas): (دَنِیَ۔ یدنو), Ascent, Nearness معراج مقربین ہے تدلی کے معنی کسی کو نیچے جانے دینا ہے۔

(Let one self down on earth for guidance.)

تدلی(to be absorbed):

(to hang & swing), نزول مقربین جو معراج کے بعد ہوتا ہے۔ یہ تکمیل انسانیت کی علامت ہے۔

رباعی نمبر ۱۰۲، ارمغانِ حجاز:

پریدم در فضائے دل پذیرش
پرم تر گشت از ابرِ مطیرش
حرم تا در ضمیر من فرو رفت
سر و دم آنچہ بود اندر ضمیرش

مندرجہ بالا رباعی کا ترجمہ:

I fly in the airy lonier space,
My wings getting wet from clouds I face.
I found in my conscience the Harem's mould,
Since on my conscience that song had a hold.

تجلیِ نباتی: اس تجلی میں پرتو محبت ہے جس کے باعث نباتات اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے اور جوش و خروش کے عالم میں (منتظر) ہیں۔

تجلیِ حیوانی: اس میں حکمت ظہور و اظہار اور بقائے جنس ونوع و افراد ہے۔ حیوانات کا بالطبع مقتضائے حرکت اور مشاقِ میل و جفت ہونا اس کی دلیل ہے۔

احدیت میں تجلی نہیں: مقام احدیت میں تجلی ممتنع ہے اگر ناظر و منظور (Observer of objects and objects) کا فرق باقی ہے تو یہ اثنیت (Dualism) ہے۔ اثنیت احدیت کو زائل کر دیتی ہے اگر یہ فرق اِثنیت اُٹھ گیا تو تجلی کیسی، کیونکہ اس صورت میں وہی ناظر ہے وہی منظور ہے۔

تدبر و تفکر:

تصور عقلی اور دلی توجہ سے مقصودِ اصلی کی جانب بڑھنا اور مطلوب کو طلب کرنا۔ صفات و افعال الٰہی اور نغماتِ الٰہیہ۔ عینیت (یعنی ذات ہی میں محو ہونا) اور نسبتِ حق میں غور کرنا نہ کہ ذاتِ حق میں کیونکہ ذات میں فکر کرنا ناجائز اور لاحاصل ہے۔ تفکر، تصرفِ دل ہے فہم و ادراک کے میدان میں ۔ تدبر بھی تصرفِ دل ہے اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کے لیے۔ ذاتِ حق سے اتحاد ہی عینیت ہے۔

تفکر رفتن از باطل سُوئے حق
بجز دادن پدیدن کل مطلق

(پدید آمدن = ظاہر ہونا، نظر آنا۔ پدید آوردن = ظاہر کرنا (make clear, manifest, open)

پدیدن (manifest)

پدیداز (who brings into light, displayer)

ترانہ:

گیت، نغمہ آہنگِ محبت (Melody)

ترسا: (Fearful)

مردِ روحانی جس کا نفسِ امارہ مردہ ہو چکا ہو۔ جس کے صفاتِ ذمیمہ مبدل بہ صفاتِ حمیدہ ہو چکے ہوں۔ بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا۔

ترسا بچہ:

شیخ مکمل جو خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بناتا ہو۔ وارداتِ غیبی جو سالک کے قلب پر وارد ہوں۔ حقیقت وحدت ذاتیہ، حقائق، معانی، دقیقہ۔ ترسا بچہ کو کبھی ترسا زادہ بھی کہہ دیتے ہیں۔

تشبیہ (Analogy)

علم الکلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنا تشبیہ ہے لیکن ابن عربی نے اسے عینیت کے معنی دے دیے ہیں۔ کیونکہ ان کی طبیعت کا میلان ہمیشہ وحدت الوجود ہی کی طرف رہا ہے۔

تنزیہ:

پاک کرنا۔ علم کلام کی اصطلاح میں یہ لفظ اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کہ مخلوق کی صفات کا اثبات خدا کی ذات میں نہیں کیا جا سکتا مگر ابن عربی اس سے ورائیت (Transcendencs) یعنی لامحدودیت مراد لیتے ہیں (دیکھیں مجدد کا نظریۂ توحید ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب)۔ شاہ ولی اللہ بحوالہ امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ صفاتِ الٰہی کو ہو بہو نقل کرنا اور استعمال کرنا تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ یہ ہے کہ ساعت ہم جیسی پائی جائے اور بصارت ہماری جیسی سمجھی جائے۔ نہ ان صفات کی تاویل واجب ہے اور نہ تاویل کے بارے میں کوئی ممانعت موجود ہے۔ یہی حافظ ابن حجر [1] کا قول ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی مشابہت سے پاک گردانا بھی لازم قرار دیا ہے۔ لیس کمثلہ شیئاً کا یہی مطلب ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ب، ص ۵۲)

([1] ابن حجر عسقلانی)

خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف ماننا تشبیہ ہے۔ میرے خیال میں مخلوق خدا کی صفات سے متصف ہیں خدا کی صفات بذاتہ ہیں جبکہ مخلوق کی محدود اور مستعار ہیں اس لیے خدا کی صفات کو بے مثل کہا جاتا ہے کہ ان کی وسعت، گہرائی اور نوعیت مخلوق سے بہت بلند اور منفرد ہے۔

ترسائی: (Fearful ness)

وہ ہے جو اس مسلک عیسوی پر تجرید وتفرید سے اپنے باطن کو آراستہ کرتا ہے۔ اور علائقِ دُنیوی (Connections, attachments, affection, studies) قیود تقلید و عادات یعنی عوائق [1] طبعی سے آزادی حاصل کرتا ہے۔ اسے تصوف کی زبان میں ترسائی کہتے ہیں۔ ترقیات: Ascents

[1] جمع عائق کی۔ رکاوٹیں (hinderences)

دیر: قوم ترسا کی عبادت گاہ کو دیر کہتے ہیں۔ اس سے صوفیا کی اصطلاح میں تقدس وحدت ذاتی کی جانب اشارہ ہوتا ہے، جو منزہ (Purified) ہے۔ یا جمیع الواثِ (بے معنی باتوں، گالی دشنام) سے۔ یہ معبد جان انسان میں ہے اور جانِ انسان سے مراد روحِ انسانی ہے اور روحِ متعلق ہے عالم تجرد سے۔

ترقی (Attainment of Ascents): (جمع ترقیات):

ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اور معارف ادنیٰ سے اعلیٰ معارف کی طرف منتقل ہونا۔ سالک کا فرض ہے کہ ہر دم آگے بڑھے۔ سالک اسی کو کہتے ہیں جو ساعت بہ ساعت ترقی کرتا رہے۔ وہ سالک نہیں ہے جو کسی مقام پر رک

جائے۔ لہٰذا دیر تک کسی مقام پر رُکے رہنے سے پیچھے کو ہٹنے لگتا ہے۔ اس وقت اسے راجع کہیں گے۔ اس رَجعت کا اگر فوراً انتظام نہ کیا جائے تو مایوسی کی کیفیت نظر آتی ہے۔ ملک قمی کا شعر ہے:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

ترکتاز: (Amorous coaxing):

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک محنت شاقہ اور مجاہدۂ شدید اور زحمتِ طویل کے بعد کشود کی کوئی صورت نہیں پاتا تو وہ دل میں درد اور قلق محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اچانک جذبۂ الٰہی وارد ہوتا ہے اور سالک کو مقبولین کی صفوں میں لے جا کر اسے مقصد اصلی تک پہنچا دیتا ہے۔ اس جذبۂ الٰہی کو ترکتاز کہتے ہیں۔

(غمزہ: عاشقانہ ناز و ادا ... ے (Amorous looks)

تزکیہ:

نفس کو ذمائم سے پاک کرنا

(via purgative; path of Expiation)[1]؛ تزکیۂ روحانی۔ [1] گناہ سے توبہ یا تلافیِ غلطی۔

تشبیہ و تنزیہ:

تشبیہ سے مراد اشیاء ظاہری میں ظہورِ ذات اور تنزیہ سے مراد ذات حق تعالیٰ کا صفاتِ انسانی یا صفاتِ ممکنات سے پاک و منزہ ہونا ہے۔ موسیٰ ؑ کی اپنی امت کو تعلیم بحکم اسم ظاہر بحت افعالِ جسمانی تھی اور مائل بجانب تشبیہِ دل اور سیر کمالاتِ معنوی کی طرف لے جاتی تھی لیکن خلوت اور انقطاع عن ماسوا (کی جہت) سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اپنی امت کو بحکم غلبۂ اسم باطن تقدیس و تطہیر دل اور سیر کمالاتِ معنوی کی طرف لے جاتی تھی لیکن خلوت اور انقطاع عن ماسوا کی جہت سے۔

تصرفات:

غلبہ، مادی ہونا، متصرف ہونا، غالب ہونا، تصرفات سے اعجاز یا کرامتیں بھی مراد ہوتی ہیں۔ اس کے معنی قوت اشیائے عالم پر تصرف رکھنا بھی ہیں۔

تصفیہ:

قلب کو خیالاتِ ماسوا سے پاک کرنا، تلافی کفارہ، ندامت و پشیمانی۔

تصورِ شیخ: حدیث مبارکہ ہے:

عن ابنِ مسعودؓ. کانِیّ اَنظُرُ الی رسول اللّٰہ یحکی نبیاً من الانبیاء ضربہ قومہُ فادمُوہ. ھوَ یمسحُ الدّمُ عن وجھِہ و یقولُ اللّٰھمَ اغفِر لقومی فانِھم لا یعلمون.

یہاں کَانِیّ اَنظُرُ اِلیٰ میں درحقیقت تصورِ شیخ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ حالت کبھی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی بہ تکلف پیدا کی جاتی ہے۔ تصور بھی محبت کی ایک شاخ ہے جس سے محبت جائز ہے اس کا تصور بھی جائز ہے۔ جب کوئی مرید ارتکاز توجہ کے لیے شیخ کا تصور کرتا ہے تو اپنی ہستی کی نفی کر کے خود کو شیخ میں جذب کرنے کی سعی کرتا ہے پھر اپنے شیخ کے تصور پر ارتکاز کر کے خدا کو شیخ پر قیاس کرتا ہے تو صوفیا کے نزدیک وہ توجہ الی اللہ کی منزل پاتا ہے اور آہستہ آہستہ شیخ کی ذات معدوم ہو جاتی ہے اور ایک منزل کو اس کی اپنی ہستی بھی معدوم ہو جاتی ہے اور جز اللہ سبحانہٗ کچھ نہیں رہ جاتا تاہم یہاں تلبیس کا بھی امکان ہے اور شرک سے بسا اوقات مرید یا سالک خود کو برباد کر لیتا ہے۔ (وحید عشرت)

تظلم:

کسی کا حق کم کرنا، ظلم سے فریاد کرنا، ظلم کے باعث رونا، شیطان اور نفسِ امارہ کی شرارتوں اور اپنی خطاؤں کے مقابلے کے لیے حق تعالیٰ سے امداد حاصل کرنا۔

تفرقہ:

دیکھو لائحہ دوئم۔ دنیاوی اسباب کا جمع کرنا ہی تفرقہ (پراگندگی و انتشار) کا باعث ہے۔ دل رابواسطۂ قصد اُمورِ مقصودہ (کئی ایک امور مراد ہیں)۔ اس کی ضد جمعیت ہے۔ اور جمعیت یہ ہے کہ سب سے قطع تعلق کر کے ذاتِ واحد کے مشاہدہ میں گم ہو جائے۔

تعینات:

تخلیق عالم کی توجیہ کے ایک نظریہ کے سلسلہ میں تخلیقِ عالم کو اس طرح سمجھنے کی سعی کی گئی ہے کہ گویا وجودِ اولیٰ نے چند مراتب میں نزول کیا ہے۔ ہر مرتبہ وجودِ اُولی کے نزول کا ایک تعین یا ظہور ہے۔ اس لحاظ سے تمام مدارج تعینات یا نزلات کہلاتے ہیں۔

تکوین (Creation):

اہل یونان کا' فلو یہودی اور فلاطونس عیسائی جو سکندریہ کے رہنے والے تھے کا نظریۂ صدور جو بعد میں ابن سینا نے پیش کیا اور ابن عربی نے اسے تنزلات ستہ یعنی سات مراحل میں صدور و نزول بنا دیا۔ اس تمام کی اساس افلاطونی فلسفہ ہے جسے قرآن کے نظریہ تخلیق سے کوئی علاقہ نہیں۔ (وحید عشرت)

تعرف:

علم کی تلاش (وجستجو) کرنا۔ سیکھنا اور سکھانا اور تعلیم دینا + پہچاننا' شناخت بہِ لشئی ءُ طلب کرنا یہاں تک کہ پہچان لینا۔ بہ الضالته. گمشدہ کو تلاش کرنا۔

تعرف الاسم۔ اسم نکرہ کا معرفہ کرنا۔ تعرف بغلانٍ: آشنا ہونا۔ استعرف الشئی پہچاننا۔ العراف نجومی۔ العرفان: معروف۔ المعرفہ: حقیقت کو پالینا۔ معرف: چہرہ۔ معارف الرجل: شناسا لوگ۔ المعارف: علوم۔ ہم غر المعارفِ وشم المراعف: وہ روشن چہرہ اور اونچی ناک والے۔ ھو من المعارف: وہ مشہور لوگوں میں سے ہے۔

"التعرف لِمذھب اھلِ التصوف": علم تصوف پر یہ کتاب ایک منفرد اور اعلیٰ مقام کی حامل ہے۔ اس کے مصنف علامہ ابی بکر بن ابی اسحٰق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی (کلاباذ' نیشاپور' کا ایک محلّہ ہے)۔ سنِ وفات ۱۹ جمادی الاول بروز جمعہ ۳۸۵ھ بمطابق ۹۹۵ء ہے۔ داراشکوہ نے یہی تاریخ بیان کی ہے۔ بعض کتب میں ۳۸۰ھ/ ۹۹۰ء بھی آئی ہے۔ شیخ شہید سہروردی (وفات ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں 'لولاالتعرف لماعُرِفِ التَّصَوُّف' اگر تعرف نہ ہوتی تو تصوف کی پہچان مشکل تھی۔ فارسی میں اس پر ایک ضخیم شرح اَلْمُسْتَمْلِیْ (شائق تصنیف) ایک اور بزرگ نے لکھی۔

امام سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ء) نے اپنی کتاب تایید الحقیقتہ الملیتہ میں تعرف کی بہت سی عبارتوں کو شامل کیا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں 'التعرف' موجود ہے۔ بروکلمان (Brocklemann) اور آربری (Arberry) نے بھی اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

تعریف:

اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا عذاب ہے۔ دوسروں سے اپنی تعریف سننا بھی مستحسن نہیں۔

تعین:

حق تعالیٰ کا اپنی ذات کو پانا۔ تعینات کی دو قسمیں ہیں۔ اجمالی اور تفصیلی

تعین اجمالی: تعین اول۔ وحدت جہاں حق تعالیٰ نے اپنے وجود کو پایا اور انا فرمانا۔

تعین تفصیلی: واحدیت جہاں ذات نے ذات میں صفاتِ ذات کو پایا۔

تعینات:

وجود' حیات' علم' قدرت' ارادہ' سمع' بصر اور کلام یہ

آٹھ ہیں۔ جس کی صفات کے تعینات ہیں۔
دیکھیں ص 85-A اور 84-A ۔ تعینات سے مراد ظہور
یا سرور (صفات حسنہ وغیرہ کا) ہے۔ تفسیر لکھنا To expound
Colouring, diversifying تلوین (Varying)
تمکین Being firmly fixed & established.
رفتن To descend, to be absorbed, to sink.
از رسالہ قُشیریہ: ص۔ ۱۴۱ (عربی میں) دیکھیں اقبال
کی رباعی نمبر (۱۰۲۔ ارمغانِ حجاز)

تعینات خارجی:

بقیہ تعینات جو کہ ظہور ہیں اسما و صفات کے مثلاً
ارواح و امثال و اجسام وغیرہ۔

تقویٰ:

ہر اس چیز سے نفرت و بیزاری جو دل میں متعین ہو
اور وصول الی اللہ میں مانع آئے۔

تقوائے عوام:

ترکِ کفر و شرک ہے۔

تقوائے متقی:

ترکِ معاصی اور منہیات شرعیہ سے پرہیز:

تقوائے خواص:

عبادات و ریاضات میں وسوسے کا قلع قمع کرنا۔

تقوائے خواص الخواص:

یہ ہے کہ ہر دم اور ہر لحظہ ترکِ ماسویٰ اللہ سے
متصف رہے۔ خیال دنیا دل میں نہ آئے۔

تکبر:

غرورِ اعمال سے بے نیازی۔

تلوین:

التلوین صفت ارباب الاحوال[1] (اہل حال کی صفت
ہے)۔ والتمکین صفته اهلِ الحقائق (تمکین اہل حقیقت
کی صفت ہے) فما دامَ العبدفی الطریق فهُوَ صاحبُ
تلوین لانهُ یرتقیٰ من حالٍ الیٰ حال۔ بندہ جب تک اثنائے
راہ میں ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف ترقی
کرتا رہتا ہے (منتقل ہوتا رہتا ہے) صاحب تلوین کہلاتا
ہے۔ پھر جب راہ سے نکل کر منزلِ وصف تک پہنچ جاتا ہے تو
اُسے تمکین حاصل ہو جاتی ہے۔ (از مکتوبات مجدد الف ثانی
وغیرہ That the existent is one?-

[1] (وجد کی حالت میں رہنے والے)

تلخ:

کڑوا، بھاری، بوجھل، ناپسندیدہ۔ ایسا امر جو سالک
کی طبیعت کے خلاف ہو۔

تلوین و تمکین:

تلوین مقام طلب ہے جس میں حالتیں آتی ہیں اور
جاتی ہیں اور مغلوب الحالی کے دورہ رہتے ہیں۔ (لفظی:
رنگ بدلنا، عدم استقلالی کی حالت)

گہے گریاں گہے خنداں گہے خیزاں گہے افتاں
بجز ایں شغل یک لحظہ نبودی روزگارِ من

گہے افتم گہے مستانہ خیزم
چہ خوں بے تیغ و شمشیرے بریزم
نگاہے التفاتے برسر عام
کہ من با عصرِ خویش اندر ستیزم
(رباعی نمبر ۱۰۰، ارمغان)

تمکین: (Sedateness)

مقامِ رسائی (یا رسوخ) و استقلال ہے جس میں
سالک صاحب مقام ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہونے
پاتا۔ ¬ influenced by اس کی قوت برداشت بہت

مضبوط ہوتی ہے۔

Firmly fixed & well established.

زلیخا مقامِ تمکین میں تھی ہاتھ نہیں کاٹے۔ زنانِ مصر تلوین میں تھیں' ہاتھ کاٹ لیے مقامِ تمکین میں سالک انبیاء علیہ السلام کے کمالاتِ معنوی (یا باطنی) سے فیضیاب ہوتا ہے۔ لیکن مقامِ تلوین میں محروم رہتا ہے۔ (تحمل و بردباری' استقلال و استقامت' مستقل مزاجی' ثابت قدمی' استحکام' اٹل۔ Stability, Constancy, Fortitude.

تمثیل: (Similitude, likening)

تشبیہ دینا' مشابہت دینا' مشابہت' نقل در نقل صحیح مثال دینا۔

حُسنِ تخیل کی تصویر جو دماغ بناتا ہے۔ وہ مثالی ہو یا مجازی ہو۔ تشبیہ جو آپ کے تخیل میں آتی ہے یہی مشابہت' تمثیل یا استعارہ کے پردہ میں کوئی بات بیان کرنا ہے۔ To allegorize Allegory, narrate in Allegory,

نوٹ: تخیل (اسم) یا تخییل (مصدر) ہم معنی ہیں۔

تُندی: Sharpness, violenee تیز

صفتِ قہاری' دل کا برقرار رہنا۔

تواجد:

تکلف و تصنع سے وجد لانا۔ استدعائے وجد (خواہشِ وجد) و اظہارِ حالتِ وجد بدوں وجد۔ (mutual ecstacy & apture) = تواجد۔

توانائی: (Power Strength)

صفتِ فاعلی' مختاری۔

تواضع: (Humulity to God)

جنابِ الٰہی میں بندہ کا پست ہونا' تَـابَ اَی رَجَـعَ' الندمُ توبتُہ۔

توبہ: (Penitence) معافی' استغفار۔ اپنے کئے پر نادم ہونا' تلافی۔

نقص سے کمال کی طرف بازگشت' رجوع جانبِ الٰہیٰ ندامت جو خوف سے پیدا ہو۔ سیر رجوعی کا پہلا مقام۔ اصطلاحاً اسے باب الابواب بھی کہتے ہیں۔ اس دروازہ کے کھلنے کے بعد ہی باقی دروازے کھلتے ہیں۔ (صدمیدان ص اول)

توبہ کے لازمات: ۱) دل میں ندامت کا پیدا ہونا اور گناہ سے طبعی نفرت۔ صرف زبان سے توبہ و استغفار کا رٹنا اور معصیت کی حسرت کا دل میں رہنا باب الابواب کے کھلنے کے لیے کافی نہیں:

توبہ بر لب سبحہ در کف دل پراز ذوقِ گناہ
معصیت راخندہ می آید زِ استغفارِ ما

(۲) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم۔ یہی توبتہ النصوح[۱] ہے۔ یعنی سچائی اور خلوص کے ساتھ اپنی روش بدلنا۔

[۱] پکی توبہ۔ Sincere repentence.

ایسی توبہ ہے جس میں ندامت رغبت سے ہو۔

منیب:

اواب[۱] انابت[۲] یعنی توبہ کرنے والا۔ (جمع: اوّابوں) (مآب: جگہ لوٹنے کی) گناہ کبیرہ سے داعت کی جانب رجوع ہی توبہ ہے۔ گناہِ صغیرہ سے محبت الٰہی کی جانب رجوع کرنا اُوبہ ہے۔ (retum in coming to god, ایاب' واپسی) Sincere penitent

توجہ:

دھیان دینا[۱] کسی چیز کو مرکز نگاہ بنانا۔

[۱] توجہ الٰہی ماسویٰ سے کٹ کر۔ (اوّب: صفتِ شاکر و صابر)

توحید عیانی: (Clear oneness)

(عیاں۔ واضح۔ اسی سے عیاں۔ کھلا۔ ظاہر) عیاںٔ عین کی جمع دیکھیں تجلی ذاتی' اسی کو کمالِ توحید کہتے ہیں۔

توحید: Oneness Unitarianism of God

التوحیدُ عنکَ موجود وَانتَ فی التوحیدِ مفقُود (فتوح الغیب) ص۳۲۱

قول ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بسطامی اس کے راوی امام سہلکی تھے۔ توحید (بقول کسے) ایک اجاڑ گاؤں ہے۔ (ف۔ع، ص ۳۲۱) توحید کے آگے کوئی منزل نہیں، نہ مقام، نہ کشف، نہ کرامت، نہ آثار، نہ اطوار، نہ ذکر نہ فکر۔ توحید ہے یا فنا۔ اگرچہ طالب کے لیے توحید زہر ہے اس کے باوجود یہ باقی سب کچھ بکھیڑے ہیں۔

ہرچہ برخود نہ پسندی بدیگراں میپسند کے مصداق ہے

غرض ہر منتہیٰ اور مبتدی کی تطہیر القلب عن ما سویٰ اللہ ہی ہے۔ دیکھیں اقبال کی رباعی نمبر ۹ ارمغانِ حجاز میں اور مولانا روم کا یہ شعر:

عاشقاں را ہر نفس سو زیدنی ست

بردہِ ویراں خراج و عُشر نیست

بردہِ ویراں سے مراد یادِ الٰہی سے خالی دل ہے۔ (خالی جسم بھی مراد ہوسکتا ہے) ایسے لوگ بہت کم ہیں جنھوں نے مقامِ توحید میں ہی جھونپڑی ڈال دی ہو۔

توحید:

شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کا طریق تجرید وتفرید توحید ہے۔ وہ موقفِ عبودیت میں قائم الاحوال ہیں اور توحید پر ان کا ٹھہراؤ یا آگاہی (وقوف Stand) نہ کسی شئے کے لیے ہے اور نہ کسی کی مدد سے ہے۔

غمزے عاشقانہ ناز وادا =amorous blandishment.

مژگاں a reward for bringing مژگان eyelashes.

مژدگاں good news, =صلۂ انعام a good news

عنصری = world دنیا mould قالب nearness ترک، مجاورت

تنزیہ= to consider God free from material or manly attributes, manly qualities are no way similar to Divine attributes.

اصل، ظل= To Ibn- Arabi, it seems to be used as equivalent to appearance. His concieved as in'ikas or reflection, which is well nigh equivalent to Tajalli or Emanation;

یعنی صدور یا ظہور صفات حسنہ

=firstly1)shadow,2) insignificance & unreality, 3) it means only effect

ظل (مجددؒ کے نزدیک)

توحید وجودی:

مراد ہے وجود کا ایک ہونا اکثر متصوفین اسلام کا یہی نظریہ ہے۔ یہ عقیدہ آسانی سے نظریۂ عینیت میں بدل جاتا ہے۔ یعنی وہ وجود عین ہے تمام اشیاء کا اور مآلِ کار وہ ہمہ اوست سے مُبدل ہو جاتا ہے یعنی وہ موجود خدا ہی سب کچھ ہے اس نظریہ کو وجودیت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ردحردیت مغربی تحریک فلسفہ وجودیت سے الگ ہے۔ -Existanalisn

توحید شہودی:

یہ ہے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ وحدت ہے۔ وحدتِ شہود شیخ مجددؒ کے نزدیک وحدتِ وجود کی تعبیر ہے ان کے نزدیک وحدتِ وجود کا شہود، شہودِ محض ہے نظر ایک آتا ہے فی الحال ایک ہی ایک نہیں ہوتا۔ کائنات کا وجود نظر سے مستور ہو جاتا ہے اور غلبۂ شوق میں خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ اور یہ شہود نمودِ محض ہوتا ہے۔ حقیقت نہیں ہوتی۔ عام طور پر اس کے یہ معنی لیے جاتے ہیں کہ وحدتِ شہود گویا تخلیقِ عالم کا ایک نظریہ ہے جو شیخ مجددؒ نے پیش کیا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وجود اور شہود اصل میں دونوں ایک ہیں۔ وحدت الوجود میں تمام چیزیں وجود سے ہیں اور وحدت

الشہود میں وہ خدا کی ذات کا عکس ہے۔ اصل میں الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا دونوں کا لب لباب ایک ہی ہے۔

توحید عیانی:

(تجلّی ذاتی میں دیکھئے) ت کے باب میں۔ کمال توحید عیانی ہی مقام بقاباللہ ہے ابنِ عربی کے نزدیک لیکن کیسے؟

توحید:

شیخ علی بن ہیستی[1] کا قول بابت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ دیکھیں ص ۶۲۔ ([1] غالباً ہیستی ہے جو ایرانی سکہ ہے)

توحید تنزیہی:(Mystic purity)

سرسید کی نشوونما خاندانِ مجددیہ میں ہوئی تھی ان کا تصوف توحیدِ تنزیہی ہے اور تصوف کے باب میں وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ اسے محض تزکیۂ اخلاق کا ذریعہ سمجھتے ہیں (تصانیفِ احمدیہ جلد اول' ص ۳۵۶)۔

یہ شیخ مجدد کے مکتوبات میں بھی تھی (مکتوب ۲۰۷' ۲۱۷) مگر صاف طور پر سمجھی نہ گئی تھی۔ بعدازاں سر محمد اقبال نے متصوفین عقیدۂ وحدتِ الوجود کے خلاف آواز بلند کی۔ انھوں نے صوفیاء کے نظریۂ فنا یا نفیِ خودی کی اسرارِ خودی میں تردید کی ہے اور اس کی بجائے انھوں نے خودی یا اثباتِ خودی کو تجویز کیا اور وحدتِ الوجود پر اعتراض کیا۔ وحدت الوجود کا عقیدہ ہندوؤں میں ویدانت کے نام سے معروف ہے اور شوپنہار نے اسے مذہب الحاد اور اقبال نے اسی کو زندقہ قرار دیا' حضرت مجدد' ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ بھی اس پر معترض ہوئے۔ (وحید عشرت)

اسرارِ خودی میں اقبال نے تصوف کی اس بناء پر تردید کی ہے کہ یہ سرچشمہ غیر اسلامی اور سریانی بلکہ عجمی ہے اور مسلمانوں کی قومی اور سیاسی زندگی کے لیے مضر ہے۔ (اسرار خودی۔ باب ۷' ص ۲۸)

Chapter VII, page 28 of Israr-i-Khudi.

تنزہ ذات مائل بہ تنزہ تھی۔ جس نے تنزہ نہ کیا (یعنی خدا کی ذات صفات میں) اور وہیں ٹھہر گیا اس نے بے ادبی کی اور خدا کو محدود ٹھہرایا۔ اس نے ذاتِ حق کے آثار کو مظاہرینِ ظہور کی حیثیت سے نہ پہچانا ایسے شخص کو صرف آدھی معرفت حاصل ہوئی۔ گویا کہ وہ بعض پر ایمان لایا اور بعض پر ایمان نہ لایا۔ صحیح راہ درمیان تشبیہ و تنزیہہ کے ہے جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے خدا کو مجملاً پہچانا۔ کیونکہ تفصیلی تشبیہ و تنزیہہ انسان کے لیے محال ہے۔ (تنزیہہ سب سے پاک کرنا یا تنزہ۔ عیب سے پاک ہونا)

یہ جامعیت تنزیہہ و تشبیہہ رسول کریمؐ میں رونما ہوئی آپ جامعیت صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور آپ کی تعلیم میں روحانیات' جسمانیات اور مشاہدۂ انوارِ تجلیاتِ الٰہی در جمیع موجودات شامل ہے۔ آپؐ کے مسلک پر چلنے والے اور آپ کی پیروی کرنے والے بحرِ انوار تجلیات جلالی و جمالی میں مستغرق ہیں اور تنزیہہ میں تشبیہہ[1] اور تشبیہہ میں تنزیہہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ [1] (پیرویٔ اسلام ,likeness)

توکل: محسنین کا توکل یہ ہے کہ تکیہ کرنا۔ موجود پر قناعت کرنا۔ خدا کی ربوبیت پر قانع۔

اپنے جملہ امور خدا کے سپرد کرنا۔ بھروسہ کرنا۔ صالحین اور ان سے کم تر کا توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے امور کو ان کی مصلحتوں کے مطابق انجام دے۔ (نوٹ: نصوح کے معنی سچا اور مخلص)

حجتہ اللہ البالغہ ص' ۱۶۵ (باب صفاتِ الٰہیہ پر غور کرنا) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق (مخلوق میں غور کرو اور خالق میں غور و فکر نہ کرو) اور آیت وَاَنَّ اِلٰی ربک المنتھی (تمہارے پروردگار پر انتہا ہے) کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا

لافکرۃ فی الرب ''پروردگار کی ذات میں غور وفکر کرنا مناسب نہیں'' اور ظاہر ہے کہ صفاتِ الٰہیہ مخلوق اور حادث نہیں۔ ان پر غور کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ پر غور کرنا ہے۔ امام ترمذی نے حدیث یدُاللّٰہ فوقَ ایدیھم کے بارے میں کہا کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس حدیث پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہیے جس طرح وارد ہوئی۔ نہ اس کی تاویل و تفسیر کرنی چاہیے۔ تمام ائمہ کا یہی قول ہے۔ (سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابن عیینہ۔ ابن المبارک وغیرہ) کہ ان صفات کی نقل و روایت تو کی جائے ان پر پورا پورا ایمان رکھا جائے لیکن ان پر کسی قسم کی تاویل نہ کی جائے۔

دوسرے موقع پر یہی امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ان صفات کو ہو بہو نقل کرنا اور استعمال کرنا تشبیہہ نہیں ہے۔ تشبیہ یہ ہے کہ سماعت ہم جیسی پائی جائے اور بصارت ہماری سی سمجھی جائے۔ ان صفات پر غور کرنے والی جماعت نے محدثین کی جماعت پر بہت کچھ تنقید کی ہے کہ یہ لوگ تجسیم و تشبیہ کو چھپاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے الضحک (ہنسی)' الفَرَح (خوشی) البشش (بشاشت) الغضب (غصہ) الرضاء (رضا) کا استعمال ناجائز ہے۔ (فرح: خوشی)

توبہ۔ التوبتہ ندم . تَاب ای رَجَعَ۔ قول رسولؐ النَّدمُ توبتہُ (ک۔م۔ص ۲۶۰) از سہل بن عبداللہؒ۔ التوبۃُ ان لاتنسیٰ ذنبکَ یعنی اپنے گناہوں کو نہ بھولنا بھی توبہ ہے۔ حضرت جنیدؒ کی جماعت اس پر متفق ہے۔ التوبتہ ان تنوی ذنبک کیونکہ مشاہدۂ حق میں یادِ گناہ اور ذکرِ گناہ مناسب نہیں (۲) اذا فعلوا فاحشِۃً او ظلمُوا انفسکم اذکروا اللہ واستغفروالذنوبھم. موسیٰؑ نے کہا تُبتُ الیک. رَجوع ہوا تیری طرف۔ ایک توبۂ غایت ہے دوسری توبۂ استحیاء پہلی خوفِ اللہ سے دوسری شرم وحیاء سے۔ ایک شخص خوف سے جلال کی آگ میں جلتا ہے اور دوسرا جمال میں حیا کے نور سے روشن ہوتا ہے۔ ایک سکر میں رہتا ہے دوسرا مدہوش۔ اہل خوف تو صحو میں ہوتے ہیں اور اہل حیا صاحبانِ سُکر میں ترجمہ۔ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو بھلا دے۔ (صحو: حالتِ بیداری، ہوش میں۔ سُکر: نشہ، مستی)۔ (نوٹ: ک۔ م: یعنی کشف المحجوب)

محسنین کا توکل یہ ہے کہ اپنے جملہ امور کو خدا کے سپرد کر دیں اور خدا کے کیے پر معترض نہ ہوں۔ بلکہ خوش ہوں۔ صدیقین کا توکل یہ ہے کہ ان کی نظر اپنی ذات پر نہیں پڑتی بلکہ وہ اللہ کے شہود میں مستغرق اور اس کی ذات میں فنا رہتے ہیں۔ اپنی ذات کے حال سے خدا کی ذات کے حال میں پھر جانا ہی صدیقین کا توکل ہے۔ محققین کا توکل: احبابِ تحقیق میں دیکھیں۔

توکل پہلا مقام ہے احسان کا جس کا اولیٰ مرتبہ خدا کی نظر کو اپنی جانب دیکھنا۔ متوکل مومنین کا مقام ہے۔ عوام کا نہیں۔ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین. عوام کا توکل. ومن یَتق اللہ یجعل لہُ مخرجاً ویرزُقہُ من حیثُ لا یحتسِب. اللہ پر توکل کا مقصد (عوام صالحین و متقین کا) یہ ہے کہ اللہ ان کی مصلحتوں کے مطابق ان کے کام سرانجام دے۔ ومن یتوکل علی اللہ...... الخ۔

توکل اور تفویض میں یہ فرق ہے کہ توکل (وکالت) میں ملکیت کی بُو ہوتی ہے۔ تفویض اس سے خارج ہے۔ مبتدی اور منتہی کی تفویض کی تفصیل صفحہ ۱۴۲ (ذوقی شاہ کا رسالہ) میں دیکھیں۔

تسلیم و رضا میں یہ فرق ہے کہ تسلیم قضا سے پہلے ہوتی ہے اور رضا کا وقوع قضا کے بعد ہوتا ہے۔

قضا: (میت۔ قسمت)

حکمِ الٰہی، قضا پر راضی رہنا ہے نہ کہ اس چیز پر جس پر قضا جاری کی گئی ہے۔

تونگری:

امیر صاحبِ مال و اسباب ہونا۔ غنی ہونا۔ حاجت نہ کرنا۔ حصول جمیع کمالات اور ان کے اظہار کی قدرت۔

تیمُّم:

تصفیۂ ظاہر و باطن۔

تن (بدن) اور روح:

دیکھیں تحت نکاح معنوی۔

ج

جابلسا: (The West)

لغوی معنی سالک کی آخری منزل۔ اصطلاحی معنی عالم برزخ جہاں ارواح بعد مفارقتِ اجسام عنصری جاتی ہیں۔ یہ برزخ اس عالم مثال سے مختلف ہے جہاں ارواح اس دنیا میں آنے سے قبل ہوتی ہیں۔ وہ مراتبِ تنزلات ہے اور یہ مراتبِ معارج ہے۔ یہاں ارواح اعمال کی صُورِ مثالی اختیار کرتی ہیں۔ (اس کا ثبوت حدیث یا قرآن سے دینا چاہیے تھا) یہ عالم بھی عالم روحانی 'جوہر نورانی' غیر مادی ہے۔ نشاۃ: انسانی ترقی و احیاء۔ احیاء (Growth) مجلّائے جمیع خلائق الٰہیہ وکونیہ ہے۔

جمع نشا ہے (growth) =نـاشـی نَشـاءَ ' نَشَـاۃُ'

نَشَاءَ ثُ .growing, creating= نشا۔

جابلقاء: (The limits of east)

یعنی سالک کی پہلی منزل۔ وہ عالم مثالی ہے' جہاں ارواح اس دنیا میں آنے سے قبل ہوتی ہیں۔ مرتب جمع البحرین یعنی وجوب اور امکان کو (ذات اور انسان) یعنی واجب الوجوب اور (ممکن الوجود) امکان کو ترتیب دینے والا ہی واجب الوجوب ہے۔

جام:

(Drunkenness in God's love, a mystic's mirror' a cup)

باطنِ عارف۔ حقیقت جامعیہ۔ ہر مستی پیدا کرنے والی چیز۔ مستی۔ حال۔

جان: (mystical meanings sense)

روح انسانی جو معانی کا ادراک کرتی ہے اور علومِ ربانی کو سیکھتی اور سکھاتی ہے۔ ارواح مجروہ بھی جان ہے۔ (مجروہ' غیر مادی چیزیں۔ فرشتے۔ ارواح)

جانِ افزا: (life- increasing)

وہ ذکر جو مذکور و مطلوب تک پہنچا دے۔

جانِ جان:

(most beloved,higkeat of spirit)

صفتِ قیومی جو سب جانوں کی جان ہے اور جس سے جملہ موجودات کو قیام ہے۔

جبروت: (Veral--:heaven, omnipotence)

مرتبۂ وحدت' مرتبۂ صفات' حقیقت محمدی نے یہاں اعیانِ ثابتہ[1] Essences نے جبر وجود اختیار کیا (اعیان ثابتہ: صورِ معانی)

Firgures Symbolic of god's Names, essences divine names.

جبر کے لغوی معنی: ہڈی کو درست کرنا' کسی دوست کی' (خراب) قسمت کو بنا دینا' قوت' طاقت' تقدیر شاہی جبر کسی نقصان کی تلافی کرنا' کسی کمی کو پورا کرنا۔

([1] جوہر۔ ذات)

جبر= Pre- destination, force, making rip a deficiency. (Nolens Volens)=:جبران وقہران

Pur-force willy- ni-uy

جد: (Verbal) be of high status

جدّیجدُ (مضارع) جدا= سنجیدگی، ولولہ۔ وہ حالت جو فراق کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ طلبِ معشوق۔ فراق کے بعد حالتِ طلب۔

جذبہ:

اس سے مراد نسبت میں وہ جوش و خروش ہے جس کی حلاوت کی وجہ سے ریاضات و مجاہدات اور اوامر و نواہی کی بجا آوری نفس کے لیے قابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔

جذب اور تصرف فی القلب کا فرق حسن و جمال کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

جذبہ= a gifted excitement, obeyanceof God's.commandments

مولانا نور احمد امرتسری نے جذبہ کے معنی سیر نفسی بتائے ہیں (نفس انسانی میں ظاہر) اور سلوک کے معنی سیر آفاقی بتائے ہیں۔ دیکھیں مکتوبِ مجدد ششم، جلد اول۔

جذبہ= is a gifted excitement or attachment in one's links and affection which enables him to endorse rigours of mystic religious excercise.ریاض endevours due to its sweet relish and pleasant mood. thus obeyanes of God's commandments and prohibitions, become endurable and easier to him.(جذبہ) Nexus, connection (tie) and bond.

Excitement of nexus The prophet declared that when inspiration descends upon him it was often like ringing of the bell. سلسلۃ الجرس

شائد اسی بنا پر اقبال نے اپنی پہلی کتاب کا نام بانگ درا رکھا ہو۔ سلسلۃ الجرس کا ترجمہ بانگِ درا یا گھنٹی کی آواز ہے۔

حافظ:

در راہ عشق وسوسۂ اھرمن لے
ہشدار گوش رابہ پیامِ سروش ما

میں اس شعر کو اس طرح پڑھنا بھی جائز سمجھتا ہوں:

درراہِ عشق وسوسۂ اھرمن بسے
ہشدار گوش رابہ جرس اُو گہے

مصرعۂ دوئم کو ایک صوفی شائد بہ فساد اُو گہے (پڑھ کر لطف اندوز ہوگا)

اقبال:

خودی دارم ز خود نامحرمے را
کشادم در گل اُو زمزمے را

یہ زمزمے بھی بانگ جرس یا بانگِ درا ہے۔

I keep (an) ego though I know not its sway
I just sing songs on its earthen clay.

جرس:

صوت سرمدی۔ جس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو۔ دائمی۔

بانگِ جرس۔ صلصلۂ جرس۔ (Prophetic Inspiration)

صلصلہ = زنجیر، گھنٹی کی آواز تصوف میں گھنٹے کی آواز جو سالک کو گوش ظاہری بند کرنے کے بعد سنائی دیتی ہے۔ یہ صفتِ قادریت عالم بالا کی ایک چیز ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ جاری و ساری رہتی ہے۔ اور باطنی سماعت کے ذریعہ سننے میں آتی ہے۔ اس صوتِ سرمدی کی جانب مندرجہ ذیل اشعار میں اشارہ ہے:

درراہِ عشق، وسوسۂ اہرمن بسے است
ہشدار گوش رابہ پیام سروش ما
دلیل کارواں بانگِ جرس ہے
گواہِ دردِ دل اک نالہ بس ہے

جلادت:(clarity)

ظہورِ انوار۔ انوارِ مجرداز مادہ کا مشاہدہ۔

جمال و جلال:

جمالِ الٰہی اور جلالِ الٰہی۔ کائنات میں حسنِ مطلق ہی کا ظہور ہے۔ فی الاصل ہر چیز ملیح ہے وجود معہٰ اپنے کمالات کے ایک صورتِ حسنہ اور تمام چیزیں اسی کے حسن و جمال کی صورتیں اور اُسی کے کمالات کا پرتو ہیں۔ برائی کا وجود محض اعتباری ہے۔ کسی وجہ سے ایک شخص برا ہوتا ہے۔ جب وہ چیز اُٹھ جاتی ہے تو برائی کا حکم بھی اُٹھ جاتا ہے۔ اسما وصفات کا جمال و جلال بھی بحیثیت اعتبارات (thinking) ہے۔ ورنہ ہر اسم جمالی بھی ہے اور جلالی بھی ہے۔ جمال اور جلال میں ''ابر او راسرے'' کا تعلق ہے' ہر جمال شدتِ ظہور سے جلال ہو جاتا ہے اور ہر جلال خفتِ ظہور سے جمال ہو جاتا ہے۔

جمرعہ:

مقامات و احولِ سلوک کے وہ اسرار جو سالک سے ابھی پوشیدہ ہوں۔

جمعیت:

تعلق خاطر' لگاؤ۔ اس کی ضد تفرقہ ہے یعنی پراگندگی و انتشار۔

جمعیت' دل سے اللہ کا تعلق قائم ہو جانے یا محویت کو کہتے ہیں۔ (Peace of mind and connection with God.)

اضطرابِ قلبی کو بالکلیہ زائل ہونے کو جمعیت کہتے ہیں۔ (عوارف المعارف' ص ۵۲۳)۔ حضور: قلب کی توجہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف کرنے کو حضور کہتے ہیں۔ عین جمع: وہ عین جمع میں ہے یعنی مراقبہ میں۔ اور جب وہ ہوش میں آجائے تو یہ تفرقہ کہلائے گا۔ صحیح جمع تفرقہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس طرح تفرقہ کی درستی جمع پر منحصر ہے۔

جمع اللہ کا علم ہے۔ تفرقہ: اللہ کے حکم کے مطابق اَلعِلمُ بامرِ اللہ ہے۔ جمع بعینہٖ اللہ کے ساتھ فنا ہوجانے کو کہتے ہیں۔ (قول شیخ مزین) یہی قول نسب ہے۔ (انسب)

جمع: کل' مکمل' جمع یا جامع مثلاً جمیع المسلمین تمام مسلمان مراد ہے۔

اَشهدالله اله الا هو (جمع ہے)۔۲) آمنا بالله (جمع کے طور پر)۔

تفریق: والملئکته وَ اُولوالعلم ۲)۔ وما اُنزلَ الَینا (یہ جمع تفرقہ ہے)۔

جمع A unitive state کُل

جمع اور فرق (تفرقہ) از روئے سید علی ہجویریؒ:

اللہ کا ایک حکم یعنی دعوت الی الحق کی طرف جمع کرنا۔ پھر ہدایت و رہنمائی کے لیے کسی ایک گروہ کو خاص کرنا ''فرق'' (تفرقہ) ہے۔ جمع وہ ہے جو اپنے اوصاف سے جمع ہو۔ اور تفرقہ وہ ہے جو اپنے افعال سے جدا ہو۔۲) جمع وہ ہے جس پر اہلِ علم نے اتفاق کیا اور تفرقہ وہ ہے جس پر اہلِ علم نے اختلاف کیا۔ حدیثِ قدسی ہے کہ میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے تقرب حاصل کرتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور تبلیغِ حق و صداقت کرتا ہے۔ پس اس درجہ پر وہ مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے' مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے قوت حرکت و عمل حاصل کرتا ہے۔ اس پر حضرت ابو یزید نے فرمایا سبحانی ماعظم شانی' الحق' ینطق علی لِسانِ عبده ۳)۔ ان الـذیـن یبایعونک انما یبایعونَ الله.

(یعنی جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ گویا اللہ کی بیعت کرتے ہیں)۔

جمع: مشاہدۂ حق بے خلق۔ حق تعالیٰ میں اس درجہ محو ہو جانا کہ کسی اور کی خبر نہ ہو۔ جمع ضد ہے فرق کی (دیکھو باب ف) فرق کہتے ہیں حق سے محجوب ہونے کو بوجہ خلق کے یعنی یہ کہ خلق ہی کو دیکھے اور حق کو من کل الوجوہ غیر جانے۔ ازسرِ نو زندہ کرنا۔ ہوش میں لانا Resuscitation

جمع الجمع:

اس حقیقت کا انکشاف کہ خلق بوجہ حق ہی قائم ہے۔ اس موقعہ پر حق کا جمیع موجودات میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ سالک یہاں حق کو خلق سے اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے۔ اور (صفت) کو خلق میں دیکھتا ہے۔ یعنی خلق کو خلق اور حق کو حق دیکھتا ہے اور ایک دوسرے کا عین پاتا ہے۔ کاظم نغمہ گو ہیں:

کبھی حق کو عالم سے دیکھیں منزّہ
کبھی عالم و حق بہم دیکھتے ہیں ؎

اس مقام کو فرق بعد الجمع اور فرق ثانی اور صحو بعد المحو بھی کہتے ہیں ۔ یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے اور سلوک میں اس سے برتر کوئی اور مقام نہیں۔ (اس کو فرق بعد الجمع نہیں کہتے' یہاں ان سے کوئی مغالطہ ہوا) ہے۔ فرق بعد الجمع جَمع الجَمع سے الگ مقام ہے(؟) (؎ پورا وحدت الوجود ہے)

فرق کے لغوی معنی دوئی کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں یہ روحانی مقام ہے جس میں سالک کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں خدا سے الگ ہوں (دیکھیں مجدد کا فلسفۂ توحید)۔

جمع وہ روحانی مقام ہے جب سالک کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں اور خدا ایک ہو گئے ہیں۔ (نوٹ: جب قلب جاری ہو جاتا ہے تو یہی محسوس ہوتا ہے' قاضی عبدالکبیر)۔

دیکھیں نفسِ ناطقہ اور مقام انانیتِ کبریٰ۔

جوہر معانی یا گوہر معانی' دیکھیں گ۔

جنگ:

امتحانات الٰہی جو انواع و اقسام کی ظاہری اور باطنی بلاؤں کے ذریعے ہوتے رہتے ہیں۔

جور و جفا:

سالک کے دل کو مجوب کرنا اور سیر عروجی سے اسے روکنا۔ یعنی معراج والی سیر سے' دیکھیں س میں سیر)

جوہر: کسی ذات کی اصل۔ وجود اور جوہر کا مبحث کہ وجود پہلے ہے یا جوہر۔ یہی مسئلہ ذات و صفات کا بھی ہے کہ ذات اصل ہے یا جوہر۔ ان میں اولیت کس کو ہے۔

گوہر کا معرب ہے یعنی موتی' قیمتی پتھر۔ ۲ست نچوڑ۔ ۳ روح۔ ۴ وہ چیز جو بذاتِ خود قائم ہو بخلاف عرض کہ اس کا قیام جوہر کی وجہ سے ہے۔ لوح جوہر ہے اور نقش عرض ہے۔

۲۔ جوہر فروش' نبی' ولی' شاعرِ فصیح الکلام شاعر فصیح الکلام۔

جوہر فرد: (Undivisable parts)

اجزائے لایتجزیٰ جو متکلمین کے نزدیک ہرگز قابلِ تقسیم نہیں۔ (۲) معشوق کا منہ (۳) جوہرِ یکتا۔ جو یکتا) یا جوہر اول = حضرت جبرئیلؑ یا قلم (۴) یا حضرت آدم یا (۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ (٦) عقل اول سے مراد ہے۔ یا جوہر یکتا

جوہر ثانی:

عقولِ عشرہ سے دوسری عقل کو کہتے ہیں عقل یا عقول کے لیے دیکھیں ابن سینا اور الفارابی کا فلسفہ نظریۂ عقول کہ یہ کائنات دس عقول میں وجود میں آئی ہے۔

گوہر معانی:

صفات و اسماءِ الٰہی۔

چ

چاہ زنخ: Chin's Pit

مشکلاتِ اسرارِ مشاہدہ۔ (چاہِ غب یا ذقن)۔ چاہِ زنخدان۔ ٹھوڑی کے اندر خم، علامت حسن، چاہ نخشب، چاہِ یوسف۔

چشم:

مست گشتم از دو چشمِ ساقیِ پیمانہ نوش
الفراق اے زہد وتقویٰ، الوداع اے عقل و ہوش

شمعِ حسنِ مجاز کے پروانو! سچ کہنا کہ تم نے چشم محبوب سے بھی زیادہ کوئی جادو بھری چیز دیکھی ہے۔ الفراق

2- Honour&good name, farewell

ادھر ان کی نگہ کا ناز سے آنا پلٹ جانا
ادھر مُڑنا، تڑپنا، غش میں آنا، دم الٹ جانا
نہیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے، بیان مدعا کرنا

کوئی ہے جو اس سرتاپا حسنِ مجسم کی برق افشاں چشم سرگیں کی گہرائیوں میں ان برق افشانیوں کی وسعت کا صحیح اندازہ کر سکے۔ جو کچھ یہاں ہے سب وہاں ہے۔ حق تعالیٰ کا ظہور اسمائے صفات میں ہوا اور اسمائے صفات کے آثار عالم کائنات میں ظاہر ہوئے۔ اس کائنات میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کی اصل وہاں نہ ہو۔ کائنات عالم کبیر ہے اور انسان عالمِ صغیر ہے۔ انسان مظہر اتم ہے حق تعالیٰ کا۔ انسان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر نہ ہو۔ جس طرح آپ اس حسنِ معشوق سے آنکھ بند نہیں کر سکتے جمالِ الٰہی کا متوالا ان صفات کمال کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا۔ (حق تعالیٰ)

تصوف کی شاعری میں لفظ چشم سے کبھی بصارت ازلیہ مراد ہوتی ہے۔ کبھی شہودِ حق، استعداد سالک اور کبھی وہ نظرِ حق تعالیٰ اور اس کے اثرات کو دیکھتا ہے۔

لوازمِ[1] چشم سے بے اعتنائی بھی عالم کو ایک نظر میں ہستی کو نیستی سے بدل دیتی ہے اور تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ باوجود اس کمال استغنا کے چشم مست، چشم شوخ اور چشم بے باک ہی کی مہربانیاں ہیں جو عاشقِ دل سوختہ کو مشاہدۂ جمال سے نوازتی ہیں اور ان میں قبولیتِ فیضان کی استعداد پیدا کر دیتی ہیں۔ چشم محبوب کو ان متضاد خاصیتوں سے (استغنا و بے التفاتی) کہ عالم ایک نظر میں ھست اور دوسری میں نیست ہوتا ہے۔ ایک نظر میں فنا دوسری میں فیضان کا مظہر بن جاتا ہے۔

([1] requisits the eye sees)

غمزۂ چشم: eye's wink انداز خاص کے ساتھ آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے یہ حرکتیں متضاد ہیں ان کے اثرات بھی متضاد ہیں۔ نتیجہ خوف و رجا۔ التفات وعدم التفات کا پورا چکر خون کو جوش دلانے کے لیے ہے۔ غمزہ میں ظہور و خفا دونوں کے کنائے ہیں۔ کبھی ظہورِ محبوب کا سرور، کبھی خفا کا خمار ہوتا ہے۔ ایک ہی غمزہ سے جہاں کو ہستی کی بے ہوشی میں لاکر نیستی کی تاریک گمنامی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ یہی نیم نگہی ہے جو کرشمہ ہے تجلیٔ جلال کا۔ جس سے حشر برپا ہو جاتا ہے۔ اور تفرقہ و کثرت کی جانب سے عالم سمٹ کر وحدت کی طرف آ جاتا ہے۔ اور موجودِ حقیقی کے سوا جو کچھ ہے مٹ جاتا ہے اور سارا کھیل ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔

شہودِ تفصیلی: اللہ تعالیٰ کا مفصل طریقہ سے مخلوقات کا مشاہدہ (دیکھیں کرشمۂ چشم)۔

بیماریِ چشم: بعد وفراق کے غم کو بھی کہتے ہیں اور پندارِ خودی کو بھی۔

خمارِیِ چشم: سالک کی لغزشوں پر پردہ ڈالتی ہے۔
کرشمۂ چشم: التفات ہے، تجلی جمال ہے، پرتوِ انوارِ معرفت ہے۔ یہ وہ مستی ہے جو موجودات میں شہودِ تفصیلی کی محبت کے پرتو سے پیدا ہوتی ہے۔ جو مستی کہ خواب پندار میں ہوتی ہے، کرشمۂ چشم ہے۔ اور جو مستی اس خواب کے بیدار ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور تیزی سے آتی ہے وہ بھی کرشمۂ چشم ہے۔
چشمِ عالم: سے مراد انسان ہے اس چشم کا نور اللہ تعالیٰ ہے۔
چشم کا ایک جزو ہے ابرو۔ ابرو صفات کو کہتے ہیں جب انھیں بطور حاجب پیش کرنا مقصود ہو۔ جس طرح ابرو سے چشم پوشیدہ اور چشم پر ابرو کا پردہ ہے اسی طرح ذات کے لیے صفات حجاب بن جاتی ہیں۔

ابرو سے کبھی قاب قوسین کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ سالک کے جمیع احوال خیر و شر پر حق تعالیٰ کے مطلع ہونے کو دیدہ سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ مژہ سے مندرجہ ذیل امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱)۔ رویت حق تعالیٰ سے سالک کا حجاب میں رہنا۔ اعمال میں تقصیر۔ یہی غمزۂ معشوق ہے جو اس کے سینے کو مجروح کرتا ہے۔ اسی کی لذت میں ھل من مزید کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

دو چشم سے بعض اوقات جلال و جمال دونوں مراد ہوتے ہیں۔

مست گشتم از دو چشم ساقیِ پیمانہ نوش
الفراق اے زہد و تقویٰ، الوداع اے عقل و ہوش

دو چشم سے مراد جمال اور جلال ہیں۔ ساقی سے خدا کی طرف اشارہ ہے۔ پیمانہ نوش سے مراد کل یوم ھو فی شان() کی تجلیات (ساغر) کا فیضان دینے والا ہے۔ الفراق اے ننگ و ناموس کے معنی یہ ہیں کہ انانیت کو اب سلام ہے۔ الوداع اے عقل و ہوش سے یہ مراد ہیں کہ اب محویت طاری ہوگئی۔ متاثر ہونے کے لیے عرفان ضروری ہے۔

چلیپا (Cross):
عالم طبعی۔ لفظِ صلیب (Cross) اسی کا معرب ہے۔

چوگان:
وہ تقدیری امور جو جبر و قہر کے نتیجے میں پیش آتے ہیں اور عشاق انھیں صبر سے برداشت کرتے ہیں۔
چوگان= A game of polo or horse-shinty. Pre-destined decrees of chastisement or oppression which the lovers endure with patience.

چہرہ:
تجلیات قابل اطلاع سالک۔

چہرۂ گلگوں:
وہ تجلیات جو غیر مادی اشیا میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جنھیں سالک خواب یا حالتِ بیداری میں دیکھتا ہے۔

ح

حادث و قدیم:
حادث اور قدیم کا مسئلہ الٰہیات روز اور فلسفہ میں جتنا قدیم ہے اتنا ہی نزاعی میں ہے۔ خدا کو قدیم سبھی مانتے ہیں مگر کائنات کو بھی یونانی اور مادئیین بھی قدیم تصور کرتے ہیں جبکہ قرآن کائنات کو حادث قرار دیتا ہے جو کن فیکون کے عمل سے وجود میں آئی۔

انسان حادث ہے۔ اللہ قدیم ہے۔ قدیم ہی نے اپنے بارے میں حادث کو آگاہ کیا۔ اس نے اس کو آگہی دی۔ قدیم حادث کو جبھی توجہ دیتا ہے۔ جب اسے اس کی

طلب ہو۔ بغیر طلب کے وہ اپنی تجلی کسی کو نہیں دکھاتا۔ طلب کے ساتھ ساتھ دل کا زخمی ہونا بھی ضروری ہے۔ اللہ غمگین دلوں ہی میں اپنا گھر بناتا ہے۔

A human being appears casually and God is eternal. Man is mortal and God is begining & end viz God is eternal.

حال و مقام:

منجانب اللہ جو وارداتِ قلب سالک پر مثل حزن و طرب۔ قبض (Depression) وبسط (Elevation) ہیبت و اُنس (Intimacy) یا مستی و بیخودی یا اقسامِ دیگر جو اچانک وارد ہوں۔ حال ہے۔ سالک کی بے عملی سے یہ حالت بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔

جب حال دائمی ہو جاتا ہے اور سالک کا ملکہَ راسخہ بن جاتا ہے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ حال آتا ہے اور جاتا ہے۔ مقام میں استقلال ہوتا ہے۔ حال اصحاب تلوین کا حصہ ہے اور مقام اصحاب تمکین کا حصہ ہے۔

حال و احوال (Spiritual State):

جذب وسلوک کی درمیانی حالت کا نام ہے۔ صاحبِ حال بیک وقت سالک بھی ہے اور مجذوب بھی۔ وہ حیات و کائنات کی وجہ بھی ہے نتیجہ بھی۔ وہ اپنی مستی و کیف سے کبھی رنگ کو بے رنگ دیکھتا ہے اور کبھی بے رنگی میں بھی نیرنگ (جادو، شعبدہ) اور رنگینی دیکھتا ہے۔

صاحبِ تحیر حال کے اس مقام پر ہوتا ہے جہاں تحیر بھی ہے اور ہوش بھی۔ جہاں بے خبری اور آ گہی متوازی دکھائی دیتی ہے۔ اس کا ماضی، حال، مستقبل ایک ہی ہے۔ وہ جلووں سے رعنائی لے کر عروس خیال کو (آراستہ کرتا ہے) جلا بخشتا ہے۔ اس کا سفر ہی مدعائے سفر ہے۔ فیض دینے کے لیے اور لینے کے لیے، وہ تلاش ذات میں گم ہو کر خود کو پانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ خود آ گہی کے ایسے دشت وَحشت میں جہاں نہ فراق ہے نہ وصال۔ نہ کوئی اپنا ہے، نہ غیر۔ وہ ممکن اور محال سے بالاتر رہ کر ہی اپنے خودی کو ڈھونڈتا ہے۔ اس کی ہم کلامی خاموشی ہے گویا کہ وہ درونِ حال کی دھڑکن سننے کی کوشش کر رہا ہے۔ قطرہ میں سمندر اور ذرے میں صحرا دیکھتا ہے۔ وہ زاغ وطاؤس (کو ا اور امور) کو ایک ہی جلوے کے روپ سمجھتا ہے۔ وہ حقیقت اور خواب کے رشتوں پر غور کرتا ہے۔ خواب میں خواب کو خواب جاننا ہی اس کی ابتدائے عرفان ہے۔ ذات وصفات کے تعلق کے واسطہ سے وہ نہاں سے عیاں کے تعلق کو زندگی کی حقیقی لذت کا احساس کرتا ہے، اس کے نزدیک زندگی کی حفاظت موت ہی کرتی ہے۔ وہ خود سوال ہے اپنا اور خود ہی اس کا جواب ہے۔ خندہ وگریہ بھی اس کا نہ سبب ہے نہ جواز۔ قال میں بھی حال اس کا جلوہ گر۔ خامشی میں بھی تکلم کا اثر ہے۔ ''حال میں اس کے مقام قرب ہے۔ قرب آتش سے ہی آ ہن سرخ ہے۔ نعم سے ہی عین منعم کو دیکھتا ہے۔ اپنی بھوک یا اشتہا ہی بے نعم و منعم کو دیکھتا ہے۔ (منعم: مالدار، خوش حال)

نظر ہے اس کی نعم سے ہی عین منعم پر
نہ جام جم پہ نظر تھی نہ فرحت و غم پر
خندہ و گریہ ہے اس کا بے سبب نہ ناصواب
خود سوال اپنا ہے وہ اور خود ہی اپنا ہے جواب

مُنعِم۔ نعمت دینے والا۔ benificent نعمت لینے والا benifted مُنعَم حبُ= مقام محمدی۔ تعشقِ ذاتی اتحادی۔ روح وجسم میں بھی آپس میں تعشقِ ذاتی اتحادی ہے۔

Making, demonstration of love, (showing state of total absorption).

حباب: بلبلہ Loring, friendship

صُورِ ممکنات۔ جو بحرِ توحید میں بمثلِ حُباب ہیں۔

حُب صرفہ: Advantagious love

اس مقام کی بلندی و بے رنگی بسبب قُربِ ذاتِ (الٰہی) مطلق ولاتعین بیان نہیں ہوسکتی۔ اول چیز جو گنجینۂ مخفی سے ظہور پذیر ہوئی وہ یہی حُب ہے اور یہی حُب منشا و مبداً خلق ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی:

کنتُ کنزاً مخفیاً فَاحبتُ اَن اُعرِفَ فخلَقتُ الخلق.

یہ مقام خاص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ باقی حقائق اس کے ظل ہیں۔ دیگر حقائق انبیاء کا اس جگہ کوئی نشان نہیں ملتا۔ (۲) حدیث قدسی ہے۔ لـــولاکَ کـما خلقتُ الافلاک. لما . نہ۔ ہرگز نہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مرتبۂ لاتعین (Undetermined) ہی ہے۔ (حالاتِ مشائخ نقشبندیہ، ص۔۵۴۱)

حبیب:(favorite)

وہ عاشق جس میں محبوبیت کا غلبہ ہو۔ اور افعالِ حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں۔ یہ مقام اصالتاً یا مخصوص طور پر نبی کریمؐ کا ہے۔ اور آنحضرتؐ کی متابعت اور محبت کی برکت سے ظلی طور پر اوروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

حج:

من از بوسِ حجر در کعبہ دل را شاد می کردم
مِسّی مالیدہ دندانِ کے را یاد می کردم
دریں دارالاماں، مشتاقِ تیغ قاتلے بودم
زبیتابی طوافِ خانۂ صیادی کردم

ایک عاشق کا سینۂ گنجینۂ محبت ہے۔ جب اس سے کوئی صدا نکلے گی، ہمیشہ عشق ہی کی رنگینیوں میں رنگین ہو کر نکلے گی۔ وہ صدا حج سے متعلق ہو یا زکوٰۃ سے یا روزے سے یا نماز سے یا کسی ذکر وفکر سے۔ یہ دنیا بھی بزم عُشاق ہے لیکن ان کی نظر دنیاوی اور سیاسی فوائد پر ہی ہے۔ پنجگانہ نماز سے بھی ان کے سیاسی فوائد ہی پیش نظر ہیں۔ سب سے اونچی منزل کے وہ لوگ ہیں جن کی نظریں کونین سے اوپر پہنچ گئی ہیں۔ جن کا مقصود اس قدر ارفع ہے کہ ہر چیز ان کے آگے پست ہے۔ قولِ باری تعالیٰ:

قُل انّ صلاتی و نُسکی وَمحیایَ و مماتی للّٰہِ ربّ العٰلمین.

حج:

اہل عرفان کے نزدیک حج بیت اللہ بھی سلوک الی اللہ ہے۔ ترکِ وطن، ترک تعلقات، ترک مشاغل دنیوی کے بغیر یہ سفر انجام نہیں پاسکتا۔ سالک کو اپنے وطنِ عارضی یعنی مُقتضیاتِ طبیعت سے نکلنا پڑتا ہے۔ عاداتِ سابقہ اور خصائص ذمیمہ کو ترک کرنا پڑتا ہے اور اللہ کی جانب سفر معنوی اختیار کرنا پڑتا ہے۔

احرام:

سالک تکلفات لباس سے آزاد ہو کر صرف ستر پوشی اختیار کرتا ہے۔ احرام باندھتے وقت مخلوقات اس کی نظروں سے گویا گر گئی۔ اور ماسویٰ کی اس نے نفی کر دی۔ بے سلے کپڑے پہننے میں یہ اشارہ ہے کہ تصنع سے آزاد ہو سادگی اختیار کرے۔ سر نہ منڈانا بشریت کی ریاست سے فارغ البال ہونا ہے۔ ناخن نہ ترشوانا میں یہ رمز ہے کہ بندہ سے جتنے افعال سرزد ہوتے ہیں اس میں اپنا تصرف نہ سمجھے خوشبو نہ لگانا کہ انسان اسما وصفات سے مجرد ہو کر ذات کی حقیقت سے متحقق ہو۔

نکاح نہ کرنا: کہ موجودات میں تصرف سے پاک ہو جائے۔

سرمہ نہ لگانا: انسان احدیت کا عادی ہو کر طلب کشف سے باز رہے۔ (یہ اور دیر والی محتاجِ تشریحِ علماء ہے)

میقات: سے قلب مراد ہے، ذوالحلیفہ: حج کا احرام

باندھنے کی جگہ، مکہ سے مرتبۂ الٰہی، کعبہ سے ذاتِ الٰہی۔ حجر اسود سے لطیفۂ انسانیہ اور اس کی سیاہی سے مقتضیاتِ طبیعت کی رنگتوں کی جانب اشارہ ہے۔ ایک حدیث نبوی میں اس جانب اشارہ ہے کہ سنگِ اسود پہلے سفید تھا لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ دیکھیں آیت ذیل:

لقد خلقنا الانسان فی احسنِ تقویم. ثم رددنٰه اسفل سافلین. (التین: ۵) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

طواف: طوافِ کعبہ سے یہ مراد ہے کہ ھُویت[1] مطلقہ کے ادراک کی کوشش کی جائے۔ اور اس کے ٹھکانے منشا اور مقصد کے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ سات مرتبہ طواف سے ان سات اوصاف[2] کا ادراک مراد ہے جس کے بغیر ذاتِ الٰہی تک رسائی ممکن نہیں۔

طواف کے بعد صلوٰۃ مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ قبول ہوگئی ؟[3]

مقامِ خُلت:[4] سے یہ اشارہ ہے کہ اس کے جسم میں اسمائے صفات پیدا ہو جائیں اور وہ کسی کو چھولے تو وہ ٹھیک ہو جائے۔

۱۔ Divine essence & substance (ربانی) وجدان یا موہر ہستی قائم بالذات کا عطیۂ نز (یا جوہر یا اصل) ۲۔ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام ۳۔ مستحب ہوگئی زیادہ روزی ہے۔ ۴۔ دوستی

زمزم: سے علوم حقائق کی جانب اشارہ ہے۔ اس کا بار بار پینا حقائق کے حاصل کرنے میں ھل من مزید کی طرف اشارہ ہے۔

صفا:

سے صفاتِ خلقیہ کے پاک و صاف ہونے کا اشارہ ہے۔

مروہ:

اسما و صفات کے اُبلتے ہوئے چشموں سے سیراب ہونے کی دعوت ہے۔ بعد احرام کے سر منڈانا کہ ریاستِ الٰہی متحقق ہوگئی۔ یہاں ریاست سے مراد غلبہ ہے۔

بالوں میں کمی کرنا:

جس نے ان امور میں کمی کی جو اصل قربت کا مرتبہ ہے وہ اس مرتبہ سے اتر کر مرتبۂ اعیان میں رہ گیا۔

مرتبۂ اعیان:

اعیانِ ثابتہ۔ حقائق جو تمام موجودات میں موجود ہیں۔ (Essences)

اِحرام سے باہر آنا:

خلق کے لیے اپنے پاس گنجائش کرنا، تاکہ خلق بھی اس سے متمتع ہو۔ اور اس کے ذریعہ قرب حاصل کرے۔

عرفات:

خدا کی معرفت کا مقام ہے۔ یہاں آدمؑ اور اماں حوا نے ایک دوسرے کو پہچانا تھا۔ جمال و جلال کے دونوں راستوں کی نشاندہی کی۔

مزدلفہ:

مقام کے برتر اور شائع (Spread out) ہونا مراد ہے۔

مشعر الحرام:

کہ حرماتِ الٰہی کی تعظیم امورِ شرعیہ پر قیام کے ذریعے کی جائے۔

مِنیٰ:

سے اہل قربت کی منزل مراد ہے۔ ادنیٰ کو اعلیٰ کی خاطر قربان کیے بغیر قربت حاصل نہیں ہوسکتی۔

حجازِ ثلاثہ:

مکہ، مدینہ اور اس کے متصلہ علاقہ۔

جمارِ ثلاثہ:

سے مراد نفس، طبیعت اور عادت ہے۔ رَمی جمار میں ہر شیطان کے سات سات کنکر مارے جاتے ہیں۔ رَمی جمار سے یہ مراد ہوئی کہ صفاتِ الٰہی کی ان ساتوں قوتوں کے ساتھ ان تینوں موانعات (شیطنیت نفس، طبیعت اور عادت) کوفنا کر دیا جائے۔

طوافِ اضافت:

فیضانِ الٰہی کی ہمیشگی مراد ہے۔

طواف وداع:

اشارہ ہے ہدایت خدا بطور حال کے ونیز یہ کہ اللہ کے بھید مستحقین تک پہنچائے جائیں۔ دیگر دعائیں جو وہاں مانگی جاتی ہیں اس میں بھی اسرارِ مختلفہ ہیں۔

صحیح حج:

وہی ہے جو ان مقامات کو سمجھ کر کیا گیا ہو۔ فارسی کے کئی صوفی شاعروں کے کلام میں ایسے اشعار موجود ہیں۔

حجاب یا حجابات (پردہ، پردے):

جو خدا اور سالک کے درمیان حائل ہوں۔ کشف المحجوب میں گیارہ ابواب حجابات پر مرقوم ہیں۔ بندہ اور خدا کے درمیان حجاب ڈالنے والی ہر چیز۔ سب سے برا حجاب، حجابِ نفس ہے یا حجاب خودی (انا) ہے۔حافظ شیرازی کے بقول:

حجابِ چہرۂ جاں می شود غبارِ تنت
تو خود حجاب خودی، حافظ از میاں برخیز

سالک کو سب سے پہلے حجابِ ظلماتی کو رفع کرنا ہے۔ یہ حجابات گناہ اور لذاتِ طبیعی ہیں۔ حجابات ناسوتی بھی یہی ہیں۔ پھر اسے حجابات نورانی کو رفع کرنا ہے۔ (غبارِتن: دل کی کدورت۔ رنج)

حجاب چہرۂ جاں سے حجاب نفس مراد ہے۔غُبارِتن تو اپنے لیے مصیبت بن چکا ہے۔ اپنی خودی کے خول سے باہر آتے ہوئے حجاب کو اتار دے تاکہ (لوگ) یا تو خود اپنے باطن (اندرون کو) دیکھ لے۔ یہی حجاباتِ نورانی ہیں جو بندوں نے اپنے اوپر تان رکھے ہیں۔ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھ کر یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ میں بڑا بزرگ ہوں حالانکہ اس نے دل کی کدورتوں کو صاف نہیں کیا۔

لذاتِ طبیعی ہیں:

انھیں حجاباتِ ناسوتی بھی کہتے ہیں۔ پھر حجاباتِ نورانی ہیں، جو علوم رسمی، عبادات عادتی اور انوارِ ملکوتی ہیں۔ لہٰذا انھیں حجاباتِ ملکوتی بھی کہتے ہیں۔ اور ان کا اٹھانا حجابات ظلماتی سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ حجاباتِ نورانی لذت میں حجاباتِ ظلماتی سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد حجاباتِ کیفی کا پردہ چاک کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہے۔ حجابات کیفی سے تجاوز کیے بغیر ذات بے کیف تک رسائی مشکل ہی نہیں محال ہے۔

نوٹ: حجاباتِ نورانی غالباً عادتی ہیں۔ ہر وقت عبادت کرتے رہنا۔ انوارِ ملکوتی (یا حجابات ملکوتی)۔

حجلہ:

صفات سے متصف ہو کر رہنا۔ (دلہن کا حجلۂ عروسی
(Bridal Chamber

حدّ:

فَصل درمیانِ بندہٗ و مولیٰ مثلاً تَعَبُّد (ایک پرہیز گار بندہ بنتا یا بندہ بنانا) اور زمان و مکان میں تقید (قید کرنا، قید ہونا)۔

Binding oneself (in a spiritual state)

حدوث و قِدَم:

محدِث وہ ہے جو مسبوق بغیر ہو۔ مسبوق کے لغوی

معنی یہ ہیں جو کسی دوڑ میں سبقت لے گیا ہو۔ پہلے سے واقف و آگاہ، سبقاً اور ذاتیاً۔ (مسبوق= شاگرد، متعلم۔ [(ناپاک، بے وضو)] (نئی بات نکالنے والا ہی محدث ہے)۔
(ا جس سے ملائکہ باتیں کریں۔ حدیث کا علم جانتے)

محدث: (اصطلاحاً) وہ ہے جو کسی کے بغیر (آگے بڑھ گیا ہو) سبقت لے گیا ہو (مسبوق بغیر ہو)۔ سبقاً (بڑھنے میں) ذاتیاً (خود) اور مستند ہو۔ نماز با جماعت کی ادائیگی میں اس سے کوئی نہ بڑھ سکا ہو۔

مایاتیهم من ذکر من ربهم محدث الاّ استمعوہ وهم یلعبون.

(سورۃ انبیاء: ۲) ترجمہ:

(جب بھی کوئی نئی حدیث (آیت) آتی ہے تو وہ اسے ہنسی کھیل میں ہی سنتے ہیں)۔

مایاتیهم من ذکر من الرحمن محدثٍ الا کانو ا عنها مُعرضین. (سورۃ الشعرا: ۵)

حرف:

وہ حرف یا عبارت جس میں حق تعالیٰ بندے سے خطاب فرماتا ہے۔

حروف: (حرف کی جمع)

حقائق بسیط (تفصیلی حقیقتیں) از اعیان۔ وہ صورتیں (مظاہر) جو خارج میں ظاہر ہیں۔

حروفِ عالیات:

شیونِ ذاتیہ جو غیب الغیوب میں مخفی ہوں۔ جس طرح کہ شجر بیج میں مخفی ہے۔ وہ ذاتی مقام جو سالک سے مخفی ہوں۔

حرق:

واسطِ (مرکز) وہ تجلیاتِ جو قوتِ کشش و تسخیر رکھتی ہیں، مقام فنا میں لے جانے کے لیے۔ ان تجلیات کی ابتدا برق ہے اور انتہا طمس (tamas) ہے یعنی فنا۔ وہ تجلیات جو سالک کو نفیِ خودی اور نفی ماسوااللہ پر مجبوری کرتی ہیں کیونکہ یہی مقام فنا ہے۔

حرم: (HAREM)

مقام احدیتِ ذات۔

حریم:

سینہ۔ مرکز دل ہے۔ مکہ کی متبرک چاردیواری بھی حریم ہے۔ چاردیواری، خانۂ کعبہ کے باہر کی دیوار، اِحرام کا لباس، حق منصب۔

ذکراُو: اس کا دل سے سبحان اللہ، والحمدللہ واللہ اکبر کہنا۔ تلاوتِ قرآن، تعریف، شہرت وحمد۔

حسن و جمال:

وہ خوبی جو دلوں کو اپنی طرف کھینچے۔ وہ کشش جو کسی اثر پذیر دل کو اپنی جانب جذب کرے۔ حسن: جزوی خوبی ہے۔ حسین: ایک یا چند اعتبارات سے دلکش اور بقیہ اعتبارات سے شان دلبری سے خالی۔ اس کے برعکس جمیل۔ جملہ اعتبارات سے دلکش و جاذب ہوتا ہے اور اس میں ایک بھی بات ایسی نہیں ہوتی جو حسن سے خالی ہو۔ اللّٰہ جمیلٌ و یحبُ الجمال کے یہی معنی ہیں:

ایں جملہ جہاں حُسنت، آخر چہ جمال است ایں
پیدائی و پنہائی، آخر چہ کمال است ایں
در ہرچہ نظر کردم، غیر از تو نمی بینم
غیر ازتو کسے باشد، حقاچہ مجال است ایں

(نوٹ: حسن، حُسن (ن) دونوں جائز ہیں۔ لہٰذا حُسنت س پر فتحہ یا ضمہ (زیر یا پیش) دونوں کی اجازت ہے)۔

اصطلاح شرعی میں حق و باطل کا استعمال: مظاہرِ حق کی قسمیں: حق و باطل، نورِ حق کے پرتو کو اس لباسِ حق میں

دیکھنا شرعاً جائز ہے۔ غلط نظر ڈالنا' نگاہِ شہوت سے دیکھنا شرعاً ممنوع ہے۔

جذب اور تصرف القلب: حقیقتاً افعالِ حق ہیں جن میں کسی کا تصرف نہیں اور اس کے مقابلہ میں جو کچھ ہے وہ غیرحق یا عدم محض ہے۔

حسن خویش از روئے خوبان آشکارا کردۂ
پس بچشمِ عاشقاں خودرا تماشا کردۂ

حسنِ صُوری کے ساتھ مشاہدۂ حق عشق مجازی ہے اور عشق مجازی کے ساتھ مشاہدۂ حق حسنِ صُوری ہے۔

کسوتِ حق۔ ہستی حق' ہستی حق کا مشاہدہ۔ کسوت کے لفظی معنی لباس ہے۔ (کسوت۔ شکل۔ طور طریقہ۔ یہاں منطبق نہیں)۔ حسنِ صُوری: ظاہری حسن۔

حقائق الممکنات: دیکھیں صفحہ ۸۲' کاپی ہذا۔

تعین = Specifying, fixing, determining.

: An enclosure for Angels حظیرۃ القدس

الضرورات تبیح المحظورات۔ روکی ہوئی Prohibited ناجائز یا ممنوعات۔ الحظیرہ القدس۱ تبیح المحظورات Hunisn wants reveal forbidin things

۱ بہشت Paradise- لفظی' فرشتوں کے رہنے کی جگہ۔

قدس۔ فرشتوں کے رہنے کی جگہ۔

حضور یا حضورِ قلبی: دیکھیں جمعیت اور حضور کا فرق' صفحہ ۲۴-A

حشر نشر:

حشر سے مراد تعیناتِ عالم کا وحدت کی جانب رجوع ہونا اور یہ ہر لحظہ ہوتا رہتا ہے۔

حشر: raising; resurrect, concourse.

حشر و نشر: assembling & sprading, resurrection [نشر diffuse, sprewdwide by publish]

نشر: وہ بسیط ہے (elevation) ہے جو فیضِ رحمانی کی بدولت حقیقت واحدہ کو صُورِ کثرات میں ظاہر کرتا رہتا ہے اور یہ عمل بھی ہر آن ہر لحظہ ہوتا رہتا ہے۔

موجوداتِ ممکنہ کے دو اجزا۲ ہیں۔ ایک وجودِ مطلق اور ایک تعین وجودِ مطلق ہے۔ وجودِ مطلق میں تغیر و تبدل نہیں ہے مگر تعین ایک امر عرضی ہے اور ہر لحظہ فنا ہوتا رہتا ہے۔

العرض

happenings ۱ الفرض یعنی زمانین۔ گو تیزیِ تسلسل کی وجہ سے اس کا ادراک نہ ہو۔ یہی تجرد امثال او رکمون و بروز ہے۔ body

Person. وجود۔ ہستی ۲

تجرد: Living(being new) in SOLITUDE, کنوار پن CELIBACY

کمون و بروز: Lying hid & getting himself manifest & clear, Emanation of Deity.

۱۔ اُلوہیت۔ ربوبیت ۲۔ (صفاتِ حسنہ کا) ظہور

حضور:

قلب کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہونا 'حضور' ہے۔

حضور Presence حضور نور غیبت ہے کشف المحجوب کی رو سے۔

ولالتِ یقینی کے ساتھ دل کا حاضر ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا غیبی حکم یعنی غیبت مثل حکم عینی (عین وصال حق) ہے۔ اپنے آپ سے غیب ہونا حضورِ حق کی دلیل ہے۔ دل کا مالک اللہ ہے جب دل کا مالک سوائے خدا کے کوئی نہ ہو تو چاہیے کہ اسے غائب رکھے یا حاضر۔ (دلالت۔ علامت۔ سراخ۔ ہدایت وغیرہ)

غَیبت: دل کا ماسوئی اللہ سے غائب ہونا یہاں تک کہ اپنے آپ سے غائب ہو۔ اور اپنی غیبت سے بھی غائب

ہو۔ (ک۔م۔ص ۲۳۳)

سکر اور صحو اوصاف کے بقا کا نشان ہیں۔ (سکر۔ نشہ۔ بے ہوشی۔ خمار، صحو۔ ہوشیاری۔ بیداری)

غیبت اور حضور اوصاف کے فنا کی علامت بتلاتے ہیں۔

حضور: فُرادیٰ کما خلقنکم اوّلَ مَرۃٍ (جب ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تو تم ہمارے پاس فرداً فرداً آئے۔) یہی حضور ہے۔ (سورۂ انعام ٦:٩٥) (ولقد جیئتمونا فرادی. تنہا۔ اکیلے)

غیبت اپنی طرف سے خدا کی حضوری کا راستہ ہے۔
لیکن غیبت میں وحشتِ حجاب ہو گی اور حضور میں کشف کی راحت ہو گی۔

یہی حضور ہے حاضر ہونا ساتھ حق کے اور غائب ہونا اپنے آپ سے۔

(1) To Christians It is His Presence which saves a man,

حقیقتِ =Ultimate reality خدا[TRUTHS = حقائق
علوم الحقائق۔ دینیات'[حقہ

(Islamic Mysticism, Nich, P. 125) The wise (adj) Quran is the descent تنزل of the Divine Individualisation (Haqaiq) by means of the gradual ascent of man towards perfect knowledgej of them) in the Essence ہستی (ذات) according to the requirement of Divine Wisdom... He that is moulded after the Divine Nature ascends in it and gains it step by step, such knowledge thereof as revealed to him in a Divinely determined order in saying لبیک He is the unconscious centre of manifestation مظاہر، مظہر

(2) To Muslim it is His Truth which saves a man. As such both of them are in a conflicting position. (viz Christians too).

حکیم:

وہ حکما جو صوفیا کی نگاہ میں مذموم ہیں۔ وہ لوگ جو اشیاءِ موجدہ کو بطریق استدلال بشری جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو اپنے محدود علم کے باوجود اپنے دلائل پر ہی عمل پیرا ہیں۔ اس کے برعکس اربابِ تحقیق از روئے کشف ہی حقائق تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ (تجسیم Incarnation انسانی بدن اختیار کرنا جسے ہم تجسیم کہتے ہیں۔ یہی تجسم ہے)۔

حق:

اللہ تعالیٰ کی صفت بلحاظ اس کے کہ وہ حاضر ہے۔
وجودِ مطلق جو ہر قید سے غیر مقید ہے۔

حقائق کا علم (Truths):

وہ علم ہے جس سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ اس علم کو دوسرے علوم سے عام و خاص کی نسبت ہے۔ اسی کا نام حکمت ہے۔

ومن یُوتِ الحکمتہ فقد اُوتی خیراً کثیرا. (البقرۃ: ۳۷)

علم حقائق صوفیا کی نظر میں معلول[1] سے شروع ہو کر علت کی طرف جاتے ہیں ہادیانِ برحق کی وساطت سے۔ یہی حقیقت کا ثمر ملتا ہے۔ [1] دیکھو صفحہ ۸۷

حقائق عینیہ: (Esential Truths)

وہ علوم ہیں جو ذات میں موجود ہیں بلکہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر، جو متعینات اور موجوداتِ عالم وجودِ حقیقی سے غیر نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کا شہود ہر طور ذاتِ واحد کی

نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ علمِ حقائق سے یہ بھی مراد ہوئی کہ شہودِ اشیاء (Presence) کثیرہ سے حقیقت واحدہ کو جاننا ہی علم حقائق ہے اور عین (Essence) سے مراد عین ثابت (the mirror of the world in God's knowledge) ہے لہٰذا عین ثابت عالم کے اس آئینہ کو کہتے ہیں جو علم حق تعالیٰ میں قبل از تخلیقِ عالم موجود تھا اور اب بھی موجود ہے۔ اسے ہی مقام واحدیت کہتے ہیں۔ لہٰذا حقائق عینیہ یا شہودِ نسبت یا اعیانِ ثابتہ جو ذاتِ واحد میں متحقق ہیں ایک ہی چیز ہے۔ موجوداتِ عالم ہی اعیان ہیں۔

حقیقت:

ظہور ذات' حق بلا حجابِ تعینات۔ اول تو حقیقت کا استعمال بلحاظ مجاز ہوتا ہے۔ یہاں حقیقت سے مراد باطن اور مجاز سے ظاہر مراد ہے۔ مثلاً عالم شہادت (ظاہری دنیا) مجاز ہے اور عالم مثال (خیالات کا عالم۔ وجد۔ خواب) حقیقت ہے۔ پھر عالم ارواح مجاز ہے جس کے مقابلہ میں عالم اعیان (موجوداتِ عالم) حقیقت ہے اور اگر عالم اعیان مجاز ہے تو علم حقیقت ہے اور اگر علم مجاز ہے تو ذات حقیقت ہے اور چونکہ ذات مبدع ہے ہر چیز کا لہٰذا وہ ذات ہی 'حقیقته کل شئی هوالحق'۔ بندہ کے اوصاف جب حق تعالیٰ کے اوصاف میں گم ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ کی ذات اللہ کی ذات میں گم ہوتی ہے تو بندہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے۔

دوسرا استعمال حقیقت الحقائق کا یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود اعتباری (غیر حقیقی) ہے (یہی وحدت الوجود ہے) اور حق تعالیٰ سے وجود پائے ہوئے ہے (یہ همه از اوست) لہٰذا حق تعالیٰ ہی حقیقت الحقائق ہے۔

تیسرا استعمال حقیقت کا اس وقت ہوتا ہے جب کسی چیز کو واقعی اور فی نفس الامر بیان کرنا منظور ہو اس وقت اس لفظ سے صُورِ علمیہ اور اعیانِ ثابتہ مراد ہوتی ہے۔ جنھیں حقائق الممکنات بھی کہتے ہیں۔ وہ باتیں جن کا ہونا ممکن ہے۔

Truths about possibilities.

صور علمیہ یا اعیانِ ثابتہ وہ صورتیں (Figures) ہیں جو اسماءِ الٰہی کی نمائندہ (Symbolic) ہیں۔ نمائندہ سے مراد وہ علامات ہیں اسماءِ الٰہی کی جو ہمارے علم میں لائی جاتی ہیں (آتی ہیں)۔

وَمن یُوت الحکمة فقد اُوتیَ خیراً کثیراً ۔ (۲۶۹:۲)

معلوم: وہ شے جس کا کوئی باعث ہو۔ نتیجہ و ثمر۔ (Inference, effect) وہ چیز جسے علت یا اسباب سے ثابت کریں۔

حلول و اتحاد[۱](Incarnation)

یا تجسیم توحید میں حرام ہے۔ وجود دراصل ایک ہی ہے۔ حلول و اتحاد میں دو وجودوں کا ہونا لازمی ہے۔ لہٰذا مئوحد پر حلولی یا اتحادی کی تہمت لگانا سراسر ظلم ہے (مسیحیوں کے عقیدے میں حضرت عیسیٰؑ نے انسانی بدن اختیار کر لیا تھا)۔ ایک دوسرے میں حل ہو جانے کو یہ حلول و اتحاد کہتے ہیں (حلول کا صحیح مترادف شائد ہی کوئی ہو۔)

[۱] انسانی شکل دینا (یہی تجسیم ہے)

حمد:

حق تعالیٰ کی عظمت و جلال و کبریائی کا بیان۔ ثنا وصفت۔ اس کے انعامات کا دل و زبان سے اظہار۔

حیا:

کسی کی تعظیم کا وہ خیال جو انبساط سے روک دے۔ جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ خدائی نعمتوں کو دیکھنا پھر اپنی تقصیر پر نظر کرنا یہی عین حیا ہے۔
قولِ رسولؐ ہے کہ جو شخص خدا سے اتنی حیا کرے

جتنا کہ حیا کرنے کا حق ہے' اسے لازم ہے کہ وہ اپنے سر اور پیٹ کی حفاظت کرے یعنی جو کچھ ان میں بھرا ہوا ہے اس سے موت کا یاد کرنا واجب ہے۔ جسے آخرت حاصل کرنی ہے وہ دنیاوی آسائش چھوڑ دے۔ جس نے ایسا کیا اس نے خدائے بزرگ سے ویسی ہی حیا کی جو اس کا حق ہے۔

۱)۔ ارتکابِ گناہ کی حیا: آدمؑ کی پہلی غلطی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم کیا تم ہم سے بھاگتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں پروردگار میں تو شرما کر روپوش ہو رہا ہوں۔

(۲) حیائے تقصیر: **ماعرفناک حق معرفتک ما عبدناک حق عبادتک۔**

(۳) حیائے اجلال: اسرافیلؑ کا حیا سے منہ چھپانا۔

(۴) حیائے حشمت: جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو مذی کا مسئلہ حضور سے خود پوچھنے میں شرم آئی اور یہ مسئلہ مقداد بن اسودؓ کی معرفت ان سے پوچھا۔ (حشمت: عظمت وجلال۔ اس میں نوکر چاکر بھی شامل ہیں)۔

(۵) حیائے استتار: جیسے موسیٰؑ نے اللہ سے کہا تھا کہ پروردگار مجھے کچھ دنیا کی ضرورت پیش آئی ہے لیکن آپ سے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (دنیا جیسی حقیر چیز مانگتے ہوئے)۔

(۶) حیائے انعام: اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندہ کو پل صراط عبور کر جانے کے بعد ایک سربمہر لفافہ عطا فرمائے گا' جس پر لکھا ہو گا کہ تو نے جو کچھ کیا وہ کیا اور مجھے حیا آتی ہے کہ اب اسے تجھ پر ظاہر کروں۔ بس اب جا' تجھے بخش دیا۔

حیات:

آگاہی۔ شعور۔ ظہور بروز۔ کسی شے کا شے ہونا۔ اس کی حیات ہے اللہ کی دی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی حیات بالذات ہے اور اس کی حیات حیاتِ تامہ ہے۔ برعکس تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے طفیل ہی زندہ ہیں اور حیات اضافی (عارضی) رکھتی ہے۔ خلق میں اللہ کی حیات بہ اختلاف مدارج واحدہ تامہ ہے۔ انسان کامل وہ ہے جس میں حیات بصورتِ تامہ ہو۔ موجودات کی حیات باعتبار اپنی حیات کے محدث ہے اور باعتبار خدا کی ذات کے قدیم ہے۔ (بہ تامہ: پوری۔ مکمل (انفرادی طور پر) بااختلاف مدارج (درجے۔ رتبے۔ مناصب) تشریح طلب ہے۔ غالباً (کسی کو بڑا درجہ دیا کسی کو چھوٹا) بقول ان بزرگان کے۔ جمع مناصب Dignities, offices (م ن اص ب) مناصِب

حیرت:

انکشافِ حقیقت پر ہکا بکا ہو جانا۔ حیرتِ مذموم اور حیرت محمود۔

(۱) ایک گنوار کی حیرت

(۲) ایک انجینئر کی حیرت کسی عمارت کو دیکھ کر۔

افلاطون کا قول ہے کہ علم کی ابتدا بھی حیرت ہے اور انتہا بھی حیرت۔ ابتدا حیرت اس لیے ہے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا یعنی یہ کائنات کے بارے میں لاعلمی کی حیرت ہے اور علم کی انتہا بھی حیرت کا مطلب ہے کہ جب ہمیں حقائق سے آگاہی ہوتی ہے تو ہم ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ کس حکمت اور شان سے کائنات بنائی گئی ہے۔

خ

خار راہ:

خودی یا دوسرے حجاباتِ راہِ سلوک۔

خال:

(۱)۔ نقطۂ وحدت من حیث الحقائق جو مبدا و منتہائے کثرت ہے۔ وحدت حقیقت جو بسیط ہے۔ انسان جو مرکزِ دائرہ وجود ہے۔ (موجودات کا مرکز ہے) نقطۂ وحدتِ حقیقی جو پھیل کر تجلی میں ظاہر ہوا۔ اُس نے دائرۂ موجدات کو گھیر لیا۔

(۲)۔ وہ حقیقت جس نے قلبِ انسانی میں ظہور کیا۔ وہ نقطۂ خونِ سیاہ جو انسان کے دل میں ہے۔ جو عکس ہے اللہ کی ہویت کا اور منبع ہے کمالاتِ انسانی کا (اور حیات کا)۔ کبھی ظلمتِ معصیت کا خال بھی مراد ہوتا ہے لیکن وہ معصیت اتنی کم ہو جیسے رخِ زیبا پر خال۔ (Viz free from Suspicion)

خالی:

خالیُ السیر۔ اکیلے سفر کرنا۔ غالبًا راہ سلوک کی منزلوں کو اکیلے ہی طے کرنا بغیر پیر کی رہنمائی کے۔

صورِ اسرافیل: قیامت کے دن یہی صور پھونکیں گے۔

خالی السیر: بے اثر۔ نکتہ سنجی یا فہم سے خالی۔

اکیلے سفر کرنا۔ (بے اثر) سالک کا مقامات کو اکیلے طے کرنا۔

خانقاہ:

شیخ کی قیام گاہ۔ عالمِ تنزیہ۔ عیب سے پاک کرنے کی جگہ۔ قلبِ عارف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

خبر:

حقیقتِ حال سے آگاہی، خبراً، خبر (کی)، خبر، علم، تجربہ، آزمائش، صدق مخبرُ خبراً۔ آزمائش نے خبر کی تصدیق کر دی۔

خانۂ صفات

عالم اسماء و صفات کو ہی عالمِ جبروت وملکوت کہتے ہیں:

خبرت: (ک)

کسی شے کا علم۔ (خبرت، تجربہ، آزمائش) اہلِ خبرت: آگاہ، حق شناس۔

عالمِ اسماء صفات، اسی کو عالم جبروت اور عالم ملکوت کہتے ہیں۔

مرتبۂ اطلاق ولاتعین : Position or state of being Universal & Undetermined

عالمگیریت۔ کلی۔ جو سب پر حاوی ہو۔ کوئی چیز جس کا تعلق تمام افراد عالم سے ہو۔

اَشکال: شکلیں۔ صورتیں

اِشکال: جو صورتِ خیالی اور صورتِ مثالی سے منزہ ہوں۔ (ب) شک پیدا کرنے والا۔ (لفظی) منزہ، پاک، مبرا۔

ختام (Seal. Sealing Wax):

مقام قربت کی انتہا کا نام ہے۔ حقیقتِ ذوالجلال والاکرام کا ثبوت۔

خد:

لفظی: گال یہاں مراد نہیں ہیں، کشفِ انوار ایمان۔

لااُبالی، بے پروائی، رندانہ مشرب، (لفظی مجھے پرواہ نہیں)۔

از جہانِ بے مثال۔ یہاں از کے معنی متعلق کے ہیں (belongs to)۔ پورا مصرعہ خرابات از جہانِ بے مثالیت۔

خرابات:

مظہرِ فیضِ رحمانی۔ وحدتِ عام، خواہ توحید (وحدت) افعالی ہو یا صفاتی ہو یا ذاتی ہو، واہی تباہی بکنا، ویرانہ، اجاڑ جگہ، وہ مقام جہاں ژولیدگی کردار و افکار ہو کوئی بات واضح نہ ہو (وحید عشرت)۔

خراباتی:

خودی سے نجات پا کر جو شخص دریائے نیستی میں غرق ہو گیا ہو اور صفات و افعال، حرکات و سکنات کو جس نے اپنی سے نسبت دنیا کو چھوڑ دیا ہو: رند خراجاتی

در خراباتِ ماگزر نکند
ہر کہ از خویشتن سفر نکند

حق استفادہ Exercise It is also used in its literal sense, a hunter of taverns

شراب خانوں کا رسیا۔

خرابی:

تصرفات وتدابیر عقل میں منہمک ہونا۔

خرقہ:

وہ لباس ہے جو شیخ اپنے مرید کو داخل سلسلہ کرتے وقت یا بعد تکمیل عطا کرتا ہے۔ یہ مستحسنات صوفیائے کرام سے ہے۔ اس سے مراد وہ مستحب امور ہیں جو مثال لباس خانقاہ یا اجماع اخوان برائے سماع یا چلہ کشی مشائخ عظام اپنے مریدین کو عطا فرماتے ہیں اگرچہ ان کے لیے سنت سنیہ۔ براہین واضحہ اور استدلال عام فہم مہیانہ ہوں۔ (سنیہ: بلند۔ روشن وغیرہ روایات)۔

رسول کریمؐ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو امیر لشکر بناتے وقت عمامہ عنایت فرمایا تھا۔ کعبؓ کو اپنی ردا عنایت فرمائی تھی۔ اُم خالدؓ کو گلیم سیاہ مرحمت فرمائی گئی تھی۔ حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے کو عمامہ اور بروایت ترمذی گلیم سیاہ۔ حضرت علیؓ کو خیبر جاتے وقت ان کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ امام مالکؒ کے نزدیک نیکی کی جانب لے جانے والی مصلحتیں سنت صریح کی شہادت کے بغیر بھی معتبر ہیں۔

ابن عربی اپنی کتاب الخرقہ میں' مندرجہ ذیل آیتِ مبارکہ پر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سَوْاٰتکم و ریشاً و لباس التقویٰ ذلک خیر۔ (الاعراف:۲۶)

ریش کے معنی اس زائد لباس کے ہیں جو باعث زینت بنتا ہے مومنین کے لیے (نہ کہ دنیا کے لیے۔ ان کا لباس محض دکھاوا۔ تکبر وغرور خود آرائی ہے۔ ابن عربی کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندہ کے قلب کا خرقہ خود پہنا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ ماوُسِعنی ارضی ولا سمائی' وَسَعَنِیُ قَلْبَ عبدی. نہ میری زمین میں میری وسعت نکلی نہ آسمان میں مگر میرے بندہ کے قلب نے مجھے سمولیا۔

اہل دنیا کا لباس ان کے عادات و اطوار اختیار کرنا پسند کرتا ہے۔ اہلِ تقوی کا لباس اہل دنیا سے گریز اور صالحین کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ علاوہ ازیں یہ تغیر لباس (خرقہ) مبتدی کو ہمیشہ متنبہ کرتا رہتا ہے' کہ زندگی میں اب اس کا نقطۂ نظر بدل گیا ہے۔ اب اس کا فرض ہے کہ اب وہ اس (لباس) خرقہ کی شرائط کو پورا کرے اور خود کو اس کا اہل بنائے اور ان امور سے اجتناب کرے جو خرقہ کی بدنامی کا باعث ہوں۔

(۲) خرقہ دراصل ظل ولایتِ شیخ ہے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

اِنّ الشیطانَ لیفرُّ عن ظلّ عمر

کہ شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اہل ولایت کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے۔ چنانچہ خرقہ مبتدی اور شیطان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

(۳) جب تک شیخ اپنی فراست اور باطن کے نور سے مرید کے باطنی تغیر اور اس کی صلاحیت کو ملاحظہ نہیں کر لیتا لباس کے اس ظاہری تغیر کا حکم نہیں دیتا۔ گویا ظاہری تغیر باطنی تغیر کا پتہ دیتا ہے۔

(۴) خرقہ بارگارہِ حق تعالیٰ میں مقبولیت کی بشارت ہے۔ بادی النظر میں خرقہ شیخ کی نظر میں قبولیت حاصل کرنے کی علامت ہے اور شیخ کی نگاہ میں قبولیت کا نتیجہ ہے نیز حق تعالیٰ کی نگاہ میں قبولیت کا۔

(۵) کیونکہ شیخ قوی الحال ہوتا ہے اور اس کا حال اس کے لباس میں سرایت کیا ہوا ہوتا ہے جب شیخ اپنے جسم مبارک سے لباس اتار کر مرید کو پہناتا ہے تو شیخ کا حال مرید میں سرایت کرتا ہے۔

چشتیہ بزرگوں کا خرقہ اس لحاظ سے اتنا قوی تسلیم کیا گیا کہ بوقتِ ضرورت اس خرقہ پر تجدد بیعت کو بھی جائز سمجھا گیا ہے۔

یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یُواری سوآتکم[۱] و رِیشا[۲]

[۱] شرمگاہ (جمع) [۲] لہٰذا لباس ظاہری میں وہ مقدار ضروری ہے جو شرم گاہ کو ڈھانپے (garment)

ولباسُ التّقویٰ ذٰلک خیر

(نوٹ: [۱] سَوئت۔ شرمگاہ، شرم (۲) نعش، لاش (۳) عمل قبیح، برائی (۴) عیب، نہایت برا (۲) ریش خوبصورت لباس (پہناوا) (۲) پرندے کے پر۔

ریش وہ زائد لباس ہے جو اس کی زینت کا باعث بنے۔

خرقہ ارادت:

شیخ کی جانب سے صرف سالکوں کو عطا ہوتا ہے مرید کی ارادت اور شیخ کی محبت کا بھی پتہ دیتا ہے اور تکمیل حال کا ذریعہ بنتا ہے اور مرید کے ساتھ یہ خرقہ وہی کام کرتا ہے جو پیراہنِ یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا۔

خرقۂ تبرک:

جو مرید تبرکاً اپنے شیخ سے طلب کرتا ہے۔

(نوٹ: [۱] خرقہ کا رنگ کہیں سپید ہوتا ہے، کہیں سیاہ، کہیں زرد، کہیں سبز اور کبھی مناسبتِ حال کے مطابق کوئی اور رنگ۔

سپید: صفاتِ نفسانیہ کی کدروتوں سے صفائی کی علامت ہے۔ یہ منتہیوں کا رنگ ہے اور اسی رنگ کو مشائخین عظام پسند کرتے ہیں۔ یہ باطن کی صفائی کا پتہ دیتی ہے۔ غالباً اسی پر یہ شعر موزوں نظر آئے گا:

سواد الوجہ فی الدارین درویش
سوادِ اعظم آمد، بے کم و کیف

سوادِ اعظم بڑا شہر سے مکہ مراد ہے۔ لیکن اس جگہ کثیر تعداد ہی اس کے معنی ہیں۔ درویش جب فنا کے مقام پر پہنچتا ہے تو دونوں جہاں اس کے لیے تاریک ہو جاتے ہیں اور یہ مقام فنا اس کے لیے بقا کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ اسی پر یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین (سواد کے معنی آنکھ کی پتلی۔ سیاہی، ماتمی لباس (شاعری میں) وجہ: چہرا، محبوب۔

دارین: دونوں جہاں۔ فقیری میں دونوں جہاں تاریک نظر آتے ہیں۔ عشق کا رنگ بھی زرد ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے:

شفیع آوردہ ام پیشِ تو اینک[۱]
رُخ زردے و چشمِ اشکبارے

[۱] اینک: دیکھو اب آوردہ ام: میں لایا (ہوں)۔ شفیع: شفاعت کرنے والا جبکہ (میرا زرد رنگ اور روتی ہوئی آنکھ)۔

خشکی ساحل:

شریعتِ محمدی میں مثلِ ساحل سلامتی کی علامت ہے۔ بعض لوگ باوجود کمالاتِ معنوی کے احکاماتِ علم ظاہری کو اپنے اوپر غالب دیکھتے ہیں۔ ان کی سلامتی حال ہی میں مضمر ہوتی ہے۔ جو اسے آئینۂ علم سے نہیں سمجھ سکتا۔ اسی روش میں اس کی سلامتی ہے۔

خَشم

ظہورِ صفات قہری۔ (لفظی: غصہ 'KHASHM' anger)

خط:

(۱) برزخِ کبریٰ جو دائرہ وجود کا قطر ہے۔ (۲) حقیقتِ محمدی من حیث ھی ھی (Look and hear) دیکھو اور سنو) جو محیط ہے خفا وظہور پر یا کمون و بروز پر (۳) مظاہر رحمانی میں ظہورِ حقیقت (۴) عالم ارواحِ مجردہ اور مغیباتِ عالم ارواح(Mysteries)۔

(نوٹ: ظہورِ حیات یا تعینات ارواح مترادفات ہیں)۔ یہ خط رخِ محبوب پر اس خوبی سے کھینچا گیا ہے کہ جمیع دقائق حسن و جمال کا اکٹھا کرنے والا بھی بن گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ خط ظہورِ حیات کی وجہ ہے۔ اسے سبزہ زارِ جانِ عالم بھی کہتے ہیں کیونکہ سبزہ سے ہی دنیا میں نشو ونما ہے اور مراتبِ ظہور میں مرتبۂ ارواح ابتدائی مرتبہ ہے۔

تعیناتِ ارواح:

وہ ظلمت ہے جس میں آبِ حیات پوشیدہ ہے۔ اسی ظلمت میں نشانِ بے نشانی یعنی مرتبۂ ذاتِ مطلق کا پتہ چلتا ہے جسے آبِ حیات بھی کہتے ہیں۔ اسی بنا پر اس کا نام دارالحیوان بھی ہے۔

خط ایک حدِ فاصل ہے درمیان غیبِ مطلق اور شہود کے۔ رُخ وحدتِ دِن ہے اور خط شب' زلف تفرقۂ عالم ہے اور خط سرِّ مبہم۔

زلف: کثرتِ مطلق ہے اور خط کثرتِ عالم ارواح اور عالمِ ارواح وحدتِ توسط[۱] ہے غیب و شہادت کے درمیان۔ خط سبز سے کبھی عالم برزخ[۲] کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے۔

[۱] یعنی مرکز وحدتِ الشہود (یا خط وحدتِ الوجود) ہے۔

[۲] عرصہ تا قیامت

خطرہ:

ایک قسم کا خطاب ہے جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے۔ اگر یہ خطاب نفس کی جانب سے ہے تو خطرۂ نفسانی ہے۔ جسے ھواجس (hawajis) بھی کہتے ہیں یعنی جو خیالات دل و دماغ میں رونما ہوتے ہیں' ھواجس ہیں یعنی شہوانی خیالات جن کی تین قسمیں ہیں:

(۱) خطرۂ (خیال) شیطانی۔ خطرۂ شیطانی ہی کا دوسرا نام وسواس ہے یا وسوسہ (doubts)

(۲) خطرۂ ملکی جسے الہام کہتے ہیں۔

(۳) خطرۂ رحمانی: جو اس شان سے وارد ہوتا ہے کہ بندہ کو مغلوب کر لیتا ہے اور اس خطرہ (یعنی خیال کا) دفیعہ محال ہے۔ حالانکہ دوسرے خواطر میں یہ امر لازمی نہیں۔ خطرہ اور خاطر دونوں مترادف المعنی ہیں۔

خطراتِ شیطانی:

لذاتِ نفسانی پر اڑنے کی کوشش کرتا ہے اور شہوت پر آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ نفس ضدی ہے۔

خطرۂ شیطانی:

میں معصیت کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ خطرہ آتا ہے جاتا ہے۔ اس لیے وہ یکے بعد دیگرے سینکڑوں خطرات (خیالات) دل میں ڈالتا ہے کہ کہیں یہ پھنس ہی جائے گا۔ خطراتِ شیطانی میں قیام نہیں ہوتا۔ خطراتِ نفسانی میں قیام ہوتا ہے۔

خطرۂ ملکی:

عبادات و طاعات سے متعلق ہوتا ہے۔ یہ بھی کثیر اوقات دیرپا نہیں ہوتا اس لیے جب کبھی خطرۂ ملکی وارد ہو تو ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اس طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (ملکی یا ملکیہ: فرشتوں والا' مراد الہامی ہے)۔

خطرۂ رحمانی:

محبتِ الٰہی شوق' عرفان ابھارتا ہے اور ہمیشہ مشاہدۂ حق میں رہنے کا شوق پیدا کرتا ہے۔ یہ خطرۂ دل کو غیر کی

جانب متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

خلافت:

مرشد کی مسند۔ جب مرید سیرِ سلوک کو تمام کر لیتا ہے تو اسے یہ خلافت مل جاتی ہے۔ یعنی وہ مرید ارتقائے[1] روحانی کے درجہ تک پہنچ گیا ہے اور اب اسے دوسروں کو تلقین کرنے کا کام تفویض کیا جا سکتا ہے۔

شیخ جب مریدین میں دوسروں کو تعلیم دینے کی استعداد دیکھ لیتا ہے تو اُسے خلافت عطا فرماتا ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل سات اقسام ہیں:

(۱) اصالتہ: جب کوئی بزرگ خدا کے حکم سے کسی شخص کو اپنا خلیفہ بناتا ہے مثالاً جب شیخ فرید الدین گنج شکرؒ قصد فرما رہے تھے کہ اپنے کسی مرید کو خلافت عطا فرما کر ولایت ھند اس کے سپرد کی جائے تو غیب سے ندا آئی کہ نظام الدین بدایونی آ رہا ہے۔ راستہ میں ہے وہی خلافت کے قابل ہے اسے خلافت دو (سیر الاولیا)۔ بابا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ نظام الدین بظاہر میرے خلیفہ ہیں مگر بباطن وہ باری تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کے نائب ہیں۔ اس قسم کی خلافت کو خلافتِ الٰہی بھی کہتے ہیں۔

(۲) اجازتاً: صلاحیت و استعداد دیکھ کر۔

(۳) اجماعاً: جب وہ بغیر کسی کو خلیفہ بنائے کوچ کر جاتا ہے تو لوگ مجتمع ہو کر اس کے کسی مرید کو یا وارث کو سجادۂ خلافت پر بٹھا دیتے ہیں۔ مشائخ کے نزدیک یہ خلافت معتبر نہیں (یہ خلافت افترائی ہے) یعنی Unjust افترا۔ جھوٹ اختراع کرنا۔

(۴) وراثتاً: یعنی شیخ کی فوتیدگی کے بعد اس کے کسی وارث کو اس گدی پر بٹھا دیتے ہیں۔ مشائخ اس قسم کی خلافت کو بھی منظور نہیں کرتے۔ تاوقتیکہ کسی باطنی اشارہ سے اس کا اطمینان نہ ہو جائے جس کی تصدیق بھی مشکل ہے۔

(۵) حکماً: شیخ کے وصال کے بعد جانشینی کا جھگڑا ہو اور معاملہ حکام و عدالت تک جا پہنچے اگر **اولی الامر منکم** میں وہ عدالت آتی ہے تو جائز ہے ورنہ یہ جانشینی معتبر نہیں۔

(۶) تکلیفاً: مرید پیر سے کوشش کر کے اور دوسروں سے سفارش کرا کے خلافت حاصل کر لے تو اس قسم کی خلافت کی کوئی وقعت نہیں۔

(۷) اُویسیاً: کسی شخص کو کسی ایسے بزرگ کی رُوحانیت سے جو اس عالم سے کوچ کر گئے ہوں تربیت حاصل ہوئی ہو اور خلافت بھی عطا ہوئی ہو۔ متقدمین نے اس نوعیت کی خلافت کو درست تسلیم کیا ہے۔ مگر متاخرین نے اسے مستند قرار نہیں دیا۔ تاوقتیکہ شیخ کامل سے اس عالم میں ارتباط و اجازت حاصل نہ ہو۔

محققین نے فرمایا ہے کہ جب مرید فنا فی الرسول اور جبروت تک پہنچ جائے تو خلافت دینا جائز ہے گو واجب نہیں۔ واجب تب ہوتی ہے جب مرید شہودِ ذات تک پہنچ جائے۔ واصلِ ملکوت کو بھی بعض حضرات خلافت دے دینا جائز سمجھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جب خطرۂ شیطانی اور خطرۂ رحمانی کی تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو خلافت دینا جائز ہے۔ (بعض کے نزدیک معاملۂ خیر و برکت دیکھے تو بھی) لیکن جب شیخ حق تعالیٰ کی جانب سے یا جنابِ رسالت مآب کی جانب سے یا اپنے پیر کی جانب سے کسی کو خلافت دینے پر مامور کر دیا جائے تو اسے خلافت کا دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اجازت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجازتِ مطلقہ' دوسرے اجازت نیابتی۔

الف۔ اجازتِ مطلقہ: مستقل اجازت ہے۔ جس کی رو سے وہ شیخ کا قائم مقام ہو کر خلق خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا ہے اور مریدوں کو اپنے نام کا شجرہ دیتا ہے۔

ب۔ اجازتِ نیابتی میں مجاز اپنے شیخ کے حکم سے

بر سبیل نیابت و سفارت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا ہے اور انھیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے۔ اس طور پر بیعت کرنے والے مجاز کے نہیں بلکہ اس کے شیخ مرید ہوتے ہیں اور شجرہ ان کو شیخ کے نام ہی کا دیا جاتا ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک خلافت کی دو قسمیں ہیں۔ صغریٰ اور کبریٰ۔

خلافتِ صُغریٰ: وہ ہے جو شیخ اپنے مرید کی محنت اور ریاض دیکھ کر حسن ظن قائم کرتا ہے اور معاملہ نیک دیکھ کر اسے خلافت سے مشرف فرماتا ہے اور اس کے لیے کوئی شہر یا قصبہ یا کوئی مناسب مقام متعین کر دیتا ہے کہ وہاں رہ کر ارشاد و تکمیلِ طالبانِ حق میں مصروف رہے۔

خلافتِ کبریٰ: جب شیخ کے دل پر بار بار الہام حق وارد ہو کہ فلاں شخص کو ولایت دی جائے اور شیخ اس خیال کو دل سے مٹا نہ سکے اور اس کی تعمیل پر مجبور ہو جائے۔ یہی خلافتِ اصلی ہے۔ اسے نیابتِ مطلقہ بھی کہتے ہیں اور سجادگی بھی۔ یہ شیخ کے حال، اس کے راز اور اس کے سجادہ کا جائز وارث ہوتا ہے اور اس کے جملہ تبرکات کا مستحق ہے۔

خلوت :(privacy)

انقطاع از ماسویٰ تبتل الی اللہ۔ خلوت کی اصل یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو راز و نیاز حاصل ہے اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ بنایا جائے۔ (بتّل یا تبتّلَ دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا)۔

خلوص:

یا اخلاص کے تحت فرقۂ ملامتیہ پر ملا جامی کے ملفوظات باب دہم میں دیکھیے۔

<u>خلق و امر</u>: (عالم) (۱) عالم خلق وہ کائنات مادی ہے جس میں اشیا بالترتیب اور زمانہ کے اندر وجود کی صورت اختیار کرتی ہیں۔

(۲) اس عالم سے ماورا عالم کو عالم امر کہتے ہیں۔ جہاں فوری (لمحہ میں۔ فوراً) تخلیق ہوتی ہے۔

خلوت در انجمن: بظاہر مخلوق کے ساتھ بہ باطن حق تعالیٰ کے ساتھ (رِجالٌ لا تُلهيهم تجارةٌ ولا بيعٌ عن ذكر الله) انہی کی شان میں ہے۔ (ترجمہ: ان لوگوں کو کسی قسم کی تجارت اور فروخت کا کاروبار اللہ کے ذکر سے غفلت میں نہیں ڈالتا)

خمود: ذلتِ نفس۔ احساس کا مجروح ہونا۔ یہ مقصد جن چیزوں سے حاصل ہے وہ سب خلوت کے تحت آتے ہیں: (گھٹاتا) نفس کو

غیر را از خانہ بیروں کن درآ باحق بشو
رازِ خود باحق بگوی وَ رُوئے غیر حق مبین

اس شعر کے الفاظ کے معنی:

<u>خلوت در انجمن</u>: بظاہر مخلق کے ساتھ اور بہ باطن حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا۔

از دروں شو آشنا واز بروں بیگامہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

خلا و ملا:

خلا: عالم تنزیہ وھویتِ محضہ Divine essence and substance)

ملا: عالمِ تشبیہ۔

مَحضہ Solely, purely (محض خالص دودھ کو کہتے ہیں)

خلت: (محبت)

حق تعالیٰ کا بندہ کا دوست ہونا۔ اس طرح پر کہ اس کے اسما و صفات کے آثار بندہ میں پوری طرح ظاہر ہو جاویں۔ حتیٰ کہ جملہ اشیاء اس بندہ کے لفظ کن سے متاثر ہونے لگیں۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر مردہ پرندے زندہ ہو گئے تھے۔

خلع بدن:

ایک حالت ہے جس میں روح صورتِ مثال کے ساتھ نکل کر عالمِ بالا کی سیر کرتی ہے اور جسم کو کپڑے کی طرح اتار کر الگ ڈال دیتی ہے۔ یہ جبروت یا عالم بالا کی ابتدائی حالتوں میں ایک حالت ہے۔ انسان اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھتا ہے حالانکہ روح پرواز کر رہی ہے۔

خُم:

جائے وقوف۔

خصوص الخصوص:

اعلیٰ درجات کے لوگ۔ نکلسن نے اس کے معنی Superlatively elect بیان کیے ہیں۔

خمار:(Wine Merchant)

بادہ فروش، شیخ، مرشد، پیر۔

خانۂ خمار خرابات (گم سم) مقام وحدت کو بھی کہہ دیتے ہیں۔

محبّ و محبوب کے درمیان حجابات عزت کا آ جانا۔ وحدت پر پَرَدہائے(Veils) کثرت کا نمودار ہو جانا۔ مقام تلوین میں ہونا۔ مقام وصول سے رجعت بطریق قہر نہ کہ بطریق انقطاع حالتِ بیم[1] جو بُعد و حرمان سے پیدا ہو۔

(1 خوف۔ رُعب)

جبروت: عظمت وجلال (مرتبۂ وحدت) الٰہی خرابت:

گم سم ہوں I am lost پَرَدَہا: پردے (پردہ کی جمع) .Veils

خُمخانہ:

عالم غیب و شہادت کیونکہ یہ اسما و صفات کے ظہور کا عالم ہے اور مستی و اچھل کود اسماء صفات ہی میں ہوتی ہے نہ کہ ذات میں، جہاں بے رنگی و بے کیفی ہے۔ گو ذات کی بیرنگی و بے کیفی اسما و صفات کی مستیوں سے زیادہ پرلطف ہے۔ قلب بھی خم خانہ ہے۔ جہاں تخلیقات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔

خنّاس:

دل میں وسوسے پیدا کرنے والا شیطان یا شیطان صفت انسان۔ دل میں دو دروازے ہیں: ایک اوپر ایک نیچے۔ اوپر کا دروازہ جسم سے متصل ہے اور نیچے کا روح سے۔ خناس ان کے اردگرد مکڑی کا جال بن کر قابو پا لیتا ہے اور خطرات وساوس باطلہ کو دل میں ڈالتا رہتا ہے (پھونکتا رہتا ہے)۔ خناس کی صورت اژدہے کے مانند ہوتی ہے۔ اس کی دم پر زہریلے کانٹے ہوتے ہیں جن سے وہ دل کو مسموم کرتا رہتا ہے اور دل میں سیاہی پیدا کر دیا کرتا ہے۔ طعام ناجائز اور لقمۂ مشکوک سے اور غفلت سے اور عبادت میں کاہلی اور بے رغبتی اور بے توجہی سے خناس فربہ ہوتا ہے۔ توبہ و استغفار اور پاسِ انفاس (A watch on breath) اور ذکر و فکر و مراقبہ سے وہ ضعیف ہو جاتا ہے اور دل میں صفائی اور نورانیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ (حبسِ دَم سے بھی وہ مضمحل ہو جاتا ہے)

خورشیدِ عیانی:(Sun Shine)

تجلی ذاتِ اَحدی۔

خواب: عالم بشریت میں فنائے اختیاری۔ ہستی مجازی (دیکھو رویائے صادقہ)

خیال: وہ نکتۂ ابتدائی جس سے سلوک کی ابتدا ہوتی ہے۔ دراصل اسی پر سلوک کی انتہا بھی ہے۔ یہی تمام عوالم (جمع عالم: جہاں) کا ہیولیٰ اور عوالم (جہانوں) کی روح کی زندگی ہے۔ یہ اُس اعتقاد کا محل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا کامل طور پر ظہور ہوا ہے تو یقیناً خیال ہی تمام عوالم کی اصل ہے اور خیال دراصل ایک نیند ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ سب لوگ سو رہے ہیں جب وہ مر جاتے ہیں تب جاگتے ہیں یعنی

وہ حقائق جن پر کہ وہ دنیا میں تھے مرنے کے بعد ان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر گروہ ہر عالم میں کسی خیال کے اندر مقید ہے۔ اہل دنیا اپنی معاش کے خیال میں، اہل خبث، نازو نعمت و عذاب کے خیال میں۔ یہ لوگ دراصل سو رہے ہیں جو شخص اللہ کے ساتھ حاضر ہے وہ جاگتا ہے۔ جس قدر اس کو خدا کے ساتھ حضور ہے اسی قدر بیداری ہے۔ بجز اہلِ حق کے کوئی بیدار نہیں۔

د

دُر: لغوی معنی موتی۔ اپنی نوع کی بہترین چیز، بیش قیمت شے، سرتاج۔

a انجیل یوحنا st john's Book. A

درر: revelation (an apocalypse [1]

revelation of knowledge from

God, (contemplation of God).[2] ecstatic

۱؎ الہام۔ مکاشفہ ۲؎ اِلقا

دخول جنت اور (دخول دوزخ): دخول جنت سے کیا چیز بہتر ہے؟ وہ روایتِ شریفہ بحالتِ بیداری ہے کہ ولی آپ کو آج اسی صورت میں دیکھے جس صورت میں انھیں حضراتِ صحابہ نے دیکھا تھا کہ اس میں تمام جنتوں کی عمومی لذت ہے (یعنی عمومی نعمتوں کی) اور وہ چیز اس دوزخ میں جانے سے بدتر ہے وہ فتح نصیب ہو جانے کے بعد اس کا سلب ہو جانا ہے۔ یہ سوال شاہ عبد العزیز دباغ نے اپنے مرشد حضرت عبد اللہ برنادی سے کیا تھا۔ جس کے جواب میں انھوں نے مندرجہ بالا جواب دیا تھا۔ حالانکہ خواب میں بھی جس خوش نصیب کو آنحضورؐ کی زیارت ہوتی ہے وہ خوشی سے پھولا نہیں سمایا حالانکہ احتمال ہے کہ وہ آپ کی صورت حقیقیہ نہیں ہے۔

دار: نظیری کہتا ہے:

نیست در خشک و تر بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ منبر نہ شود دار کنم
گفتارِ راست مایۂ آزار می شود
چوں حرفِ حق بلند شود، دار می شود

دیکھیں رباعی نمبر ۳۶۹ ارمغانِ حجاز:

ترا با خرقہ و عمامہ کارے
من از خود یافتم بوئے نگارے
ہمیں یک چوب نے سرمایۂ من[1]
نہ چوب منبرے نے چوبِ دارے[2]

For robes and turbans why you feell a bent
I have found in my ego that beauty's scent.
To me wooden fife is wealth and heart's
glass,I carve not a wood for pulpit ar cross.

بیشۂ من: میرے جنگل میں، میرے دل میں۔ چوبِ نے: بانسری (لکڑی کی) مراد شاعری ہے۔

کوتاہی: کوئی کمی۔ خشک و تر: رات دن، برے اور اچھے عمل بھی مراد ہیں۔

مایۂ آزار: (میرے) مصائب کی وجہ مراد ہے۔ دار، پھانسی (ب) یہاں درخت مراد ہے۔

دادار:

دادار دراصل داد۔ آور ہے۔

(Dadar): Distributer of justice,one of epitets[1] of God.

۱؎ اسماء وصفات میں ایک صفت

دار الاسباب:

دنیا، عالم ناسوت۔ عالم کی صورت محل ہے ظہورِ حکمت کا اور بدیں وجہ اس میں امور تدریجی طور پر واقع ہوتے ہیں۔ حکمت کا اظہار مدارج منزلت کی مختلف صورتوں

پر موقوف ہے۔ برعکس قدرت کے حسن کا محل ظہور، عالم معانی[1] ہے جہاں امور فوری طور پر واقع ہوتے ہیں۔([1] عالم رُوحانی جو محسوس نہ ہو سکے)

داعی الی الحق: (Who invites towards God)

دنیا اور رجوع الی اللہ کے درمیان ایک برزخ ہے جو مومن اور کافر سب پر وارد ہوتی ہے یعنی وہ حالت جس میں ذاتِ الٰہی کی طرف میلان ہوتا ہے۔ ایسے وقت کو غنیمت جان کر ہمت سے کام لے کر لیا جاوے تو اس حال کی کثرت اور اس میں قوت پیدا ہوتی ہے ورنہ یہ واردات ضائع ہو جاتی ہے اور اس قسم کی کیفیات کا ورود قلبِ انسانی سے مسدود ہو جاتا ہے۔

دام:

کششِ عشق۔

دُر (a pearl, pearls):

مکاشفات و اسرار و اشاراتِ الٰہی، مادی ہوں یا غیر مادی، جو حقائق و معارف پر مطلع کریں۔

در باختن:

ہار جانا، سرِ تسلیم خم کر دینا، احوال گذشتہ فراموش کر دینا اور نظرِ باطنی کو ان سے ہٹا لینا۔ لغوی طور پر باختن کے معنی عطا کرنا۔

درخت یا شجر

شجرۂ جامعیت، یعنی حقیقتِ انسان کامل، جو تجلی ذات سے صفاتِ ربانی کا نور حاصل کرتا ہے۔ مرید فرمانبردار کی مٹی، ان بزرگا رنہ تخمِ حقیقت کی آب یاری سے ایک درختِ بارآور کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب تخم ظاہر تھا تو حقیقت درخت اس میں مخفی تھی اور جب تخم مخفی ہوا تو تخم شجر ظاہر ہوا اور حقیقتِ تخم اس میں پوشیدہ ہوئی۔ شبہ ہو تو قلم لگا کر دیکھ لو۔ انسان اس درخت کا پھل ہے۔ پھل میں وہی تخم موجود ہے جس سے اس درخت کی ابتدا ہوئی۔

ھوالاول والاخر، والظاھر والباطن

دَردی:

جاذبۂ حقیقی (نوٹ: لفظی معنی درد کے تکلیف ہے نیز بگل کو بھی کہتے ہیں) درد: بگل. a pain, a trumpet

درویش:

جو ازروئے حال اپنی خودی کو فنا کر کے کشتۂ انوار تجلی ہو کر مقام بقا باللہ حاصل کر کے ہر غیر سے مستغنی ہو جائے۔

درۂ بیضا:[1]

سیر ہونے والا معدہ۔ جس کی بھوک کبھی کم نہ ہو سکے۔

([1]The stomach of beasts)

دَرہ: dara; (met) an insatiable stomach دل کا در کھولنا=در باختن) to open+ heart's door انگڑائی لینا=درہ کردن+to enter: درآمدن درہ کردن. to yawn:

دریا و ساحل:

ہستیٔ وجود کو دریا سے تشبیہ دی جاتی ہے اور عقل و نطق اس کا ساحل ہے۔ عقل و نطق کے دو پہلو ہیں: ادراک کلیات اور تکلم۔

دریائے وجود کے گوہر شاہگاں (موتی) حروف و الفاظ ہیں جن سے یہ جواہر برآمد ہوتے ہیں۔ صدف الفاظ سے دانشِ دل نکلتی ہے یہی منبع ہے معارفِ حقائق الٰہی کا۔ دریائے ہستی کی امواج نطق پر اپنے موتی نچھاور کر دیتی ہیں۔ یہی دُرِّ شاہوار، ملفوظات کاملین، نصوصِ قرآنی اور آثارِ حضورؐ ہیں۔ علم و ادراک یا عقل یا ہستی وجود کا مغز (Essence) ہیں۔ لہٰذا

دریائے ہستی کامل کا ساحل جسمِ انسانی ہی ہے۔

اس دریا کے بخارات عاشق و محبوب کی آہیں ہیں۔استعدادِانسانی پر انوارِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے اس دریائے بیکراں کے غواص عقل و خرد ہیں اور غواصی تدبر وفکر ہے۔جس میں غواص غوطہ لگاتے رہتے ہیں (علی الدوام)

دلِ انساں بصورتِ جامع علم اسماء کے انورِ الٰہی کا سمیٹنے والا ہے۔

دست:

صفتِ قدرت' تجلیاتِ صفات۔

دست گاہ:

جمیع صفاتِ کامل کا حصول اوران پر قدرت۔

دف:

اس سے بعض وقت اشارہ طلبِ مطلوب کی جانب ہوتا ہے۔

دلاَل:

عربی میں دَلال اور فارسی میں دِلال ۔ اضطرابِ خلق۔ دِلال or دَلال = an amourous glance ۔۱

لغوی معنیٰ 'The eye' "نظرِ محبت' ناز و نیاز' ناز و نخرے' Coquetry, ogling eye brow مژگان ۔۲

دلالت:

اظہار (Indication, denotation) یعنی اشارہ (نشان) بھی مراد ہے۔

دلبری و دِلداری:

صفتِ خالقی کا اظہار اور رنج و مشقت میں ڈالنے والے نتائج۔

دل کُشائی:

یافتّاح کی برکت (یا صفت) سے دل سالک میں انس پیدا کرنا۔

دلق:

گڈری' خرقہ' خواہشات' رسوم'

دلق دہ توی:

دَہ =دس= Ten تو=تہ' پرت Pain

لفظی مطلب ہے کئی تہوں والی گدڑی۔ مجموعہ حواس ظاہر و باطنی ۔(دلق پوش مراد درویش دلق پہننے والا)۔

دُنیا:

حق تعالیٰ سے غفلت کا نام ہے۔ جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن\
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن\
اہل دنیا کافرانِ مطلق اند\
روز و شب درلھو ولعب و بق بق اند

یعنی دنیا دار دن رات لہو ولعب میں مبتلا رہتے ہیں اور بک بک (بکواس) کرتے رہتے ہیں۔حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِعلموا اِنما الحیاۃ الدنیا لعبٌ ولھوٌ وزینۃ و تفاخر بینکم و تکاثرٌ فی الاموال والاولادِ کمثلِ غیثٍ اعجب الکفار نباتہ ثم یُھیجُ فتراہ مُصفراً ثم یکون حُطاما و فی الآخرۃ عذاب شدید و مغفرۃ من اللہ ورِضوانٌ وما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور (س ۵۷ الحدید آیت ۲۰)

دوام:

قائم رہنا (کسی طریقِ عمل پر یا رائے پر) دوام ایں حدیث۔ مکتوب نمبر۱۱' جلد اول) شیخ ابوسعید ابوالخیر کا عمل بریں حدیث۔

دعوت : (مکتوب نمبر۲۲) مقامِ دعوت: دیکھو داعی الی اللہ' ص: ۴۸

دور:

(۱) زمانہ، عہد (۲) چکر، گردش، یہاں دور سے دوری اصطلاح بن گئی۔

دوری:

کیفیات عالم کی خصوصیات سے آگاہی۔ نیز تفرقہ کی خصوصیات سے آگاہی۔

دوزخ:

تجلی جلال، احکام کثرت، صفاتِ انسانی۔

دوش:

(لفظی: کل رات، کندھا، بیوقوت وغیرہ) ازل، عالم غیب، حق تعالیٰ کی کبریائی، محلِ تکثرِ اسماء

دہ۔دیہ:

وجودِ مستعار۔ اے انسان تو اپنے آپ کو اس وجود کا مالک سمجھتا ہے اس کا مالک صرف خدا ہے۔

دہ خدا:

سلوک میں وہ انسان ہے جو اپنے آپ کو وجودِ مستعار کا مالک سمجھتا ہے۔ دیکھو ارمغانِ حجاز، رباعی نمبر ۳۰۹، عنوان حضورِ عالم انسانی:

برون کن کینہ را از سینۂ خویش
کہ دودِ خانہ از روزن برون بہ
زِ کشتِ دل مِدہ کس را خراجے
مشوائے دِہ خدا غارت گردِہ

اھلِ دل: اولیا اللہ کے دل ہمیشہ اس کے مشاہدہ اور رضا جوئی میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا میں تجھے کہاں پاؤں۔ کہا عاجز و شکستہ دل لوگوں کے دلوں میں تلاش کرو۔ لیکن معرفت کا دعویٰ کرنے والا شخص عجز و خوف کے بغیر جاہل ہوتا ہے البتہ معرفت وارداتِ خدا سے ضرور واصل کرا دیتی ہے۔

دِھن:

لفظی معنی منہ۔ صفت متکلمی۔ سرِّ خفی۔ جس کا ادراک محال ہے۔ مولانا جامی

آں وہاں را سرِّ غیب الغیب داں کز شرحِ آں

دہ ویراں:

دنیا، جسم انسانی۔ (بے نور پیشانی بھی مراد ہو سکتی ہے)

دیدہ ور:

(دیدہ ور quicksighted) دیدہ ور کے تین مقام ہیں:

(۱) نے نوازی (درویشانہ زندگی) اور انسانِ کامل کو پرکھنے کی تمنا اور کوشش۔ صاحب بصیرت، کھلی آنکھوں والا۔

(۲) بے نیازی۔

(۳) پاک بازی

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دَیر:

خرابات۔ عالم معانی (غیر مرئی، نہ نظر آنے والی دنیا)۔ باطنِ عارف، عالم انسانی، عالم حیرت۔ لفظی معنی کلیسیا (Convent) وغیرہ

دیوانہ: مست

خودی میں دیوانہ وہ کہلاتا ہے جو خودی سے بیگانہ ہو گیا ہو اور طلب حق میں سرگشتہ و حیران رہتا ہو۔

ذ

ذات (Being):

ذات بجہت خدا کی ذات اور ہستی مراد ہے

(Existance)وجودِ مطلق اس طور پر کہ تمام قیاسات اور نسبتیں (روحانی) ساقط کر دی جائیں۔ ذات جو صفات سے مرصع ہے ذات بنیادی ہے اور خواص اضافی۔

ذکر:

اللہ کی یاد، جمیع غیر اللہ کو فراموش کر کے حضورِ قلب کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اور اس کے قرب کی آرزو کرنا۔ نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، درود شریف اور تمام دعائیں ذکر ہیں۔ ذکر کا اصل مقصد ذاکر و مذکور کے درمیان تمام حجابات کا دور کرنا ہے۔

(۱) ذکر لسانی ظاہری عبادت۔ ناسوتی (دنیاوی۔ انسانی) (۲) ذکر قلبی: ذکر ملکوتی

مراقبہ: مقصود کا تصور دل میں جمانا مراقبہ ہے۔ ذکر روحی: مشاہدۂ الٰہی بجہت اسماو صفات۔ ذکر سرّی: معائنہ: ذکر لاہوتی: انوار و تجلیات کا دل پر چمکنا۔ ذکر نفی اثبات: کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا۔ ذکر ملکوتی: لا الہ اللہ کا ذکر کرنا، ذکر لاہوتی: ھو ھو کا ذکر۔ ذکر اسم ذات: اللہ کا ذکر، ذکرِ جبروی: اللہ کا ذکر۔ (لاھوتیDivine اس ذکر میں (ذکرِ الٰہی میں) مقام فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے یعنی قلب جاری ہو جاتا ہے۔

ذکر محزونہ: ذکر کرنا، حُزن کے ساتھ۔ سہروردیہ تعلیم اسی طرح کی ہے۔ ذکرِ مریضیہ بھی شاید یہی ہے۔

ذکرِ محزونہ: غمناک آواز میں ذکر کرنا۔ حضراتِ قادریہ کی یہی خصوصیت ہے۔

ذکر عشقیہ: ذوق و شوق کے غلبہ میں ذکر کرنا۔ حضراتِ چشتیہ کی خصوصیت ہے۔

ذکرِ رابطہ: رابطۂ شیخ کو قائم رکھنا۔ دل کا ماسویٰ اللہ سے غائب ہونا۔ حاضر ہونا ساتھ حق کے اور غائب ہونا اپنے آپ سے۔

ذوق:

وہ مستی جو عاشق میں شراب پینے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ وہ شوق جو کلامِ محبوب سن کر بھڑکتا ہے۔ جمالِ یار سے پیدا ہونے والی از خود رفتگی۔ توفیقِ الٰہی سے حق و باطل کا امتیاز۔

وجد: مستی و شوق اور از خود رفتگی سے جب انسان جھومتا ہے اُسے وجد کہتے ہیں۔ وجد سے بے خودی طاری ہوتی ہے، شعور جاتا رہتا ہے۔ مشاہدۂ حق کا پہلا اثر ذوق اور انتہائی اثر وہ ہے جس کے بیان کی اس میں قدرت نہیں۔

۱) ذوی العین: جو ہر چیز کو قائم بحق دیکھتے ہیں۔ بلکہ حق کو محسوس اور خلق کو معقول پاتے ہیں۔ یہ لوگ صاحب شہود ہیں۔ یہ خلق کو ظاہر اور حق کو باطن دیکھتے ہیں۔

۲) ذوی العقل: یہ لوگ ذوی العین کا عکس ہیں۔ یہ بھی خلق کو ظاہر اور حق کو باطن دیکھتے ہیں چونکہ حقیقت پردۂ تعینات میں مستتر ہوتی ہے۔ نظر پہلے نقاب پر ہی پڑتی ہے۔

۳) ذوالعقل والعین: یہ وہ لوگ ہیں جو حق اور خلق کو حق میں دیکھتے ہیں۔ ایک کا شہود (دیدارِ خدا) دوسرے کے شہود پر پردہ نہیں ڈالتا، بلکہ وجودِ واحد کو ایک وجہ سے حق اور دوسری وجہ سے خلق دیکھتے ہیں۔ یہاں صورِ اعیان (ان بزرگان کی صورتیں بڑے اولیا وغیرہ کی صورتیں) بمنزلہ جام کے ہیں جس میں چہرۂ معشوق نظر آتا ہے۔

ذاتِ حق، جوہر ماہیت

: the essenece of thing

قیاسات: اعتبارات

: conjectures,suppositions

ذھاب:

مشاہدۂ محبوب کی محویت میں ہر محسوس شے کی حس سے دل کا بے خبر ہونا۔ لفظی معنی: چلنا، گزرنا، آگے۔

ر

ربوبیت:

پرورشِ عالم جو بواسطۂ ظہورِ اسما عمل میں آوے۔ چونکہ ظہورِ اسما کا تعلق واحدیت سے ہے۔ ربوبیت کا ظہور بھی واحدیت ہی سے متعلق ہوا۔

رجال اللہ:

مردانِ خدا۔ انھیں رجال الغیب و مردانِ غیب بھی کہتے ہیں۔

رجالٌ لا تُلهيهم تجارةٌ ولا بيعٌ عن ذكر الله (النور ع ۵)

اولیاء مستورین جن کے سپرد انصرامِ امورِ تکوینی ہوتا ہے اور یہ اغیار کی نگاہوں سے مستور رہتے ہیں۔ انھی کی شان میں فرمایا گیا ہے: اولیائی تحتِ قبائی لا یعرفُھم غیری.

رجالِ اولیاء ظاہرین ہوں یا اولیاءِ مستورین بارہ اقسام میں منقسم ہیں:

(۱) اقطاب (۲) غوث (۳) امامان (۴) اوتاد (۵) ابدال (۶) اخیار (۷) ابرار (۸) نُقبا (۹) نُجبا (بلند مرتبہ لوگ) (۱۰) عمد (۱۱) مکتوبان (۱۲) مفردان

(۱) ہر زمانہ میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے۔ جسے قطبِ عالم، قطب الاقطاب یا قطب جہاں یا جہانگیر عالم کے نام سے پکاتے ہیں۔ عالم سفلی (زمین) اور عالم علوی (آسمان Upper world) میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیضِ برکت سے قائم رہتا ہے (ورنہ عالم درہم برہم ہو جائے)۔ قطبِ عالم حق تعالیٰ سے براہِ راست اور بلاواسطہ فیض حاصل کرتا ہے اور اس فیض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے۔ کسی بڑے شہر میں سکونت کرتا ہے۔ بڑی عمر پاتا ہے۔ نورِ خاصہ مصطفوی کی برکت سے ہر سمت میں دیکھتا ہے خواہ آنکھیں کھلی ہوں یا بند۔ ماتحت اقطاب کی ترقی وتنزل وتقرر کا اختیار رکھتا ہے۔ ولی کو معزول ومقرر کرنے کا مجاز ہے۔ خود ولایت شمسی رکھتا ہے۔ برعکس قطبِ ابدال کے جس کی ولایت قمری ہوتی ہے۔ قطبِ عالم مظہر تجلی اسم رحمٰن ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ خاص تجلی الوہیت ہیں۔ قطبِ عالم سالک ہوتا ہے اور اس کی ترقی جاری رہتی ہے۔ ترقی کرتے کرتے وہ مقامِ فرادنیت (alone, sole, uniqueness) تک پہنچ جاتا ہے۔ جسے محبوبیت بھی کہتے ہیں۔ جمیع رجال اللہ کے باطن میں اور نام ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ قطبِ عالم کا نام عبد اللہ ہوتا ہے۔

ذالفضل العظیم: The most Gracious

خالق و باری: The Creator,

قطب مدار: وہ ولی جس کا دنیا کے انتظام پر مدار (گرفت یا قبضہ) ہے۔ دنیا کا روحانی وزیر اعظم ہوتا ہے۔

دنیائے آسمان: عالم بالا، عالم علوی

عالم کون: ظاہری دنیا کو عالم کون کہتے ہیں۔ عالم کون وفساد۔ عالم سُفلی۔ عالم فانی بھی یہی دنیا ہے۔ البتہ کل کائنات کو عالم کبیر یا قدرت کہتے ہیں۔ لہٰذا عالم قدس بہشت ہے۔ قدس میں ہی فرشتے رہتے ہیں۔

اقطاب کے بے شمار انواع ہیں۔ مثلاً قطبِ رجال، قطبِ اقالیم، قطبِ ولایت وغیرہ۔ ہر نوع کا ایک جدا قطب ہوتا ہے۔ قطبِ زہاد، قطبِ عباد، قطب عرفا، قطب متوکلان، ہر مقام اور ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں کا ایک قطب ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ بستی مومنوں سے آباد ہو یا کافروں سے۔ مومنوں کی پرورش تجلی اسم ہادی سے ہوتی ہے اور کافروں کی پرورش اسم مضل کے تحت میں اور یہ دونوں اسم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

قطب مدار عرش سے ثریٰ (dust, earth) تک متصرف ہوتا ہے اور فرادانیت پر فردِ متحقق (a verfier) ہوتا ہے۔ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطبِ مدار علی الدوام تجلیٔ صفات میں رہتا ہے۔ فرد تجلیٔ ذات میں قطبِ مدار خاص ہے اور فرد اخص (خاص الخاص) فردانیت مقام انبساط و موانست ہے اور اس مقام پر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلیٔ افعالی ہوتی ہے۔ بعض کو تجلی آثاری ہوتی ہے۔ بعض مقامِ صحو (awareness) میں ہوتے ہیں۔ بعض مقامِ سُکر میں اور بعض دونوں میں۔ مقاماتِ اولیاء اللہ خارج از حدودِ حصر ہیں۔ مگر اہلِ فرد یا یا اہلِ فرادانیت ان سب سے بالاتر ہیں۔ تنزل کی تو ایک حد ہوتی ہے مگر عروج کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ افراد جب مزید ترقی کر کے فردانیت میں کامل ہوجاتے ہیں تو محبوبیت کا مرتبہ پاتے ہیں جیسے سید عبد القادر جیلانیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاء صاحب بحر المعانی ہیں۔

۲) غوث:[ا] بعض بزرگوں کے نزدیک قطب یا غوث ایک ہی چیز ہیں مگر بقول محی الدین ابن عربی قطب الاقطاب اور غوث جدا ہیں۔ بعض کے نزدیک قطبیت اور غوثیت دو جداگانہ منصب ہیں جو ایک ہی شخص میں مجتمع ہو سکتے ہیں۔ قطبیت کے اعتبار سے اسے قطب اور غوثیت کے اعتبار سے اسے غوث کہتے ہیں۔ (ابن عربی وحدت الوجود کا قائل تھا۔ لہٰذا اس کا قول معتبر نہیں ہے)

[ا] A prince, Lord, Chief

۳) اماماں: قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنھیں اماماں کہتے ہیں۔ ایک اس کے داہنے ہاتھ پر ہوتا ہے جس کا نام عبد المالک ہے اور دوسرا بائیں ہاتھ پر، جس کا نام عبد الرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم علوی پر اس کا افاضہ ہوتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کر کے عالم سفلی کو افاضہ دیتا ہے۔ لیکن بائیں ہاتھ والے کا مرتبہ دائیں ہاتھ والے سے بلند تر ہے۔ جب قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والے کو ملتی ہے اور دائیں ہاتھ والا بائیں کی جگہ آ جاتا ہے۔ عالم کون و فساد میں انتظام رکھنا زیادہ مشکل ہے، بہ نسبت عالم علوی کے، اس لیے بائیں ہاتھ کا وزیر زیادہ قوی اور تجربہ کار ہوتا ہے۔ (افاضہ: فیض رسانی+عالم سفلی: دنیا+ اماماں: دو رہبر، گائڈ، وزیر)

۴) اوتاد: چار ہوتے ہیں اور عالم کے چاروں کھونٹ پر ان میں سے ایک ایک متعین ہوتا ہے۔ جس کا نام عبد الودود ہوتا ہے وہ مغرب میں رہتا ہے جو مشرق میں رہتا ہے اس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ تیسرا جنوب میں جس کا نام عبدالرحیم ہے۔ چوتھا شمال میں جس کا نام عبد القدوس ہوتا ہے۔ قیامِ عالم میں ان سے میخوں کا کام لیا جاتا ہے اور بمنزلہ پہاڑ کے ہوتے ہیں۔ جن سے زمین کی سرسبزی بھی مقصود ہے۔ قول باری تعالیٰ ہے:

الم یجعل الارض مھاداً والجبالَ اوتادا (ع ۱)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا فرش اور وسیع جگہ اور پہاڑوں کو (بطور) میخ کے۔ (اوتاد: وتد کی جمع ہے، بمعنی میخیں)

۵) ابدال: انھیں یداللہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ ان کا مشرب سات انبیاءؑ کے مشرب پر ہوتا ہے۔ یہ سات ابدال حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابدال اقلیم اول: برقلب ابراہیمؑ نام عبدالحیّ
۲۔ ابدال اقلیم دوم: برقلب موسیٰؑ نام عبدالعلیم
۳۔ ابدال اقلیم سوم: برقلب ہارونؑ نام عبدالعزیز
۴۔ ابدال اقلیم چہارم: برقلب ادریسؑ نام عبدالقادر
۵۔ ابدال اقلیم پنجم: برقلب یوسفؑ نام عبدالقاہر

۶۔ ابدال اقلیم ششم: برقلب عیسیٰؑ نام عبدالسمیع
۷۔ ابدال اقلیم ہفتم: برقلب آدمؑ نام عبدالبصیر

ان سات ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر ہیں جنھیں اس قوم پر مسلط کیا جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ قہر نازل فرماتا ہے اور یہی ذریعۂ مقہوری بنتے ہیں۔ ان سات ابدالوں کو قطبِ اقلیم بھی کہتے ہیں۔ علاوہ متذکرہ بالا کے پانچ اور بھی ہوتے ہیں جو ملک یمن میں رہتے ہیں، جن میں قطبِ اقالیم کا فیض قطبِ ولایت پر اور قطب ولایت کا فیض جملہ اولیاء پر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں (۳۵۰) تین سو پچاس ابدال اور بھی ہوتے ہیں جن میں سے تین سو قلبِ آدم پر ہیں۔ بقول میر سید محمد جعفر مکیؒ: یہ ۳۵۰ نہیں بلکہ ۴۰۴ ہیں۔ جو مختلف انبیاء کے مشرب پر ہیں۔ (مشرب: دین)۔

۶) اخیار: متذکرہ بالا ابدال میں سے سات ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ انھیں اخیار کہتے ہیں۔ ان سب کا نام حسین ہے۔

۷) ابرار: ان ہی میں سے چالیس ابدال ابرار کہلاتے ہیں۔

۸) نقبا: یہ سب تین سو ہیں اور ان سب کا نام علی ہے۔

۹) نجبا: ستر ہیں۔ نام ان کا حسن ہے۔ مصر میں رہتے ہیں۔

۱۰) عمد: چار ہیں۔ نام ان کا محمد ہے۔ زوایائے ارض (زوایا جمع ہے زاویہ کی۔ اس کا معنی ہے کونہ، گوشہ زمین کے سب کناروں پر۔ زمین کے تمام گوشوں پر) میں رہتے ہیں۔ (عمد: pillars)

۱۱) مکتوبان: یہ لوگ چار ہزار ہوتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار نہیں پہچان سکتے۔

۱۲) مفردان: افراد کو کہتے ہیں۔ جب قطبِ عالم ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے۔ فرادانیت میں پہنچ کر وہ تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

رخت (ہستی)

(لفظی سامان، زادِ راہ) سامانِ عقل و خرد۔ لہٰذا رختِ ہستی کے معنی اسبابِ عقل و خرد ہوئے۔

رُخ۔ رُو:

ذاتِ حق، تجلیاتِ محض، مرأتِ تجلیات (مرأت: آئینہ) بقا بالحق اور بھی بہت سے اشارات ہیں۔ تنویرات و تجلیات، واحدیت اور کبھی جمالِ حقیقت۔ (محض، خالص، محبت خلوص) (حقیقت۔ روحانی پاکیزگی یا جمال)۔

رُخسار:

ایک طرح سے صورتِ انسانی کا خلاصہ ہے۔ رخسار کو بدن سے وہی نسبت ہے جو فاتحۃ الکتاب کو قرآن سے ہے۔ فاتحہ کا نام سبع مثانی بھی ہے۔ حق تعالیٰ کے بھی مرتبۂ عین (idenity with God) اور مرتبۂ علم میں سات اعتباراتِ کلی ہیں۔ جنھیں صفاتِ سبع ذاتیہ بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ یہی اُمہات الصفات ہیں۔

زلف و عارض سے کبھی کفر و ایمان کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے، کبھی جمال و جلا، کبھی کثرت و وحدت۔ زلف میں کثرتِ تعیناتِ (تخلیقِ عالم کا نزول مختلف stages میں۔ ہر سٹیج (مرتبہ) ایک تعین ہے) کی تاریکی اور درازی ہے اور عارض میں وحدت کی چمکدار جامعیت۔ نور و ظلمت، صُوری اور معنوی، دن رات، ابر و آفتاب، موحد و زندیق، مؤمن و کافر، خوف و رجا، قبض و بسط یہ سب کنائے زلف و عارض یا رُخ و زلف میں موجود ہیں۔ اس سے کبھی حقیقتِ

جامعہ اور کبھی وحدانیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

ردا:

سالک میں صفاتِ حق کا ظہور یا صفاتِ حق میں سالک کا ظہور۔ (لفظی: چادر۔ چغہ مجازی: رات)

رسم:

(رسم سے کبھی خلق اور صفاتِ خلق بھی مراد ہوتے ہیں)۔ ہر وہ کام یا عبادت جو بلانیت تقربِ حق ادا کی جائے۔ رسماً اور عادتاً عمل میں آئے مگر انسان کا مرتبہ جملہ مخلوقات میں بڑھا ہوا ہے۔ اسے ایک تیسری روح بھی ملی ہوئی ہے۔ جسے روح انسانی یا روح ملکوتی یا روح الروح بھی کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایک برزخ ہے جس کے ذریعہ ان دونوں میں زیادہ قوی رابطہ رہتا ہے اور اسی کے واسطہ سے حق وعبد کے درمیان یہ سلسلۂ راز و نیاز جاری رہتا ہے لیکن سب ایک ہی اصل کی جانب راجع ہیں۔ (نوٹ: برزخ: پردہ یا آڑ (b) دو مخالف چیزوں کے بین بین ایک ملتی ہوئی چیز a connecting link)

جملہ یک نور است اما رنگہائے مختلف
اختلافے درمیانِ ایں وآں انداختہ

(نور تو سارے کا سارا ایک ہی ہے لیکن مختلف رنگوں کی وجہ سے مختلف لوگوں میں اختلاف پڑ گیا ہے)

چونکہ روح انسانی اپنی حقیقت کے لحاظ سے روح اعظم ہے اور روح اعظم مظہر ربوبیت ذات الٰہی ہے۔ اس لیے ممکن نہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی اس کی کنہ کو پہنچے۔ (نوٹ: روح اعظم کنایۃً اللہ تعالیٰ)۔

جس طرح عالم کبیر (یعنی کائنات میں) بہت سے مظاہر اور اسماء ہیں جیسے عقل اول۔ قلم اعلیٰ اور ونور نفس کلی اور لوحِ محفوظ وغیرہ اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بہت سے مظاہر و اسماء ہیں۔ نفسِ کلی جس کا تعلق رب سے ہو یا جو سب پر حاوی ہو جیسے اللہ کا تخت۔

رَشَحات: (Tricklings)

لغوی معنی قطرات ہیں۔ تصوف میں علوم و فیوض و معارف و (دقائق) حقائق جن کا تقاطر (dripping) عالمِ قدس سے قلبِ سالک پر ہوتا رہتا ہے۔

رضا:

(لفظی: خوشنودی) اللہ تعالیٰ پر اعتمادِ کلی رکھنا اور اس کے برتاؤ سے خوش رہنا۔ ادنیٰ مرتبہ صبر ہے اور اعلیٰ مرتبہ تسلیم ہے۔ بقول مجددؒ یہ مقام ولایت کے تمام مقامات سے بڑھ کر ہے۔ اس میں قضائے الٰہی سے سب چون و چرا چلی جاتی ہے اور سالک اپنی خواہش کو اللہ کی رضا کے تابع کر دیتا ہے۔ رضا کا متحقق ہونا اس لیے درکار ہے کہ جب سالک کا دل قضا پر راضی ہو جائے تو احکامِ امرونہی پر راضی ہونا بدرجۂ اولیٰ میسر آجاتا ہے۔

غیر مکانی، غیر فضائی (Non Spatial) ہونے کی بنا پر اللہ اور روح ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔ خلق الآدم علی صورتہٖ سے یہی مراد ہے۔ (قضائے الٰہی (Providential judgement, decree

رفتن:

عالمِ علوی سے عالمِ سفلی کی جانب منتقل ہونا۔

(To move from heaven to earth viz from upper Regions to Lawer Regions)

رفرف اعلیٰ:

مکانتِ الٰہیہ (Almighty's dignity or place)

(اسرافیلؑ کی جائے رہائش)۔ غالباً یہ اعلیٰ علیین ہے۔

(Highest abode on 7th Heaven)

رَفرَف: (green cloth out of which carpets are made) rapid motion of the waves, a pillow, a cushion, the abode of ISRAFIL etc.

FULTTERING of Wings.

رقیب: (Allah's Name, Preserver)

نفسِ امّارہ اور حواسِ خمسہَ ظاہری و باطنی اور ہر وہ چیز جو محبّ و محبوب کے درمیان رخنہ اندازی کرے۔

(The Commanding Soul or lust (viz Concupiscense i.e. five senses, which put abstacles between both)

رقیقہ:

علمِ طریقت و سلوک۔ جس سے سالک کا دل رقیق (نرم) ہو۔ کثافاتِ نفس میں کمی ہو۔ صفائی قلب و لطافتِ روح میں ترقی ہو۔ اخلاقِ حسنہ و مقاماتِ رفیعہ جو طالب کو مطلوب تک پہنچانے میں مدد دے۔ محدثین نے اس نوع کے آثار یا ادعیہ کو کتاب الرقائق کے تحت میں جمع کیا ہے۔ (رقیقہ: باریک بینی، لفظی غلام عورت)۔

رند: (Outwardly rogue but not by heart)

جو اطاعت میں اعمال سے قطع نظر کرتا ہے۔ جو رموز و حقائق کو بے پردہ و برملا بیان کرتا ہے۔ پابندیوں سے آزاد۔ شرعی حدود و قیود کی پروا نہ کرنے والا۔ شرابی کو بھی کہتے ہیں۔

رُوح:

ویسئلونک عن الروح.. الخ (بنی اسرائیل، ع ۱۰)

۱) روحِ حیوانی: جس سے نکلنے سے انسان مر جاتا ہے۔

۲) روح انسانی: ایک اضافی چیز ہے۔ اللہ کا نور ہے۔ جس کا پرتو روح حیوانی پر ڈالا جاتا ہے یا یوں کہیے کہ یا علیمٌ کی شعاع علم ہے جو فہمِ انسانی پر چمکتی ہے۔ اسے روحِ ملکوتی بھی کہتے ہیں۔

۳) روح القدس: اس کا وجود حق تعالیٰ سے ہے جو احاطۂ کن سے خارج ہے اور مخلوقات میں شامل نہیں۔ اس سے آدمؑ میں روح پھونکی گئی۔ یہ نقائص کونیہ سے پاک ہے اور وجہ الٰہی کے ساتھ ہر چیز میں تعبیر کی جاتی ہے۔ ولکل وجهة هو موليها (البقرہ: ۱۴۸) اور ونفخت فيه من روحی (الحجر: ۲۹؛ ص: ۷۲) اور فاينما تولوا فثم وجه الله (سورۃ بقرہ، آیت ۱۱۵) سے اسی اور اسی روح سے اشارہ ہے۔ اسی وجہ پر ہر چیز میں اللہ کی روح ہے اور اس بنا پر روح القدس کہلاتی ہے۔ اسی کو روح الارواح کہتے ہیں۔ سرّ الٰہی اور وجود ساری کے ساتھ بھی تعبیر کرتے ہیں۔ محسوسات میں ہر چیز روح الٰہی کی محتاج ہوتی ہے، جسے روح القدس کہتے ہیں۔

ذوقی شاہ کی تشریح شاہ ولی اللہ کی تشریح سے بالکل مختلف ہے۔

انسان میں بہت سے مظاہر و اسماء ہیں باعتبار ظہور اور مراتب کے اس اسما کے اصطلاحی نام یہ ہیں۔ سرّ، خفی، روح، کلمہ، فواد، صدر، رَوع (خوف، دل کا خوف)، عقل، نفس۔ جیسے فانه يعلم السرّ وما اخفىٰ (ب) قل الروح من امر ربی (ج) ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلبٌ اوالقی السمع وهو شهيد (د) کلمته من الله (ہ) (عیسیٰؑ کے بارہ) ورُوح منه (و) ماکذبَ الفوادُ مارأی (ز) الم نشرح لک صدرک (شرح صدر) (ح) و نفس وما سواها اور حدیث نبوی ہے: ان روح القدس نفس فی روحی، ان نفساً لن تموت حتیٰ تستکملُ رزقها . یعنی روح القدس نے میری روح میں پھونکا کہ کوئی نفس اپنا رزق پورا کیے بغیر نہ مرے گا۔ نوٹ: آیت بالا میں ذِکریٰ بمعنی نصیحت، یاددہانی ہے۔ اوالقیَ السمعَ جو کان لگا کر سنے۔

نوٹ: روع۔ ر پر فتحہ اور ضمہ دونوں ہیں قریب المعنی ہیں۔

۱) سرّ: اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا نور صرف صاحب دل اور راسخین فی العلم ہی کو معلوم ہے۔

۲) خفی: اس لیے کہ عارف اور غیر سب پر مخفی ہے۔
۳) روح: یہ لطیفہ بدن کا' رب اور حیاتِ حسی کا مصدر اور قوائے نفسانی پر فیضانِ حیات کا منبع ہے۔ (قوائے نفسانی: وہ قوتیں جن کا تعلق دماغ یا نفس سے ہے یعنی باصرہ' سامعہ' ذائقہ' لامسہ' خیال' حافظہ یا واہمہ۔ حیات حسی قوتِ مشترک یا خیال ہے)
۴) قلب: اس لیے اس کا نام قلب ہے کہ جہتِ حق میں اور جہتِ نفس میں منقلب ہوتا رہتا ہے۔ بلحاظ اپنی جامعیت کے اسے لطیفہ انسانیہ بھی کہتے ہیں۔
۵) کلمہ: (خدا کا نام) جب نورِ حق تعالیٰ متذکرہ بالا طریقہ سے قلب کی وساطت سے نفس میں آ کر ظہور کرتا ہے تو اسے کلمہ کہتے ہیں۔ (رب اور حیاتِ حسی ہونے کی وجہ سے) یہی دینِ اسلام کی صداقت کا عقیدہ ہے۔
کلمتہ اللہ و روح منہ: حضرت عیسیٰؑ کلمتہ اللہ اس لیے ہیں کہ ان کو نورِ حق تعالیٰ بواسطہ سرّ قلب و ساطت سے نفس میں آ کر ظہور کرتا ہے تو اسے کلمہ کہتے ہیں (رب اور حیاتِ حسی ہونے کی وجہ سے) یہی دین اسلام کی صداقت کا عقیدہ ہے۔
کلمتہ اللہ و روح منہ: حضرت عیسیٰؑ کلمتہ اللہ اس لیے ہیں کہ ان کو نورِ حق تعالیٰ بواسطہ سرّ و قلب و سرّ روحِ نفس میں آ کر ظہور پذیر ہوا اور اس طرح نفس بھی پاک ہو کر الم نشرح لک صدرک کا مصداق بنا۔ اس سے پیشتر وہ تصدیق قلب فی ذکر الٰہی (اللہ اللہ) کا مصدق بن گیا اور آخر کار وہ ''ونفس وما سوّٰھا'' (اور نفس جس طرح ترتیب دیا گیا س ۹۱:۷) یعنی نفس کو ایک مناسبت دی گئی۔ کا مصداق بن گیا اور اس طرح اسے معرفتِ نفس اور معرفت خدا بھی حاصل ہو گئی اور ان کا نور صاحبانِ دل اور راسخین فی العلم کی معرفت بن گیا (۲) روح منہ سے وہ رب (یہاں مراد ربوبیت ہے) اور حیاتِ حسی کا مصدر و منبع بن گئے اور اس طرح وہ نفس انسانی (خیالِ انسانی) اور حیاتِ حسی کے لیے اللہ کے نور کے جامع اور ساقی و مطرب بھی بن گئے۔
اسی طرح رُوح القدس بھی ایک ایسا نفس ہے جو اللہ کے خوف اور جاہ و جلال کا مرکز ہیں۔ خود بالآخر اللہ کے جاہ و جلال دونوں کا مرکز بن جاتے ہیں۔ روحِ قدس (روح الامین) جبرئیلؑ ہیں۔
Dr. H.Winfield اور نکلسن نے بھی کلمہ کے معنی Logos کے دیے ہیں۔ یونانی زبان میں Logos کے معنی word of God, Second person of Trinity, wrd, speak, Logos کے معنی reason, account. choose' صوفیانہ معنی میں استعمال ہوتا ہے جسے یونانی زبان جاننے والے فلاسفروں نے اور نوافلاطونی فلاسفہ نے (Neo Platonic) نیز St.John نے بھی استعمال کیا۔
۶) فواد: نورِ اللہ کا ماوا اور مبدعِ فیاض ہی کی جانب سے ان انوار کا صدور ہوتا ہے اور جملہ انوار کا صدور صدر ہی میں ہوتا ہے۔ (ماورا: اصل' جوہر)۔
۷) صدر: ان انوار کے بدن سے متصل ہونے کی جہت سے لطیفہ کا نام صدر ہو جاتا ہے۔
۸) عقل: جب نفس اپنی ذات اور تعینِ خاص میں جملہ شرائط کے ساتھ صحیح حدود میں مقید ہو جاتا ہے' تو اسے عقل کہتے ہیں (especilly specified)۔
۹) نفس: بدن سے تعلق اور بدن کی تدبیر کی جہت سے اسے نفس کہتے ہیں۔
الف) نفس نباتی: جب نفس سے افعال نباتی (vegetation, growth) کا ظہور ہو۔
ب) نفس امارہ (The Commanding Soul):
جب نفسِ حیوانی کا غلبہ ہو تو اسے ہی نفسِ امارہ کہتے ہیں۔

ج) نفسِ لوامہ (The Reproaching Soul) :
جب نفس پر قلب کی جانب سے انوار چمکنے لگتے ہیں اور نظر انجام پر پڑتی ہے اور وہ عقل سے اتفاق کرنے لگتا ہے اور اپنی کمزوریوں کا اسے ادارک و احساس ہونے لگ جاتا ہے تو اسے نفس لوامہ کہتے ہیں۔ حدیثِ قدسی ہے:

لا یسعنی ارضی ولاسمائی و یسعنی قلب عبد مومن
(میری زمین اسے سمو نہ سکی اور نہ ہی آسمان لیکن قلب بندۂ مومن نے اسے سمولیا)

نفس کو روح حیوانی سے مناسبت ہے اور عقل کو روح ملکوتی سے۔ قلب ان دونوں کا جامع ہے۔ اسی جامعیت کی بنا پر قلب لطیفۂ انسانیہ ہے۔ عقل گویا روح کی زبان ہے۔ روحِ حیوانی کے تسلط سے آزادی کے بعد قلب روح بن جاتا ہے اور عقل اس کا سرّ ہو جاتی ہے۔ روح قلب سے لطیف تر اور سرّ عقل سے روشن تر ہے۔ قلب کا کام وجد ہے۔ روح کا الفت۔ عقل کا کام یقین اور سرّ کا کام مشاہدہ ہے۔

جب سالک روح حیوانی سے بالکل خلاصی پالیتا ہے تو روح ملکوتی اسے اپنی جانب کھینچتی ہے تو وہ روح القدس میں محو ہو جاتا ہے۔ اسے مقام بقا باللہ حاصل ہو جاتا ہے جو نبوت کا ورثہ ہے یا پھر نفسِ ناطقہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور وہ انانیتِ کبریٰ (greater egotism or self pride) میں فنا ہو جاتا ہے اور وہ نئے سرے سے بقا پاتا ہے اور یہ ولایتِ کبریٰ ہے یا پھر وہ ورثہ نبوت (بقا باللہ) اور ورثۂ ولایتِ کبریٰ یا انانیت کبریٰ دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ اس مقام کو جمع الجمع کہتے ہیں۔ ایسا شخص دونوں طرف سے خطاب کیا جاتا ہے۔ کبھی نفس کلیہ کی جانب سے بجہت انانیت کبریٰ اور کبھی روح القدس کی جانب بجہتِ ملاءِ اعلیٰ (انانیتِ کبریٰ: وہ انانیت یا انا جو ذاتِ الٰہی کی طرف میلان یا رجوع رکھتی ہے۔ بقا باللہ مقامِ ہوش ہے فنا کے بعد)

نفس کی کمزوری یہ ہے کہ شہوتوں اور لذتوں کا تابع ہو جائے اور اس کا کمال یہ ہے کہ ان کو اپنا تابع بنالے۔

نفس ناطقہ : قلب کا وظیفہ وجدان ہے۔ عقل کا وظیفہ فہم و ادراک ہے۔ نفس حیوانی جب ترقی کر کے نفسِ انسانی بن جاتا ہے تو اسے نفسِ ناطقہ کہتے ہیں۔ نفسِ ناطقہ کی تین اقسام ہیں:

(۱) قوائے طبیعیہ (۲) قوائے حیوانیہ (۳) قوائے ادراکیہ۔

قوائے طبیعیہ (nature genious) کا مقام جگر ہے۔ قوائے حیوانیہ کا مقام دل ہے اور قوائے ادراکیہ کا مقام دماغ ہے۔

نباتات: جس کے قوائے طبیعیہ دیگر قویٰ سے قوی تر ہوں اسے نباتات سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جب قوائے حیوانیہ کا غلبہ ہو تو وہ شخص درندوں اور چوپایوں کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر قوائے عقلیہ کا غلبہ ہو تو اس شخص کو ملائکہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ تینوں فوارے ایک ہی سرچشمے سے ہیں۔ ان کے افعال مختلف پھوٹتے ہیں مگر ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

عالم ارواح : عالم ملکوت۔ جس کی فرع عالم محسوس ہے۔ اس کی تفصیل عالم وجود ہے۔ اس کا ظہور عالمِ محسوس میں وقت و ترتیب وحال کی مناسبت سے ضروری ہے۔ عالمِ ارواح میں معانی محسوس صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ عالم ناسوت (human nature, world) میں کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے آواز دیتے ہیں اور پکارتے ہیں۔ لیکن اس کے قائم مقام عالم ارواح یعنی ملکوت میں کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس کا تصور کرتے ہیں اور اس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روح بھی متوجہ ہو جاتی ہے۔ ارواح کی عادت ہے کہ جس چیز کی جانب متوجہ ہوتی ہیں اس میں حلول کرتی

ہیں مگر اس طرح پر کہ اپنے مرکز اصلی سے جدا نہیں ہوتیں۔ مثل آفتاب کے جو عالم کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس میں حلول کرتا ہے مگر اپنے مرکز سے جدا نہیں ہوتا۔

ارواح جب کسی صورت میں متشکل ہوتی ہیں تو وہ اس صورت سے بالذات جدا نہیں ہوسکتیں اور اپنی بساط اصلی کی طرف نہیں لوٹ سکتیں لیکن اس کی طاقت رکھتی ہیں کہ اپنی اصلی صورت کو چھوڑے بغیر جس صورت کے ساتھ چاہیں' متشکل ہوسکیں۔ روح باعتبار اپنے مجرد ہونے اور عالم ارواح کی چیز ہونے کے بدن سے مبرا (مغائر) ہے لیکن اس اعتبار سے کہ بدن اس کی صورت ہے اور عالمِ شہادت میں اس کے کمالات کا مدار بدن ہی پر ہے' روح بدن کی محتاج ہے۔ (روح کا بدن میں ایسا سریان ہے جیسا وجود مطلق کا موجوداتِ عالم میں۔ جس جہت سے حق تعالیٰ اشیا کا عین ہے' روح بدن کی عین ہے۔ جس جہت سے حق اشیا کا غیر ہے روح بدن کی غیر ہے) جب اللہ تعالیٰ عالم بیداری میں کسی کو اس کی روح کو اڑتا ہوا دکھاتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ خود اُڑ رہا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوتا ہے۔

ارواح بسیطہ سے مرادارواح مجردہ یعنی روحِ محض ہے۔ روحِ عالم سے اکثر آدمؑ کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان کو اس عالم سے وہی نسبت ہے جو روح کو جسم کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے روحِ عالم کا اطلاق سرور کائنات نبی کریمؐ پر بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی روحِ عالم اور جانِ عالم ہیں۔

روز و شب:

وحدت و کثرت۔ نور وظلمت۔ ایمان و کفر۔ جمعیت وتفرقہ۔ بعض مواقع پر بروز تاریک کا استعمال ہوتا ہے۔ جس سے تعینات امکانی مراد ہیں جو مثل دن کے ظاہر ہیں مگر حقیقتاً مثل تاریکی کے معدوم ومظلوم ہیں۔ شبِ روشن کا مقتضا ہے نورِ ذات کا۔ نورِ سیاہ (فنائے ماسویٰ کا)

روزہ نماز:

توجہ باطن الی اللہ اور اعراض ماسویٰ اللہ۔ (س ۴: ۱۲۵)۔ اعراض: منہ پھیر لینا۔

روسیاھی:

سواد الوجہ فی الدارین سے اس مقامِ بلند کی طرف اشارہ ہے' جہاں سالک دونوں جہاں سے تجاوز کر جاتا ہے اور یہ دونوں جہاں اس کے لیے تاریک ہو جاتے ہیں۔ عدمِ اصلی کی جانب اس رجوع کو فقرِ حقیقی کہتے ہیں۔ الفقر سوادُ الوجہ فی الدارین۔

رویائے صادقہ:

رؤیا دیکھنا' نظر آنا' صادقہ' صادق سچا' سچا القاء

سچا خواب۔ یہ بھی ایک زبان ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندے سے باتیں کرتا ہے۔ نفسِ ناطقہ (نفس انسانِ نیک و بزرگ) محض ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے اور بدنِ انسانی میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حکم الٰہی سے مقید کر دیا گیا ہے۔ اپنے اصلی وطن کی طرف اس کا ہمیشہ میلان رہتا ہے۔ اگر یہ نفس بدن میں پاک رہا تو اس کی خبر رسانی کا ذریعہ بیداری میں حواسی (ہوش' عقل' سمجھ والا) اور خواب میں وہم وخیال ہیں۔ بیداری ہی میں مرکزِ اصلی کی جانب متوجہ ہونے سے عالمِ غیب کی باتیں حسبِ استعداد منکشف ہو جاتی ہیں۔ یہ حالت انتہائے کمال کی ہے۔ روح کی اس درجہ صفائی نہ ہونے سے حواسِ خمسۂ ظاہری' قوت مدرکۂ باطنی کے لیے حجاب بن جاتے ہیں۔ نیند میں حواس' خمسۂ ظاہری کا تعطل ہوتا ہے تو حجابات اٹھتے ہیں۔ انکشافات کا دروازہ کھلنے سے رویائے صادقہ نظر آنے لگتے ہیں۔ نیند ایک چھوٹی موت ہے۔ تاہم نفس کے واسطے نیند ایک اعلیٰ حالت ہے۔ قوائے نفس اگر کامل نہ ہوں تو حواسِ ظاہری کا اشیا دیکھنا زیادہ معتبر ہے۔ قوائے نفس کامل ہوں تو نفس کا مشاہدہ بھی معتبر ہے

کیونکہ بخلاف حواس کے نفس کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ حقائق اشیا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی بنا پر عالم و عارف کی نیند کو جاہل و عارف کی بیداری پر فضیلت دی جاتی ہے۔

پہلی قسم نفسِ مطمئنہ کا خواب ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو۔

لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ (یونس' ع ۷)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ دنیوی بشارت رویائے صادقہ ہیں اور اُخروی بشارت رویتِ حق ہے۔ یہ خواب تعبیر کے بھی محتاج نہیں ہوتے۔

دوسری قسم نفسِ لوامہ والوں کے خواب ہیں وہ اسی زبان میں ہوتے ہیں جسے وہ سمجھتا ہے۔ وہ اس پر بھی قادر نہیں ہوتا کہ خواب کو جیسا دیکھتا ہے ویسا ہی بیان کر سکے۔ لہٰذا یہ کسی معبر کا محتاج ہوتا ہے۔ قسم اول و دوئم کے خواب بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔

تیسری قسم نفسِ امارہ والوں کے خواب ہیں۔ یہ سب شیطانی خواب ہیں۔ انھیں بدخوابی' اضغاث و اَحلام (Confused dreams) اور احتلامِ شیطانی بھی کہتے ہیں۔

تعبیر: معبر میں مندرجہ ذیل اوصاف کا ہونا ضروری ہے: دانا ہو' قرآن مجید کا عالم اور حدیث نبویؐ کا ناظر ہو۔ (۲) زبان سے آگاہ وہ اور اشتقاقِ لفظی سے واقفیت ہو۔ (۳) قیافہ شناس اور مردم شناس ہو۔ (۴) اصولِ تعبیر میں ماہر ہو (۵) پرہیز گار ہو اور صادق القول ہو۔

درختوں کے پھلنے اور پختہ ہونے کا موسم۔ شب کے آخری حصہ اور وقتِ قیلولہ کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں اور ان کی تعبیر جلد پوری ہوتی ہے۔ برعکس اس کے موسم زمستان اور بارش کے خواب نسبتاً ضعیف ہوتے ہیں۔

رویت: نظر آنا

کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا (نہ کہ بصیرت سے معلوم کرنا)۔

ریا: مکاری' منافقت

دکھلاوے کی غرض سے عبادت کرنا۔ ریا کا تعلق قلب سے ہے نہ کہ اعمال سے۔

ریاضت:

تزکیہ نفس اور تہذیب الاخلاق اور اوصاف ملکوتی کے حصول میں مشقت اٹھانا۔

ریحان:

ایک خاص قسم کی خوشبو دار گھاس۔ اصطلاحاً وہ نور جو تزکیۂ باطن اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے۔

ریاست الٰہی:

خدا کی بادشاہت' حدود الٰہی۔ سرداری' حکومت' غلبہ (SWAY, Command)

ز

زاجر:

داعی الی اللہ' وہ فرشتہ جو دل میں متوجہ الی اللہ ہونے کی رغبت پیدا کرتا ہے۔

زاجر=1) One who prohibits,one who excites & stirs,2) threatener

زاہد:

زہد کا سالک' دنیا سے بے نیاز' بندۂ خدا جو حظِ نفس کو چھوڑ دے۔ دنیا اور اس کے متعلق جملہ آرزوؤں سے دست بردار ہو جائے حادث کو قدیم کے لیے ترک کر دے۔ مجاز (خلاف حقیقت و اصلیت) وتشبیہ (ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند ٹھہرانا) سے اجتناب کرے۔ تنزیہہ محض اختیار کرے۔

زاہد خشک:

جس میں بوئے عشق نہ وہ۔ جاہل، بے معنی، ریا کار۔

زبان:

منہ کے اندر، دانتوں کے درمیان ایک متحرک لوتھڑا، گوشت کا۔ اسرارِ الٰہی۔ ذکرِ الٰہی کرنے والی، کلام کرنے والی۔

زجاجہ:

زجاج، شیشہ، آئینہ، مظاہرِ حسی کی صورتیں، جن کے لیے حق تعالیٰ مبتدی کے لیے عالمِ مثال (dreams, ecstasy, world of fancy) میں متجلی ہوتا ہے۔ اس قسم کی تجلی کو تجلیِ افعال کہتے ہیں۔ جن صورتوں میں یہ تجلی ہوتی ہے اسے زجاجہ کہتے ہیں۔

مبتدی جو مشہود[1] ذاتِ مطلق تک نہ پہنچا ہو۔[1] ظاہر، موجود، ثابت کیا گیا Witnessed, proved

زُجاجۃ = abit of glass, a cup, a piece.

زر: زادراہ

کنایہ ہے ریاضت و مجاہدہ سے، ریاضت و مجاہدہ ہی وہ زادِ راہ ہے جس سے مسافرِ آخرت اپنی منزل طے کرتا ہے۔

زردی:

صفتِ سلوک۔ سلوک میں عشق کو بڑا دخل ہے اور عاشق کو زردی سے ایک مناسبتِ خاص ہوتی ہے:

عاشقاں راسہ نشان است اے پسر
آہِ سرد و رنگِ زرد و چشمِ تر

لہٰذا زردی سے صفتِ سلوک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ:

ترک و ایثار و تزکیہ، جس طرح زکوٰۃ دے کر باقی مال کو پاک کر لیا جاتا ہے اس طرح ترک و ایثار سے بھی تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے۔

زلف:

لمبے بال، عورت یا محبوب کے، علامت حسن، علامت سیاہی، شب دیجور کے معانی میں بھی آئی ہے۔

سلسلۂ تعینات، تجلیاتِ جلالی درصورِ جسمانی، جذب الٰہی، پریشان کرنے والی حالت یا پریشانی، ابتلا، مقام راز و اخفا، مظاہر کثرت، احکامِ کثرت کی قیود کے واسطے سے گرفتاریِ عشاق۔ اسما اور صفات کا پوشیدہ ظہور۔

زلف میں سیاہی بھی ہے اور درازی بھی اور چمک بھی، تعینات (Spiritual assignments) بھی حجاب ہیں اور بوجہ حجاب ہونے کے سیاہ ہیں اور مثل زلفِ دراز کے تعینات بھی بے شمار اور لاتعداد ہیں۔ زلف رخِ زیبا کو چھپا لیتی ہے۔ تعینات بھی ذات کو (وجہ ذاتِ حقیقی) کو چھپا دیتے ہیں۔

عاشق دیوانہ چوں خواہد کہ بیند روئے یار
زلفِ اُو آشفتہ گشتہ پیچ و تابی می کند

سلسلۂ زلفِ معشوق وہ زنجیر ہے جس میں عشاق جکڑ لیے جاتے ہیں اور قیودِ کثرت (کثرت سے دنیاوی تعلقات بھی مراد ہوتے ہیں) سے گزرنے نہیں پاتے۔ زلف کا پیچ و تاب یا خمِ زلف وہ اشکال الٰہی ہیں جہاں ہر کس و ناکس کی رسائی نہیں ہوئی۔ احکامِ کثرت میں ہر چیز اور ہر شخص بوجہ ایک تعین ہونے کے زلف کی ایک شکن ہے۔ تعینات میں انسان کامل کو اسیرِ زلف کہا جاتا ہے (یا سرِ زلف کہا جاتا ہے)؟ کیونکہ سلسلۂ تعینات کی وہ انتہا ہے۔ زلف کو کوتاہ کرنا قیودِ تعینات کا رفع کرنا ہے۔

زلف برافشاندن:

(یا چین برافشاندن زلف) سے رفع تعینات مراد

ہیں۔ (چین wrinkle)

زلف ساکن داشتن:

اس سے تعینات کا بحال رکھنا مراد ہے۔ (لفظی: remission)

مہم زلف، فہم زلف یا بے آرامیٔ زلف سے تعینات کا راز معلوم کرنا ہے۔

سلسلۂ زلف دراز:

عالم ظہور میں تضادِ اسمائی اور تضادِ صفاتی وہ کجی و تخالف ہے جس نے راستیٔ قد کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔

راستیِ قد:

سے اعتدال کی طرف اشارہ ہے۔ بمعنی تجلی ذات کائنات کے ہر ذرہ میں۔

نوٹ: عین یا تعینات: وہ مقام یا ڈیوٹی جو کسی مومن کو پردۂ غیب سے ملی ہوئی ہے۔ رفع (تعینات) کا پورا کرنا، مکمل کرنا یا بلند کرنا مراد ہیں۔

قد و قامت:

برزخ ہے وجوب اور امکان کے درمیان۔ (لازمی اور امکانی)

زمان:

حرکتِ فلک اعظم کی مقدار جو دائمی ہے اسی سے بعض تعینات ماضی ہوئے اور بعض مستقبل قرار دیے جاتے ہیں۔ حال ہر دو میں فاصل اور مشترک تو گویا زمانہ ایک نہر جاری ہے نمودِ بے بود (make to make out ward show) کی، وقت زمان مطلق، خدا کا زمان۔ خدا حدود زمان و مکان سے ماوراء ہے۔ زماں ومکان کا اطلاق خدا پر نہیں ہوتا یہ خود مخلوق ہے، زمان ایک مسلسل حالت بہاؤ میں ہے۔ ماضی، حال، مستقبل، سیکنڈ، منٹ اور گھنٹہ یہ تمام تقسیم انسانی ہے تفہیم کے لیے۔ زمان کو نظریہ اضافیت نے روایتی تصورات سے آزاد کر دیا بعض صوفیا خدا کو زمان، دہر، دہور بھی کہتے ہیں اور اس کا ورد بن کرتے ہیں۔

زمزمہ:

نغمہ، آواز دیکھو جرس۔ موسیقی کے ساتھ پڑھنا یا گانا۔(A musical manner of reading (p.102)

زمستان:

مقامِ کشف (عقل، علم و بصیرت) (لفظی: سردی وغیرہ)

Winter, wisdom, science :زمستان

زنّار:

سالک کی یک رنگی و یک جہتی اور راہِ دین میں متابعت اور راہِ یقین میں استقامت، خدمت و اطاعت، زلفِ معشوق۔ (لفظی: دھاگہ) ہندو پنڈت بھی زنار پہنتے ہیں۔

زنان:

جو خانۂ طبیعت میں عورتوں کی طرح خانہ نشین ہیں اور قیدِ نفس میں مقید ہیں۔ میدانِ طلب میں نکلنے کی ہمت اور موانعات کو قطع کرنے کی شجاعت سے محروم ہیں۔ عورتوں کی طرح ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں۔

زندگی:

حیات، جینا، موت کی ضد، جس کی وجہ سے ہر چیز میں حرکت ہے۔

اگر زندگی بچانے کی قیمت میں پوری زندگی بھی مانگی جائے تو انکار ناشکری ہے۔

زنجیر زلف:

احکاماتِ کثرت کے پیچ و خم۔ اگر انھیں درہم برہم کر دیا جائے یعنی کھول دیا جائے تو دنیا میں ایک بھی کافر نہ رہے

اور سارا عالم مشاہدۂ جمالِ توحید الٰہی سے سیراب ہو جائے۔
دراصل دنیا میں کافر کوئی بھی نہیں کہ خدا کا انکار ممکن ہی نہیں۔
اس کا سارا جسم مومن ہے کافر اس کی زبان ہے جو اقرار توحید میں حجاب اور اقرار رسالت میں اپنی ہی نفی کرتی ہے۔
زلف سے کبھی تجلی اسم اور کبھی ذاتِ خالص بلا اعتبارِ صفات کی جانب بھی کنایہ ہوتا ہے۔

زنخ:

زباں کی لذات کا محل۔ (لفظی: تعریف، اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا)۔

زنخ (زن خ): the chin or pit in the chin. a word, discover, the conversation, idle unmeaning talks, boast, brag.

زورق(Boat)

کشتیِ تعین نشاءِ انسانی How man's growth was caused in descent; No1 boat, کشتی، جہاز زورق ship, a sort of cowl, worn by deveeshes. the silver skiff (light boat) i.e. Moon. (چاند؛ زورقِ سیمیں)

زورق، سیر زورق:

ترقیِ انسان، امواج کثرت کو عبور کرکے مقامِ وحدت تک پہنچنا۔

زاھد :

تھوڑی چیز پر قناعت کرنا۔ زاہد وہ ہے جو تھوڑی دنیا پر قناعت کرے مگر سالک حقیقتاً بڑا حریص ہوتا ہے۔ تھوڑی چیز پر قناعت نہیں کرتا بلکہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ حادث کو قدیم کی خاطر فانی کو باقی کی خاطر اور اسفل سے بے زار ہو کر اعلیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

س

ساربان:

قافلے کے آگے آگے اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلنے والا رہنما۔

رہنما، سالک، مرشد، قضا و قدر کیونکہ یہ بھی ساربانی کرتی ہیں۔ A camel driver, A Prophet, A prince

شتربان۔

ساحل:

کنارہ۔ مزید دیکھیں دریا و ساحل۔

ساعد:

صفتِ قدر و قوت (fore-arm) سالک: دیکھیں سلوک۔

ساغر:

ہروہ چیز جس میں مشاہدۂ انوارِ غیبی ہو اور ادراکِ معانی ہو۔ اسے پیمانہ بھی کہتے ہیں اور جام جم، جام جہاں نما بھی۔

ساقی:

شراب پلانے والا۔ نبی پاکؐ کو ساقی حوض کوثر بھی کہا گیا ہے۔
شرابِ محبتِ الٰہی پلانے والا۔ اسرارِ الٰہی کے ساغر لنڈھانے والا اور رغبت دلانے والا، رموزِ کشفی اور حقائق و معارف کا بیان کرنے والا اور دلوں کو نغمۂ توحید سنا سنا کر مستی میں لانے والا۔ پیر کامل و مرشدِ مکمل۔ وسقاھم ربھم شرابًا طھوراً (الدھر ع)۔ لہٰذا حق تعالیٰ ہی ساقی (مفیض ح اصلی) ہے۔
صورِ مثالیہ اور جمالیہ دیکھ کر بھی مستی پیدا ہوتی ہے

لٰہذا یہ بھی ساقی ہیں۔ ساقی کو مطرب بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ ترانۂ محبت اور نغمۂ توحید سنا سنا کر مست کرنے میں ساقی مطرب کا کام دیتا ہے۔

(نوٹ : صورت کی جمع صور ہے۔ مثالیہ : ایک دوسرے کے مانند' تشبیہ' ولہ مثل الاعلیٰ' شان (اللہ) مراد ہے۔ صورِ مثالیہ' جنھیں بطور نمونہ یا مثال پیش کیا جا سکے۔ جمالیہ: حسین جس میں شانِ رحمت کی تجلی نظر آئے۔ قابلِ محبت : دل آویز)

سالک:

وہ شخص جو سلوک کی راہ پر گامزن ہو سالک کہلاتا ہے۔ شروع میں سالکِ محض ہوتا ہے اور سلوک کے دوران میں جب وہ جذبہ حاصل کر لیتا ہے تو سالکِ مجذوب کہلاتا ہے اور جس کا جذبہ سلوک پر مقدم ہو تو وہ مجذوب سالک کہلاتا ہے۔

سبزی' سپیدی' سرخی:

سبزی' کمالِ لطف کو کہتے ہیں جو باعث شادابی ہے۔

سپیدی' یک رنگی و صفائی کو کہتے ہیں۔

سرخی' قوتِ سلوک ہے جو سرخ روئی کا باعث ہے۔

یعنی باعثِ عزت (honourable)۔

ستر یا استتار:

پردہ جو عوام کے لیے سزائے غفلت اور خواص کے لیے رحمتِ حق ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر باری تعالیٰ اپنے چہرے سے پردہ دور فرما دے تو اس کے انوار جہاں تک نظر جائے جلا کر خاکستر کر دے' چنانچہ جب انوارِ حقیقت اپنی شعاعیں قلبِ عارف پر ڈالتی ہیں۔ اس وقت خاصانِ خدا اپنے قلب پر ایک ایسا پردہ یاقوت طلب کرتے ہیں جو اس تجلی کا انھیں متحمل بنا دے اور استتار سے اس وقت یہی مراد ہوتی ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ:

سدرہ بیری۔ آخری مقام۔ وہ انتہائی مقام جس کے ذریعے سیر سے مخلوق خدا تک پہنچتی ہے۔ اس کے اوپر کسی کی رسائی نہیں۔

ہاتھی کے کان کے برابر پتوں والا بیر کا درخت یہی ہے۔ یہی مقامِ محمود ہے۔ نبی پاکؐ شب معراج اس مقام تک پہنچے۔

سرائر:

جمع ہے سریرہ کی' سالک کا وصولِ تام میں حق تعالیٰ میں محو ہو جاتا۔ (لفظی : تختِ شاہی)۔ مقامِ لی مع اللہ (معی اللہ)

سردی:

نفس کا فارغ ہونا۔

سرکشی:

سالک کی سرکشی یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔ اس کے برعکس حالت کو سرکشی نفس کہتے ہیں۔

سَر:

لفظی : چوٹی' خیال' خلاصہ' دماغ وغیرہ۔

سِر:

سر کا کام مشاہدہ ہے۔ ذکرِ سِرّی معائنہ ہے۔ (لفظی :سِرّ : راز' بھید)

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ سِر باطن ایسی شے نہیں جس کا روح اور نفس کی طرح مستقل وجود ہو۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر نفس صاف اور پاکیزہ ہو جائے تو روح نفس کے حجابات کی تاریکیوں سے آزاد ہو کر قرب کی بلندیوں کی طرف پرواز کرنا شروع کر دیتی ہے۔

اس موقع پر قالب (قلب کا جسم مضغہ بدن) بھی اپنے مرکز سے ہٹ کر روح کی طرف جھانکنے لگتا ہے اور اس میں ایک زائد صفت بھی پیدا ہو جاتی ہے جن لوگوں کو اس کا علم ہوتا ہے وہ اس زائد صفت کو قلب سے زیادہ پاکیزہ پاتے ہیں اس لیے وہ اس کا نام سرّ (باطن) رکھتے ہیں۔ جس طرح روح کی تلاش میں قلب کو ایک زائد صفت حاصل ہوتی ہے اس طرح روح بھی عروج کے وقت ایک زائد صفت حاصل کر لیتی ہے جو اسے معلوم کر لیتے ہیں وہ اس کا نام بھی سرّ رکھتے ہیں۔ اختلافِ صوفیا کی اس میں یہ وجہ ہے کہ وہ سرّ جسے روح سے لطیف تر سمجھا جاتا ہے اس سے مراد وہ روح ہے جس میں مذکورہ بالا صفت پائی جاتی ہو اور وہ سرّ باطن جو روح سے پہلے حاصل ہو جاتا ہے اس سے مراد وہ قلب ہے جس میں ایک مخصوص اور زائد صفت پائی جائے۔

روح و قلب کی اسی ترقی کے بعد نفس بھی ترقی کر کے قلب کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اپنی اصلی کینچلی اتار کر نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے اور پہلے سے زیادہ دلی مقاصد کی تمنا کرتا ہے کیونکہ اس وقت قلب اپنے مولیٰ کی مرضی پر ہو جاتا ہے اور اپنے ذاتی ارادوں اور اختیارات سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس طرح خالص بندگی کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے۔

سُحق

قہر الٰہی کے تحت انسان کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔

سُحق (breaking, tearing)

سُحق، ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔ سُحق؛ دوری؛ فاصلہ being

سُحق far, remote, distance

سُحق۔ فاصلۂ دوری، لمبا ہونا (پام کا درخت، جمع سُحوق۔ پام کے لمبے لمبے درخت)

سفر:

سالکوں کی اصطلاح میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت معنوی (روحانی، باطنی) کو سفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ (مقاماتِ سلوک کو طے کرنا ہی سفر ہے)

سقف المرفوع:

حقیقتِ الٰہیہ، مقام عالیہ الٰہیہ جو قلبِ سالک میں واقع ہے۔ بیت المرفوع کی جہت الوہیت ہے اور بیت قلب ہے۔

سُکر Drunkenness:

عالم مدہوشی۔ صحو عالم ہوش۔

سُکر، حسرت وحشت، غایت بیخودی و مدہوشی و تعطل عقل جو مشاہدۂ جمالِ معشوق کا نتیجہ ہو، یہ وہ حالت ہے جو غیب سے تقویت پاتی ہے اور لذت و طرب کا باعث ہوتی ہے۔

سُکر کے معنی نشے کے ہیں۔ یہ سالک کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں وہ عشق الٰہی یا تجلی الٰہی سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کا اختیار اور عقل کم و بیش ضائع ہو جاتے ہیں۔

SUKR= is intoxication. If in the state of mystic's mind in which he is overpowered by the love or vision or realization (achievement or attainment) of God's nearness, more or less he loses control of his self and reason.

(b) سُکر:

ابتدائے سلوک میں وہ واردات جو عقل کی شعاعوں پر غالب آ کر اسے مقید کر دیتی ہیں یا نور و شہود کی وہ تجلیات جو سلوک کی درمیانی منزل میں سالک کی مغلوبی کا باعث بنتی ہیں، لیکن ان واردات کی تکرار سے سالک مغلوب الحالی سے باہر آ جاتا ہے اور حقیقتِ شہود کا کماحقہ مشاہدہ کرتا ہے اور تصرفات حسی اور معنوی کا اہل ہو جاتا ہے اسی مقام کو صحو ثانی یا جمع الجمع کہتے ہیں (نوٹ: تصرفات حسی اور معنوی (روحانی) کو انگریزی میں Spiritual and sensual influences کہیں گے۔ حسی (sensual) ہے۔

بیانِ عشق ہو جس دم
قلم کو توڑ دھو دے غم

سکینہ:

نورِ طمانیت جو حق تعالیٰ کی جانب سے قلب سالک کو حاصل ہوتا ہے اور سکون و اطمینان کا باعث ہوتا ہے اور عین الیقین کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ هو الذی انزل السکینة فی قلوب المومنین لَیَزْدادُوْ ایمانا (الفتح ع ۱)

سُلاب:

سلبِ اختیار سالک۔ تمام ظاہری اور باطنی اعمال میں۔ (لفظی: سلب: زبردستی چھیننا' اسطرلاب: اجرام فلکی کی اونچائی ماپنے کا آلہ)

سلام:

درودِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سلامتی کی دعا۔

سلامتی:

(لفظی: تجرید (کسی لفظ کو) زوائد سے پاک کر کے ایک معنی لینا۔ ایک سے دوسرے کو علیحدہ کرنا) تجریدِ کونین (separation of both worlds) اور تفرید از دارین۔ کیونکہ حقیقی سلامتی اسی میں ہے۔

تفرید: اکیلا کرنا' حق پر غور و خوض کرنا۔

:leading a solitary life, ascetism of Sufis. تفرید

The present and future life. موجودہ اور مستقبل کی زندگی: دارین

دارین: دونوں جہاں' دنیا و عاقبت' لفظی: دنیا اور عاقبت۔

:both worlds carporeal & spiritual, men and angels. کونین

کونین: دونوں جہاں' دین و دنیا۔

انسان اور فرشتے دنیاوی اور روحانی زندگی۔ انسانی اور فرشتوں (کی زندگی)

سلسلہ:

سلسلہ قادریہ' سلسلہ چشتیہ' سلسلہ سہروردیہ یعنی جماعتِ روحانی جو ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ (لفظی: لڑی' زنجیر' قطار' خاندان' شجرہ' ترتیب)

سلطانی:

وارداتِ الٰہی اعمال و احوال کا عشاق پر جاری رہنا۔ (لفظی: بادشاہی' قدرت' حجت)۔

سلوک:

کے معنی سفر کرنا ہے لیکن اصطلاح تصوف میں روح کے سفر کو سلوک کہتے ہیں۔ روح کا وہ سفر جو وہ سالک کی ذات سے خدا کی ذات تک طے کرتی ہے۔ روح کا یہ سفر کُرۂ زمین سے شروع ہو کر عرش بریں (عرشِ کبریا) پر اس جگہ ختم ہوتا ہے جہاں سالک کو اللہ کی ذاتِ بحت (Pure) کا عرفان ہوتا ہے۔ جس میں نہ کوئی رنگ و بو نہ امتداد (Prolongation) یا طول و عرض) یا امتدادِ زمانہ (Length or Process of time) ہے۔ یہ ہی صفت ہے۔

سبحان رَبِّکَ رَبِّ العزّتِ عمّا یصِفُون (الصفات: ۱۸۰)

اس سفر میں کرۂ زمین سے چل کر سب سے پہلے دوزخوں کا طبقہ آتا ہے۔ اس کے بعد اعراف ہے پھر جنتوں کے طبقات شروع ہوتے ہیں جن میں پہلا عالم ملکوت کہلاتا ہے' دوسرا جبروت' تیسرا لاہوت' چوتھا ھاھوت' پانچواں ھُو۔

دوزخ کے طبقات سے عالم ھُو کے آخر تک عالم مثال آتا ہے اس کے بعد عالمِ امر شروع ہوتا ہے جس میں بے شمار لطائف ہیں لیکن قابلِ ذکر لطائف میں پہلا لطیفۂ عَدَم ہے پھر لطیفۂ نفس ہے پھر لطیفۂ عقل ہے

اور اس کے بعد لطیفۂ روح ہے' ان لطائف سے آگے حوالیِ عرش (environments or parts adjacent) کا علاقہ ہے' پھر عرشِ مجید ہے جس کے عین مرکز میں ذات بحت کا مشاہدہ اور عرفان ہوتا ہے اسی جگہ سالک کا سفر روح ختم ہوجاتا ہے اور وہ ولی کامل بن جاتا ہے۔

ہر سالک جو یہ سفر شروع کرتا ہے ذاتِ بحت تک نہیں پہنچ سکتا۔ لاکھوں میں سے ایک دو کو یہ درجہ و مقام نصیب ہوتا ہے۔ باقی سالکوں میں ہر ایک اپنے اپنے مقام محمود تک پہنچ کر رُک جاتا ہے۔ کسی کا مقام محمود ملکوت میں ہوتا ہے کسی کا جبروت میں' کسی کا ھاھوت میں اور کسی کا ھُو میں۔

سلوک:

روحانی ترقی کا طریقہ ہے۔ روحانی ترقی کو ایک ایسے سفر کی صورت میں تصور کیا گیا ہے جو فنا تک لے جائے۔ جب سلوک پر ایک خاص مقام تک رسائی ہو جاتی ہے تو سالک کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ اسما اور شیون الٰہی (شیون جمع ہے شان کی) کے اظلال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس مقام کا نام سیر الی اللہ ہے۔ جب سالک اس مقام سے گزر کر یہ محسوس کرنا شروع کر دے کہ وہ ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس مقام کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

بعد ازاں سالک کی اس مقام سے رغبت شروع ہوتی ہے۔ (یا رجعت واقع ہوتی ہے) تو اس رجعت کا نام سیر عنِ اللہ ہے۔ پھر وہ ایک عام انسان کی طرح اپنے فرائض کی بجا آوری میں منہمک ہو جاتا ہے جو تعلیمِ شریعت سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور وہ انبیاء کی طرح اپنی ساری قوت اصلاح خلق کی سعی میں صرف کرتا ہے۔

خدا تک پہنچنے کا راستہ بطریق سیر کشفی عیانی' نہ کہ بطریقِ استدلال سالک۔ اس راستے پر چلنے والا۔

سماع:

اس سے مراد وجد و حال طاری کرنے کے لیے گانا سننا۔ یہ صوفیاءِ نقشبندیہ کے سوائے دوسرے تمام صوفیاء میں کم و بیش رائج ہے۔ (استماع: سننا hearing Listening, giving ear to)

شیخ ہجویری کے نزدیک سماع کی بہترین صورت سماع قرآن ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن گفتگو میں اس جگہ سماع اصطلاحی ہے۔ یعنی غنا یا شعر کو لحن کے ساتھ سننا مراد ہے۔ شیخ خود صاحبِ سماع تھے اور اپنے عمل کی تائید میں آثارِ صحابہ بلکہ عملِ رسول تک رکھتے تھے۔ چنانچہ ابوعبد الرحمٰن سلمی کی کتاب 'کتاب السماع' کا حوالہ دیا ہے جس میں انھوں نے جوازِ سماع کی تائید میں احادیثِ رسول و آثارِ صحابہ کو نقل کیا ہے (ص ۳۱۶)۔ تاہم فرماتے ہیں کہ مشائخ صوفیاء کو اباحتِ سماع کی تلاش (طلب) نہیں رہتی۔ اس لیے کہ کسی کام کو اس کی اباحت کی بنا پر نہیں بلکہ فوائد کی بنا پر اختیار کرنا چاہیے۔ تلاش اباحت میں صرف عوام رہتے ہیں۔ سندِ جواز چوپایوں کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔ انسان کے لیے تکلیف شرعی رکھی گئی ہے۔ اسے چاہیے کہ کسی عمل کو اس کے فوائد کی بنا پر اختیار کرے۔ اس کے بعد اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک زمانے میں میں مرو میں تھا۔ ایک روز وہاں کے مشہور ترین امام اہل حدیث نے مجھ سے کہا کہ میں نے جوازِ سماع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت یہ تو آپ نے بڑا غضب کیا کہ ایسے لہو کو حلال کر دیا جو فسق کی جڑ ہے۔ اس پر وہ بولے کہ اگر آپ حلال نہیں سمجھتے تو خود کیوں سنتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کا حکم مختلف حالات پر منحصر ہے۔ کوئی ایک حکم قطعی طور پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر سماع سے دل میں اثرات بھی حلال قسم کے پیدا ہوں تو حلال ہے اور اگر حرام قسم کے پیدا ہوں تو حرام ہے۔

اگر (اثرات) مباح پیدا ہوتے ہوں تو مباح ہے۔ ایسی چیز کہ جس کے ظاہر پر فسق کا حکم ہے (یعنی فسق و فجور بظاہر نظر آتا ہو) اور جس کا باطن مختلف احوال کا تابع ہو اس پر ایک قطعی حکم لگا دینا ممکن نہیں (اطلاق آں بہ یک چیز محال باشد)

ان کے شرائط سماع حسبِ ذیل ہیں:

(۱) خوامخواہ اور تکلف کر کے سماع نہ سنے۔ جب تقاضا از خود غالب ہو تب سنے۔ (۲) سماع بہت کثرت سے کبھی نہ سنے کہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے۔ کبھی کبھی سنے تا کہ ہیبتِ سماع دل پر قائم رہے۔ (۳) مرشد یا شیخ طریقت سماع میں موجود رہے۔ (۴) محفل میں عوام شریک نہ ہوں۔ (۵) قوال پاک باز ہو' فاسق نہ ہو۔ (۶) قلب مکروہاتِ دنیوی سے خالی ہو۔ (۷) طبیعت لہو ولعب کی طرف آمادہ نہ ہو۔ (۸) تکلف و اہتمام نہ کیا جائے۔

تاثیر سماع کے چند مؤثر واقعات و احکامات درج کرنے کے بعد اور یہ تسلیم کر کے کہ سماع بعض صورتوں میں اور بعض موقعوں پر نفسِ انسانی کا بڑا مصلح ہوتا ہے۔ شیخ اپنا یہ تلخ تجربہ بھی قلمبند کرتے ہیں۔

اس زمانے میں گمراہوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ فاسقوں کی محفل سماع میں شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم سماع حق کے لیے سنتے ہیں۔ حالانکہ فاسق اس سے فسق و فجور پر اور زیادہ حریص ہوجاتے ہیں۔ (بافسق و فجور حریص تر شوند تا خود ایشاں ہلاک شوند) یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں' حالانکہ سماع کی غایت تو یہ ہونی چاہیے کہ: فائدہ ایں حکایت آں است کہ مردرا اندر غلبۂ سماع حال چندیں (ایسا) بباید کہ سماع وے فاسقاں را از فسق نجات دہد' ص ۳۲۱) کتاب السماع۔ دیکھیں ص: ۱۳۵۔

سالک ہالک وہ ہے جو ابتدائے حال ہی میں مقید مجاز رہا ہو۔ سالک واصل المسالک وہ ہے جو ابتدائے سلوک ہی سے محکوم بہ حقیقت رہا ہو جس نے اپنا سینہ جملہ بتانِ مجازی سے ہمیشہ پاک وصاف رکھا ہو۔

سماع: یزید فی الخلق مایشاء... اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے خلقت میں جو چاہتا ہے۔ یعنی جسمی ترکیب میں زیادتی' مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس زیادتی سے اشارہ خوش آوازی کی طرف ہے۔

سب سے پہلی مستی جو روحِ انسانی پر طاری ہوئی الستُ بربکم' کے دل کش نغمہ کو سن کر طاری ہوئی اور سب سے آخری مستی جو اس پر طاری ہوگی وہ نفخ صور سے ہوگی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے وصال کا واقعہ زبان زد خاص و عام ہے۔ حالتِ سماع میں ایک شعر کے پہلے مصرعے پر قربان ہو گئے اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی لیکن دوسرا مصرعے سنتے ہی ہوش میں آ کر تڑپنے لگے۔ کئی دن تک یہ ہوش رُبا منظر پیش نظر رہا کہ پہلے مصرعے پر جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے اور دوسرے مصرعے پر از سرِ نو زندہ ہو کر تڑپنے لگتے۔ یہاں تک کہ شرکائے بزم اس بے مثل آمد وشد سے حواس باختہ ہو گئے اور قوالوں کو پہلے مصرعے کے بعد دوسرے مصرعے کے پڑھنے سے نہ روکتے تو اس شہیدِ محبت کے کھیل کو نہ معلوم کب تک دیکھتے رہتے۔ حضرت امیر حسن دہلوی اس واقع کو یوں قلمبند کرتے ہیں:

جاں بریں یک بیت دادست آں بزرگ
آرے ایں گوہرِ کانے دیگر است
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حدیث میں آیا ہے: ان من الشعر الحکمۃ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے شیخ اور والد بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کے چند مشاہدات و

انکشافات اپنی کتاب 'انفاس العارفین' میں نقل فرمائے ہیں:
ایک مقام پر شاہ عبد الرحیم صاحب کا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہونے کا ذکر ہے جو لطیف گفتگو درمیان صاحب مزار اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے ہوئی اس موقعہ پر خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔ یہ واضح رہے کہ شاہ صاحب نقشبندی تھے اور سماع نہ سنتے تھے۔ گفتگو حسب ذیل تھی۔

(۱) فرمایا حضرت قطب الدین صاحب نے شعر کے حق میں تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا 'کلام' حسنہ حسن و قبیحہ قبیح''۔

(۲) فرمایا بارک اللہ۔ خوش آواز کے حق میں کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا ''ذالک فضل اللہ یوتیہِ من یشاء

(۳) فرمایا بارک اللہ۔ جب دونوں جمع ہو جائیں تو اس میں تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا ''نور'' علی نور یھدی اللہ لنورِ من یشاء

(۴) فرمایا جو کچھ ہم کرتے تھے وہ اس سے زیادہ نہ تھا۔ تم بھی کبھی کبھی ایک دو بیت سنتے رہو۔

شرائط سماع صوفیہ:

تین ہیں (۱) زمان (۲) مکان (۳) اخوان۔

(۱) زمان: ایسا وقت جب یک سوئی ہو۔ جمعیت خاطر ہو۔ شوقِ سماع بھڑکا ہوا ہو۔ حق تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے کے لیے طبیعت آمادہ ہو اور کوئی امر اس کے مانع نہ ہو یا کسی سے کوئی وعدہ ایفا کرنے کا وقت نہ ہو۔ نہ ہی کوئی ایسا وقت جس سے جمعیت خاطر کے پریشان ہونے کا خطرہ ہو۔

(۲) مکان: شارع عام نہ ہو' بازار نہ ہو' میلوں تماشوں' سیر گاہوں یا تفریح گاہوں کے میدان نہ ہوں۔ ایسا مقام نہ ہو جہاں اہل سماع شرائط ضروری کی پابندی نہ کر سکیں یا مجلس میں حسبِ دل انتظام قائم نہ رکھ سکیں یا صحبتِ ناجنس سے محفوظ رہنا اپنے اختیار میں نہ ہو۔ اس کے لیے کوئی زاویہ' خانقاہ' کوئی مکان ہو جو اس قسم کی عبادت کے لیے مختلف ہو۔

(۳) اخوان: ہم نشین ہم مذاق ہوں۔ ہم مشرب ہوں ہم رنگ ہوں۔ سماع کے اہل ہوں۔ غلبۂ نفسانی سے آزاد ہو چکے ہوں۔ بندۂ حرص و ہوا نہ ہوں۔ سماع کے منکر نہ ہوں اعتراض و عیب جوئی کے لیے محفل میں نہ آئے ہوں۔ اہل دنیا نہ ہوں۔ ریاکار نہ ہوں۔ مغرور و متکبر نہ ہوں۔ وجاہت ذاتی یا خاندانی کے تحفظ کا سودا اپنے دماغ میں لے کر وہاں نہ آئے ہوں۔ کھیل تماشے کے طور پر شریکِ محفل نہ ہوئے ہوں۔ بلکہ سماع کو عبادت سمجھ کر باوضو ہو کر آئے ہوں۔ ادب سے بیٹھیں۔ آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ ہنسی مذاق سے مجتنب رہیں۔ جب سماع کی اہلیت رکھنے والے ایک جگہ جمع ہو کر شریک سماع ہوتے ہیں تو بعض دلوں کے انوار بعض دلوں پر منعکس ہوتے ہیں۔ مقبولیت دعا کے لیے یہ وقت بہت موزوں ہوتا ہے۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غل ...الخ (۴۷ الحجر ۱۵)

صحیح بخاری میں ربیع بنت معونہ بن عفرا سے روایت ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو آنحضرتؐ ہمارے گھر تشریف لائے اور میرے قریب بیٹھ گئے۔ اس وقت چند چھوکریاں دف بجا کر کچھ گا رہی تھیں اور ہمارے باپ دادا کے مرثیے پڑھ رہی تھیں۔ یکا یک ایک چھوکری نے یہ مصرعہ کہہ دیا ۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد (ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے) آنحضرتؐ نے کہا یہ مت کہو اور جو تم گیت گا رہی تھیں وہی گاتی رہو۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کی شادی ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی کھیل تماشا نہیں ہو رہا۔ کیونکہ انصار کو

کھیل تماشے سے بڑی دلچسپی ہے۔

ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کو انصار میں ایک شخص سے بیاہ دیا۔ جب آنحضرتؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے وہ لڑکی شوہر کے گھر بھیج دی۔ عرض کیا گیا جی ہاں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ ان کے ساتھ کوئی گانے بجانے والا بھی تھا یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا انصار گانے بجانے کو پسند کرتے ہیں کیوں نہ تم نے ایک گانے والا ساتھ کر دیا جو یہ کہتا جاتا:

اتینا کم اتینا کم فحیانا فحیا کم

یہ ایک رجز ہے جو عرب میں شادی بیاہ کے موقع پر گایا جاتا ہے۔ صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ سے بھی یہی روایت مروی ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دنوں میں میرے پاس دو چھوکریاں کچھ گا رہی تھیں اور دف بھی بجاتی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک کونے میں چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آ گئے اور وہ جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انھیں ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے کپڑا منہ سے ہٹا کر فرمایا کہ اے ابوبکر ان سے کچھ نہ کہو ہر قوم کی ایک عید ہوا کرتی ہے جس کی وہ خوشی مناتے ہیں۔ آج ہماری بھی عید ہے۔

اسی طرح کی حدیث حضرت عائشہؓ، جابرؓ اور ربیع بنت معوذؓ سے بھی منقول ہے کہ حلال و حرام کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ نکاح کا اعلان کیا کرو۔ عقد مسجد میں ہوا کرے اور دف بجایا کرو۔ ترمذی، مسند احمد اور سنن نسائی میں حاطب تمیمی سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا (دیکھو مندرجہ بالا حدیث) قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کے بارے میں بھی بہت سی احادیث وارد ہیں۔ نسائی میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ کسی چیز کو اس طرح کان لگا کر نہیں سنتا جس طرح اس پیغمبر کے قرآن پڑھنے کو توجہ سے سنتا ہے۔ جن احادیث سے فقہا حرمتِ سماع پر دلیل لاتے ہیں ان کی نسبت امام نووی کا یہ فتویٰ ہے کہ یہ تمام روایات بے بنیاد ہیں۔ یہی قول (یا فتویٰ) امام سخاوی کا ہے۔ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ بعض متاخرین نے جو حدیثیں حرمتِ غنا کے بارے میں بیان کی ہیں وہ سب گپیں ہیں۔

قد افلح المومنون الذین فی صلوتھم خاشعون

(المومنون ع ۱)

حضرات چشتیہ کا ذوقِ سماع: خواجہ حسن بصریؒ سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ جب سنتے وجد میں آ جاتے۔ فرمایا کرتے کہ سماع جو حق سے سنتا ہے حق رسیدہ ہو جاتا ہے۔ جو نفس سے سنتا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابواسحاق چشتیؒ بکثرت سماع سنتے تھے۔ علماءِ وقت میں سے کسی کو اعتراض کرنے کی جرات نہ ہوتی۔ جو شخص ایک مرتبہ آپ کی مجلسِ سماع میں حاضر ہو جاتا، معصیت سے کنارہ کش ہو جاتا۔ مریض آتا تو مرض کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو شفا ہو جاتی۔ اہل دنیا کو اپنی مجلس میں آنے نہ دیتے۔ اگر اتفاق سے کوئی دنیا دار آ جاتا تو اس محفل سے تارک الدنیا ہو کر اٹھتا۔ ذوقِ وجد میں بعض مرتبہ رقص کرنے لگتے۔ معلوم ہوتا در و دیوار رقص کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ امساکِ باراں کی شکایت لے کر سلطانِ وقت حاضر ہوا۔ آپؒ نے قوالوں کو طلب کیا تو آپ نے فرمایا تو شریک محفل رہا تو نعمتِ حق نازل نہ ہوگی۔ خلیفہ چلا گیا۔ سماع شروع ہوا آپ پر حالت طاری ہوئی وجد آیا اور گریہ شروع ہوا۔ ادھر نزولِ باراں شروع ہوا۔ دوسرے

روز شکریہ ادا کرنے بادشاہ پھر آیا۔ آپ روئے اور فرمایا نہ معلوم مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے جو بادشاہ میرے پاس بار بار آتا ہے۔ خلیفہ شرمندہ ہوا اور روتا ہوا گھر واپس گیا۔ جب کبھی مجلسِ سماع منعقد کرنی ہوتی تو تین روز قبل یارانِ مجلس اور قوالوں کو اطلاع دی جاتی تاکہ وہ طے[1] کا روزہ رکھیں اور قبل سماع قوالوں سے توبہ کرائی جاتی۔

[1] وہ روزہ جو تیسرے دن افطار کیا جائے (سفر کا)

حضرت خواجہ ابوابدال چشتیؒ جس وقت سماع میں ہوتے تو جس پر نظر پڑ جاتی وہ صاحبِ کرامت ہو جاتا۔ کافر پر نظر پڑتی مومن ہو جاتا۔ کسی مریض پر نظر پڑتی صحت یاب ہو جاتا۔ حالتِ سماع میں آپ کی جبین سے ایک نورِ ساطع ظاہر ہوتا جس کی چمک آسمان تک پہنچتی۔ تمام شہر کو پتہ چل جاتا کہ آپ سماع میں ہیں۔ آپ فرماتے جو فتح باب (کامیابی۔ آغازِ باراں) سماع میں حاصل ہوتا ہے کسی دوسرے شغل میں نہیں ہوتا۔ سماع ایک سِرّ پوشیدہ ہے جس کے سننے کی عوام طاقت نہیں رکھتے' اگر میں اس کے اسرار ظاہر کر دوں تو جہاں کے جملہ باشندے مبتلائے سماع ہو جائیں اور خدائے عزوجل سے سوائے اس عطیے کے اور کچھ نہ طلب کریں۔ حضرت سِرّی سقطیؒ اکثر تشریف لاتے اور آپ کی مجلس میں شریک ہوتے۔

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ کی جبینِ مبارک بحالتِ سماع نورِ تاباں ہوتی۔ جس کی شعاعیں آسمان تک پہنچتیں اور خلقت اس کا معائنہ کرتی۔ آپ کی مجلس میں ابوبکر شبلیؒ (خلیفہ جنید بغدادی) اکثر آتے اور سماع سنتے۔ فرمایا کہ جو چیز سماع میں پائی سو سال کی عبادت میں بھی نہ پائی۔ کسی نے پوچھا جب سماع میں یہ اسرار ہے تو حضرت جنید بغدادیؒ نے اس سے توبہ کیوں کی۔ کہا ان کے خلیفہ شبلی میری محفل میں آکر سماع سنتے ہیں۔ جنید کو اخوانِ سماع نہ مل سکے۔ اس لیے انھوں نے توبہ کی۔ جسے اخوان سماع نہ ملیں توبہ ہی سزاوار ہے۔ واللہ اگر جنید بغدادی میری مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ ہرگز توبہ نہ کرتے۔ آپ کی مجلس سماع میں بجز فقرا و علما و صلحا و مشائخین کے اور کوئی شریک نہ ہوتا۔ درویشوں کا پہرہ رہتا کہ کوئی دنیا دار آنے نہ پائے۔ کوئی آجاتا تو مجذوب ہو جاتا۔

حضرت خواجہ مودود چشتی سے ایک روز سماع میں یہ واقعہ پیش آیا کہ دفعتاً لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے۔ بعد میں ایک بزرگ نے اس کی بابت سوال کیا تو فرمایا کہ جب تک مامور نہ کیا جاؤں اس کا جواب نہ دوں گا۔ دوسرے دن وہ بزرگ پھر آئے تو جواب دیا کہ حق تعالیٰ کا ایک مقام ہے جسے نورِ اسود کہتے ہیں۔ کوئی سالک اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا' سوائے حالتِ سماع کے۔ سماع میں آپ کی حالت کبھی زرد پڑ جاتی کبھی سرخ نہ کبھی روتے نہ کبھی ہنستے۔ (نوٹ: حضرت عیسیٰؑ کا نور بھی نورِ اسود ہے)۔

(نوٹ: نمازِ تہجد پڑھتے ہوئے رات کے ۲ سے ۳ بجے تک حضرت عیسیٰؑ کا نورِ اسود ۱۹۴۰ء میں دیکھا جو زمین سے آسمان تک تھا۔ ایک فٹ گول کروڑوں سیاہ دائرے اور اُسی سائز کی گول ٹیوب لائٹس جن کی روشنی محض ۶ انچ تک جاتی تھی۔ یہ نور زمین سے آسمان کو جا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا فرشتے بھی ان کے نور سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے مجھے نبی کریمؐ کا نور کیوں نہیں دکھایا گیا' نہ ہی کسی اور پیغمبر کا۔ (اپریل ۲۰۰۲ء)

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ حالتِ سماع میں اس قدر گریہ کرتے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی۔ بعض لوگوں نے بادشاہِ وقت کے پاس آکر آپ کے سماع کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا سماع اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ آپ سات سات دن تک مسلسل سماع میں رہتے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ سماع کا شوق بکثرت

فرماتے۔ ایک دفعہ بابا فرید الدین گنج شکر کے پاس سماع کی بابت علماء میں اختلاف ہوا۔ آپ نے فرمایا 'یکے سوخت و خاکستر شد و دیگرے ہنوز در اختلاف است' اپنے وصال سے چند روز قبل سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے فرمایا کہ میں نے شیخ سے دین کی بابت جو خواہش کی مجھے بخشی گئی بعد میں پشیمان ہوا کہ حالتِ سماع میں موت کیوں نہ طلب کی۔ حضرت سلطان المشائخ کو حضرت امیر خسرو جیسے مرید اللہ نے عطا فرمائے تھے۔ آپ کو بھی سماع سے بہت ذوق وشوق تھا۔ آپ پر بکا (رونے) کا غلبہ رہتا۔ آپ کی مجلس میں مزامیر (جمع مزمار کی: بانسری' باجہ وغیرہ) اور تصفیق (تالی بجانا) کی اجازت نہ تھی۔ تاہم علما نے تغلق شاہؒ کے زمانے میں سماع کے متعلق آپ سے مناظرہ کیا اور شکست کھائی۔ مولانا فخر الدین زرادی آپ کے اعظم خلفاء میں سے تھے جو سید محمد کرمانی مصنف سیر الاولیاء کے استاد ہیں۔ سماع کے بارے میں اصل الاصول (بنیادی اصول) کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ سماع شیخنا کان بلا مزامیر۔ (ہمارے شیخ کے سماع میں بانسری' ساز' باجہ وغیرہ نہیں ہوتا تھا)۔

واردات سماع میں تین قسم کے سعادتیں ہیں:

(۱) انوار عالم ملکوت سے پیدا ہو کر ارواح پر نزول کرتے ہیں۔

(۲) احوال عالم جبروت سے علیحدہ ہو کر قلوب پر نازل ہوتے ہیں۔

(۳) آثارِ عالم فلک سے پیدا ہو کر جوارح پر اثر ڈالتے ہیں۔

سماع بلحاظ اپنی تاثیر کے دو اقسام پر منقسم ہے۔ ہاجم۔ (اچانک آنے والا) اور متکلف۔

(۱) ہاجم (غفلت میں لانے والا' حیران کرنے والا) قلب میں ایسی غیر معمولی تحریک و برانگیختگی پیدا کرتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔

(۲) متکلف کی یہ شان ہے کہ اس کے سننے والے کا دل خود بخود بے اختیارانہ محبوب کی جانب برانگیختہ ہو جائے (خدا یا رسول اللہؐ کی طرف) یا مرشد وہادی جناب رسولِ مقبولؐ کی جانب میلان کرے یا حق سبحانہ کے تقدس کی طرف مائل ہو۔ سماع میں چار حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) اختیار وشعور دونوں کا عدم (۲) اختیار وشعور دونوں کا وجد۔ یہ دونوں صورتیں مذموم ومتروک ہیں۔ (۳) اختیار کا وجود میں آنا اور شعور کا عدم۔ یہ صورت بھی پسندیدہ ہے۔ (۴) اختیار کا عدم اور شعور کا وجود۔ یہ صورت محمودہ اور پسندیدہ ہے اولیٰ اور انسب ہے۔ صاحبِ وجد حرکات وسکنات میں مسلوب الاختیار ہوتا ہے مگر قوال کا کلام سمجھنے کا شعور رکھتا ہے اور کپڑوں کو چیر پھاڑ کر قوالوں کو دینے کا علم رکھتا ہے۔

وجد' تواجد' وجود: بلا کسی ارادے اور کوشش کے قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کو وجد کہتے ہیں اور دنیا میں نفس کی مخالفت کر کے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح معاملاتِ روحانی میں نفس کی مخالفت اور امرونواہی کی پیروی سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے جو لذتیں قلب پر اچانک وارد ہوں انھیں وجد کہتے ہیں۔ وجد کے معنی پا لینے کے ہیں اور وجود سے یہاں یہ مراد ہے کہ ظہورِ حقیقت میں بندہ بالکل فنا ہو جائے۔

صاحبِ تواجد: کی مثال ایک دریا کے دیکھنے والے کی ہے۔

صاحبِ وجد: جو دریا پر وارد ہے۔

صاحب وجود: کی مثال (مثل) یہ ہے کہ جو دریا میں غرق ہو۔ صاحب وجود دو حالتوں میں کروٹیں لیتا ہے۔ کبھی محو میں اور کبھی صحو میں۔ محو میں مشاہدۂ حق میں بالکل

فنا ہو جاتا ہے ہے۔ صحو میں جو کچھ سنتا ہے حق تعالیٰ ہی کے وسیلے سے سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔

۱ طاقتور، قوی، معقول، صاحب دلیل۔

کیفیاتِ وجد و سماع:

(۱) اگر انسان دردمند و صالح ہے تو سماع سے اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے۔

(۲) صوفی پیچ و تاب کھاتا ہے، تڑپتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ اضطراب کیا ہے۔ چنانچہ بابا فرید الدین شکر گنج فرماتے ہیں ؎

رقص طلب است در قص طرب است
جز ایں ہر دو شور و شغب است
اگر تو یار نداری چرا طلب نہ کنی
اگر بیار رسیدی چرا طرب نہ کنی

(۳) صوفی سالک پر کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ وہ چشم باطن سے حسن و جمال محبوبِ حقیقی دیکھتا ہے اور انتہائے زیبائی و رعنائی کو دیکھ کر بے خود ہو جاتا ہے۔ جوش و خروش میں آ کر مدہوش ہو جاتا ہے۔ گریہ و بکا اور آہ و نالہ میں مصروف ہو جاتا ہے۔

حافظ شیرازی کہتے ہیں:

بلبلی برگِ گل خوش رنگ ذر منقار داشت
وندر آں برگ و نوا خوش نالہ ہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق در ایں کار داشت

ان رموز و اسرارِ عشق میں کبھی وہ ہنستا ہے کبھی روتا ہے۔ عوام کو اس حلاوت کی بو تک نہیں پہنچتی جو اس صوفی کو زیر و زبر کر رہا ہے۔ یہ بڑا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ یہ حالت صرف فراق کی نہیں بلکہ فراق و وصال کی ہے۔

(۴) کبھی بوجہ نزول انوارِ جمال و جلال وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا وجود جاتا رہا۔ خود کو خود ہی گم کر کے خود کو تلاش کرتا رہتا ہے مگر نہیں پاتا، پھر اس پر ہیبت طاری ہوتی ہے اور اپنی گم گشتگی سے خائف ہو کر ڈرتا ہے، روتا ہے اور چیختا چلاتا ہے۔ صفتِ آتش اختیار کر کے خود آتش بن جانے کی لذت جملہ لذات سے بالاتر ہے۔

(۵) صوفی اہل معنی (اللہ کے بھیدوں میں گم ہو جانے والا یا رنگ دیے جانے والے) کی محویتِ تامہ، کُل یوم هو فی شان سے اچانک جاتی رہتی ہے۔ یہ حالت نہ وصال کی ہے نہ فراق کی بلکہ اسے فراقِ وصال یا وصال فراق بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۶) عین وجد و سماع میں اعضائے وجود عنصری (بدنِ انسان) کو اس حظ اور لذت کا مطلق احساس نہیں ہوتا جو قلبِ حقیقی کو حاصل ہے۔ اس وقت سالک سیرِ مجاز سے منتقل ہو کر سیرِ عالم باطن میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو وہ کسی طور پر بھی بیان نہیں کر سکتا۔

(۷) بعض اوقات حالتِ وجد و سماع میں صوفی کا شعور نہیں ہوتا۔ اس وقت وہ مقام بقا باللہ میں ہوتا ہے جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہے حق تعالیٰ کی جانب سے دیکھتا اور سنتا ہے۔

سمسہ:

وہ دقائق و معارفِ لطیف جو عبارت میں بیان نہ ہو سکیں۔ (لفظی: چستی، چالاکی و مستعدی، کنجد، تل، اگر اس پر زبر ہو، a red ant)۔

سنخہ:

ہیئت ہیولیٰ۔

سُنخ، سَنخ: being open, manifest, the first form of matter coming anyone to poetry. شاعری میں آمد۔

سنخ: blessing's good omens;

happiness after misfortune.

سوادِ اعظم:

وہ مرتبہ جس میں سالک جو چاہتا ہے پاتا ہے وہ سب کچھ جو موجودات میں تفصیلاً موجود ہے۔ یہاں بطریقِ اجمال موجود ہے۔ اسے شبِ یلدا بھی کہتے ہیں۔ سرما کی طویل ترین رات Longest winter night

سوادُ الوَجہ:

فقرِ حقیقی۔ فقر خلاصہ ہے فنا فی اللہ کا۔ جب سالک ظاہر و باطن' دنیا و آخرت سے بے تعلق ہو جاتا ہے یعنی دارین اس کے لیے تاریک ہو جاتے ہیں اور یہ سواد الوجہ اس کے لیے سوادِ اعظم بن جاتا ہے۔

سواد الوجہ فی الدارین درویش
سواد اعظم آمد بے کم و بیش

الفقر سواد الوجہ فی الدارین۔ (نوٹ: اہلِ سواد: فاضل ادبیات (Literary men) کو کہتے ہیں)۔

سواہ:

حق کا خلق میں مخفی ہونا۔ چونکہ تعینات خلقیہ (فرائضِ کائنات یا تخلیق) حق تعالیٰ پر حجاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حجابات میں مخفی ہیں ۔ (ساءَ یسوءِ۔ سواً) (لفظی: برائی یا بداعمالی' غلط کام کرنا)

سویٰ

(سِ وَی equal, except, +medium 'سُویٰ' سیدھا راستہ)

اعیانِ ممکنات (موجوداتِ عالم) بحثیت تعینات کے غیر ہیں (ماسویٰ ہیں)

سوز وساز:

سوز سے مراد یادِ حق تعالیٰ میں سوزشِ عشق۔ گدازئی قلب میں پیدا ہونے سے۔ یادِ حق میں فنا ہو جانا (جل جانا)۔ لہٰذا سوز وساز فنا و بقا ہے بوجہ اپنے نتائج کے۔

سیر وسلوک:

روحانی ترقی کا ایک طریقہ یا منہاجِ تحقیق ہے۔ اس طریق کو صوفیا نے ایک سفر یا سفر زیارت و حج سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح سیر کے معنی بھی گھومنا پھرنا یا جہاں گردی ہے۔ جب سلوک کا ساحل ملنا شروع ہو جاتا ہے اور سالک اسما وشیون کے ظلال کے تجربات سے کچھ سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ یعنی divine names and places کو تو سیر الی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب وہ اس مقام (سیر الی اللہ) کو طے کر لیتا ہے اور اسے ذاتِ الٰہی کا کچھ تجربہ ہو جاتا ہے تو اسے سیر فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی (Journey inside God) اس کے بعد وہ اس سفر سے واپس ہونا شروع ہوتا ہے تو اسے سیر عن اللہ کہتے ہیں۔

سیر الی اللہ سیر عن اللہ مولانا روم کے والد نے کسی استفسار پر کہے تھے جس پر ایک صوفی نے کہا یہ مولانا روم کے والد کے سوا اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔

اس کے بعد وہ اپنے روزمرہ کے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ہو جاتا ہے اور احکام شرعیہ کی پیروی کو ایک عام انسان کی طرح ضروری سمجھتا ہے اور پھر انبیاءؑ کی پیروی میں لوگوں کی اصلاح کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

SULUK: is a method of progression. Spiritual advancement which has been treated as a journey towards God, when Suluk is attained at a certain stage the mystic begins to experience the adumbration (خاکہ' پہلے سے قیافہ لگا لینا) of Asma-o-Shuyun (divine Names & Places). This is called. سیر الی اللہ Then he surpasses

this stage and enters into the experience of Allah's Being. This is caled سیر فی اللہ, journey inside Allah. After this the mystic returns back from his journey and this is called سیر عن اللہ journey from Allah. Then he resumes his duties as an ordinary citizen (human being) in consonence with the teachings of Shariat and devotes his energies in the execution of Prophet's Way as a reformer. (p.19, M.C.T)

سیرِ انفسی:

سیر خودی نفسِ انسانی مع اپنے ظاہر و باطن کے انفس ہے۔ اسی کے مطالعے کو سیر انفسی کہتے ہیں۔ یہی سیر اجمالی ہے۔ (عالم انفس: سالک کے اپنے شعور کا عالم)۔

سیر آفاقی:

یہ سیر تفصیلی ہے۔ عالم حقیقتِ انسانی ہی کا ظہورِ تفصیلی ہے۔ لہٰذا ولایت یا درویشی نبوت سے مختلف چیز ہے۔ (مکتوب ۲۶۰ جلد اول)۔ صفات کے لحاظ سے بھی مختلف۔ مسلمان کے لیے دین یا مذہب کی زیادہ اہمیت ہے، سلوک و تصوف کی نہیں۔ (مکتوب ۴۸، جلد اول مکتوبات مجدد الف ثانی)

سرِ جادہ:

شریعت، طریقت، حقیقت۔ (لفظی : ایک سیدھا راستہ یا شاہراہ)

سیاہی:

نور ذات۔ یہ انوار اور یہ ظلمت جسے ہم دیکھتے ہیں نہ نورِ محض ہے نہ ظلمتِ محض۔ نور میں جب تک ظلمت اور ظلمت میں جب تک نور نہ ہو، نہ نور نظر آ سکتا ہے نہ ظلمت کا احساس ہو سکتا ہے۔ نور مخلوط بہ ظلمات کو ضیا کہتے ہیں اور نظر آنے کی چیز بھی یہی ہوتی ہے۔ نورِ محض اور ظلمتِ محض کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ مرتبۂ ذات ان آمیزشوں سے پاک و برتر ہے۔ نورِ ذات ماورائے ادراک ہے اور فنا (یاعدم) کی تاریکی میں پوشیدہ۔

سیب زنخ:

چاہ زنخدان بھی اسے کہتے ہیں۔

لذتِ مشاہدہ، لطفِ قہر آمیز، محبوب۔ (لفظی : Pit of chin ٹھوڑی کا گڑھا)۔

سیر وطیر:

سالک کا ایک حال سے دوسرے حال، ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونا سیر ہے یا طیر اڑنا ہے۔ (طیر :flying, flight) طیر کا لفظ قرآن میں ابابیل کے ذکر میں آیا ہے۔

سیر:

جب کشف و کرامات کی راہ سے یہ سلوک طے کیا جاتا ہے تو سیر ہے۔ اس طور پر راستہ دیر میں طے ہوتا ہے۔

طیر: جب بلا کشف و کرامت یہ راستہ طے ہوتا ہے تو اسے طیر کہتے ہیں۔ اس میں راستہ جلد طے ہوتا ہے اور اسی کو صوفیا سلوک اتم کہتے ہیں۔

سیر الی اللہ (Journey towards Allah) انسان خلاصۂ تعینات (ہستی وجود) وکثرات (دنیاوی تعلقات) ہے۔ سیرِ شعوری (ہوش) اور رجوعی (رابطہ، میل، رجوع الی اللہ) کے ساتھ۔ بجانب کلی جو واحد مطلق ہے، یعنی مقام احدیت تک پہنچنا۔

سیر باللہ: بقا بعد الفنا، جو مقامِ تمکین ہے۔

سیرِ عروجی: سیر مقید (dedicated to universality) بجانب اطلاق (وجودِ مطلق) اور سیرِ جزو بجانب کل۔ اس

سیر کی انتہائی رسائی احدیت تک ہے' جو انسان کا نقطۂ اول ہے۔ معرفت کشفی شہودی یہی سیر ہے۔ (معراج والی سیر)۔

سیرِ نزولی: کل سے جزو کی جانب۔ اطلاق (ذاتِ مطلق) سے تقید (انسان کی خودی تک) معراج پا جانے کے بعد واپس لوٹنا۔ تنزل (descent) احدیت در مراتبِ کثرت امکانیہ از جہت اظہارِ اسماوصفات۔ یہی سیرِ ظہوری الباطن ہے۔

سیل:

احوالِ دلی' وکیفیاتِ قلبی کا غلبہ وسیلاب۔

سیمیا:

اقسامِ طلسم میں سے ایک علم جس کے ذریعے روح کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جس موہوم شکل کو چاہتے ہیں آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔ کاغذ کو سکہ کی شکل میں تراش کر اسے سکہ نما بنا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بازار جا کر اس سے خرید و فروخت بھی کی جاسکتی ہے۔

سیمیا: natural magic, enchantment, charm of mind & person; also poesy and rhetoric.

سی مرغ:

ذاتِ مطلق ۔ عقلِ کل۔ لفظی: تیس پرند (مرغ) جو تیس صوفیا کی نمائندگی کرتے ہیں۔ عنقا: سی مرغ۔ (کہ یہ پرندہ ۳۰ پرندوں کے برابر موٹا ہوتا ہے)۔

سیم: ساعد ما' چاندی

تصفیۂ ظاہر و باطن۔

ش

شان:

جمع شیون۔ مجدد صاحب کے نزدیک کیفیت شان' ذات اور صفات کے درمیان ہے۔ یعنی جاہ و جلال کی حالت۔ لغوی معنی کیفیت و حالت کے۔ کل یوم ھو فی شان اس آیت قرآنی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر روز نئی شان میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی اور متصوفین کے نزدیک شان سے صفات (باری تعالیٰ) مراد ہیں یعنی صفات اپنے ایک خاص پہلو یا مظہر عالمِ کائنات یا خدا کا ایک جواز منقلبہ کے ہیں۔

(A gentle pace, a transverse phase of World Process).

Shan شان according to Mujaddid is an aspect or phase of the Zat (dhat), while صفات are over and above Zat, as derivated from شان Shan (His Glory). Vol I, epistle 286.

شاہد:

(الف) باعتبار ظہور و حضور۔ تجلی ذات در لباسِ فروغ نور۔ تجلی جو مخصوص ہے ارواحِ طیبہ کے ساتھ۔ جسے تجلی نوری بھی کہتے ہیں۔ صفاتِ حسنہ (تصوف) میں۔

(ب) ہر وہ چیز جو انسان کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے جس کی یاد اس پر غالب ہے۔ وہ اس کا 'شاہد' ہے۔ علم کا غلبہ ہے تو شاہد علم کہے گا۔ اگر وجد کا غلبہ ہے تو شاہدِ وجد۔ اگر حق کا غلبہ ہے تو شاہدِ حق۔

شب:

(الف)۔ عالم کثرت و تفرقہ (دنیاوی تعلقات و انتشارِ طبیعت بمقابلہ جمیعت خاطر) جس طرح کثرت و تفرقہ میں ظلمت ہے اسی طرح شب میں ظلمت ہے جو وحدت کو مخفی کر دیتی ہے۔

(ب) حالتِ غم جس میں شب کا رنگِ ماتمی ہوتا ہے۔

(ج) عالم غیب جس میں امورِ مخفی ہوتے ہیں۔ مثل واقعات شب کے۔

(د) وجود اور عدم کے درمیان جو خط (فاصلہ) ہے وہ بھی شب ہے۔ اسی طرح خلق و امر کے درمیان اور ربوبیت وعبودیت کے درمیان جو خط ہے وہ بھی شب (کی مانند) ہے۔

شب قدر:

وجودِ حق میں استہلاک (حالتِ فنا) حاصل کر کے سالک کا بقا پانا۔

شب یلدا:

انوار کا انتہائی مقام جو سوادِ اعظم ہے۔ (لفظی: سب سے بڑا شہر۔ مکہ ہی ہمارا سوادِ اعظم ہے)۔ اہل سواد: ادبی لوگ۔ آنکھ کی پتلی سوادِ عین ہے۔

(ب) موسم سرما کی سب سے لمبی رات۔ اس کے لفظی معنی دل میں نقطۂ سیاہ بھی ہیں۔

شب و روز:

کفر و دین کی جانب کنایہ ہے۔

شب رَو یا شب روِی:

وہ سالک جو شب خیز اور شب بیدار ہو۔ اسے شب رواں بھی کہتے ہیں۔ للہٰذا شب بیداری ہی شب روی ہے۔

شباب:

سرعتِ سیرٗ بلا شعور معرفت اور دقیق مقامات کی سیر۔ خواہ وہ سیر بطریق جذب ہو یا سلوک کے طریقے سے۔

شبنم:

تصفیۂ ظاہری و باطنی۔

شراب:

عشق، محبت، شکر، وجدانِ معرفت، مستی جو جلوہ محبوب سے اچانک بیدار ہوتی ہے۔

موسیٰؑ کے لیے اس آتش نے شراب کا کام کیا جسے دیکھتے ہی ان میں ذوقِ بے خودی پیدا ہو گیا۔ مشربِ محمدیؐ میں شراب بے خودی کا وہ نور تھا جس کا مشاہدہ شبِ معراج میں ہوا۔ عشق و محبت کو بھی شراب صوری کہتے ہیں۔ یہ تشبیہہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر دی جاتی ہے:

(۱) شراب کے نشے میں انسان اظہار و اعلان کی جانب مائل ہوتا ہے۔ عشق نہیں چھپتا۔

(۲) مے اپنی ذات سے کوئی شکل معین نہیں رکھتی جس شکل کے ظرف میں ڈالی جاتی ہے وہی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح محبتِ حقیقی بھی ظرف کی قابلیت کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ بعض میں ذاتی، بعض میں اسمائی، بعض میں صفاتی اور بعض میں آثاری صورت اختیار کرتی ہے۔ علیٰ قدر مراتب۔

(۳) شراب جسم کے ہر حصے میں اثر پیدا کرتی ہے۔ محبت بھی مبتلائے محبت کی رگ رگ اور ریشے ریشے میں اپنی تاثیر دکھاتی ہے۔

(۴) شراب بخیل کو سخی بنا دیتی ہے۔ عاشق بجائے درہم و دینار کے کل ما فی الوجود کو نچھاور کر دیتا ہے۔

(۵) مے خوار میں دلیری اور بے باکی اور لاپروائی آ جاتی ہے جو انسانی عقل کی مغلوبی کا نتیجہ ہے۔ عاشق میں دلیری و شجاعت غلبۂ نورِ کشف و یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ اول الذکر کیفیت خسر الدنیا والآخرۃ کا باعث ہوتی ہے۔ موخر الذکر کیفیت سے حیات جاودانی مل جاتی ہے۔

(۶) شرابی میں تواضع اور نیاز کی کثرت ہو جاتی ہے۔ عاشق بھی تواضع و نیاز مندی میں کسی سے کم نہیں ہوتا۔

(۷) شرابی سے اکثر افشائے راز ہو جاتا ہے۔ عاشق کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ بھی رازِ محبت کو افشا کر دیتا ہے۔

(۸) شراب مستی پیدا کرتی ہے۔ عشق کا کام بھی

مستی پیدا کرنا ہے۔ دونوں کی مستی میں بے ہوشی اور خود پرستی سے آزادی ہے۔ مگر شرابِ صوری (کسی کیفیت کی مستی) کی مستی نتیجہ ہے غفلت کا لیکن عشق سے جو مستی پیدا ہوتی ہے وہ کمالِ شعور اور محبوب سے آگاہی پر مبنی ہوتی ہے۔

(۹) شراب جس قدر زیادتی سے نوش کی جاتی ہے اسی قدر ھل من مزید کی آگ بھڑکتی ہے۔ یہی کیفیتِ عشق میں پیدا ہوتی ہے۔

(۱۰) شراب پینے سے حیا کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ جب جاہ و حشمت (مرتبۂ بزرگی) جاتی رہتی ہے۔ حجاب ناموس اٹھ جاتا ہے اور وحشت کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہی کیفیات جلوۂ محبوب کی شرابِ معنوی (روحانی، باطنی) سے پیدا ہوتی ہے۔

مگر آں ساقی وحدت نقاب از رخ برافگندہ
کہ جام و بادہ یکساں گشت و بحر وقطرہ درہم شد
چو بحرِ عشق موجے زدؔ سحابِ جود باراں شد
وجودِ واجب و ممکن، مثالِ بحر و شبنم شد
زِ ہستی چوں جدا گشتم، حریمِ کبریا گشتم
چومن از خود فنا گشتم، چہ گویم ہرچہ گویم شد

شراب بے ساغر و جام:

تجلی ذاتِ بے کیف جو قلبِ سالک پر نازل ہوتی ہے۔ ساغر و بادہ کا استعمال تو اسماو صفات کے لیے ہوتا ہے جو اس کی شانِ نزولی[۱] ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ تو وجوب[۲] و امکان کے تمام تعینات سے پاک ہے۔ تجلی ذات کا تقاضا تو فنائے مطلق ہے۔ اس میں تعینات کا کوئی دخل کیسے ہوسکتا ہے۔ اسے شراب بادہ خوار، شراب ساقی آشام، شراب بے خودی اور مئے بے رنگ بھی کہتے ہیں۔

للہ الحمد کہ در ساغرِ من ریختہ اند
مئے بے رنگ زِ مے خانۂ بے نام ونشان

مستم امانہ ازاں بادہ کہ سازند فرنگ
مستم امانہ ازاں بادہ کہ سازند مغان[۳]

[۱] ہونے کا سبب ہونا۔ [۲] ضروری ہونا اور ممکن ہونا

[۳] آتش پرست یا شراب خانہ والوں نے

شراب پختہ:

(Matured or distilled wine)

عیش محض۔ عیش (صرف) جو نسبتِ عبودیت سے مجرد ہو (یا اعتبارِ عبودیت سے مجرد ہو)۔

شراب خام:

عیشِ مزوّج۔ جس میں آمیزش ہو۔

شراب خانہ:

بتکدہ، عالم ملکوت۔

شراب صاف:

وہ فیض جو مبدءِ (فیض) فیاض سے بلاواسطہ پہنچا ہو۔ جیسا کہ ملائکہ کو پہنچتا ہے۔

شرب:

تجلیات درمیانی۔ بقول حافظ:

مادر پیالہ عکسِ رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما

شرر:

دیکھیے تجلی اور تجلی افعالی۔ اس تجلی کا سالک پر وہی اثر ہوتا (پڑتا) ہے جو شراب پینے والے پر۔ یہی تانیس ہیں۔ یہی ظہور ذوق و بے خودی ہے جو اللہ تعالیٰ عالم مثال (World of fancy, dream, ecstasy) میں مظاہر حسی (manifestations) کی صورت میں پیدا کرتا ہے۔ (عالم مثال: وجد عالم خیال)۔

شرط:

نفس رحمانی۔ (لفظی CLAUSE, Condition سانس لینا' کسی رگ کا) وغیرہ۔

شرطہ:

شاہی محافظ' پولیس' سعودی عرب میں پولیس کے سپاہی کو شرطہ کہتے ہیں۔ محافظ' پاسبان۔

شریعت:

طریقت' حقیقت۔ (۱) احکامِ ظاہر' عملِ چند و ترکِ چند۔ (۲) طریقت: روش ارباب حال۔ تہذیب الاخلاق' اوصاف ذمیمہ کو اوصافِ حمیدہ میں بدلنا' یہی سفر در وطن ہے۔ (۳) حقیقت: ظہورِ توحید حقیقی' حقیقتِ ذاتِ حق' بلاحجاب تعینات۔ حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے۔ طریقت مغز و پوست کے درمیان ایک برزخ ہے۔ مغزِ حقیقت' بے پوست شریعت و طریقت سے پختہ نہیں ہوتا یا یہ کہ شریعت نسخہ ہے۔ طریقت اس نسخے کا صحیح استعمال ہے۔ حقیقت وہ نتائج ہیں جو اس صحیح نسخے سے حاصل ہوتے ہیں۔

شریعت نام ہے التزامِ حکم عبودیت کا اور حقیقت نام ہے مشاہدہ ربوبیت کا۔ پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور جو حقیقت شریعت کی پابند نہیں لاحاصل ہے۔

نہ مئے فرنگ سے مست میں' یہ مئے الست کا رنگ ہے
نہ خمار و رنگ مغاں کا ہے' مرا رنگ اور ہی رنگ ہے
مئے بے رنگ دی مجھ کو مقام لامکاں سے ہی
مرے مینا ساغر میں اسی نور کی ہی ترنگ ہے

شریعت (بقول شیخ ہجویری) بندے کا فعل ہے۔ حقیقت حفاظت خداوندی ہے (حفاظتِ خداوندی کے لیے داتا صاحب نے داشتِ خداوندی استعمال کیا ہے) اور حفظ عصمت الٰہی کا نام ہے۔ پس شریعت کا تحقق بلا وجود حقیقت کے محال ہے۔ ان کے باہمی تعلق کی مثال روح و جسم کا تعلق ہے (جب روح نکل گئی جسم مردہ ہوگا)۔ دونوں کی اہمیت اور قدر اسی وقت تک ہے جب ایک دوسرے کے شریک و رفیق ہوں۔ لہٰذا قول باری تعالیٰ ہے:

والذین جاهدو فینا لنهدینهم سُبُلنا (س عنکبوت ۲۹:۶۹)

لہٰذا شریعت سکھانا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہو گئی۔ مجاہدہ (جدوجہد) کا نام شریعت ہے اور جو ہدایت اس سے نتیجتاً حاصل ہوتی ہے' اس کا نام حقیقت ہے۔ شریعت احکام ظاہر کی تعمیل ہے اور حقیقت کا خلاصہ احوالِ باطن کا اپنے اوپر طاری کرنا۔ شریعت بندے کے اختیار کی چیز ہے اور حقیقت عطیہ الٰہی ہے۔

شطحیات:

جمع ہے شطح کی۔ یہ وہ کلمات ہیں (بہکی بہکی باتیں) جو صوفیائے کرام کی زبان سے حالتِ مستی (غلبۂ حال) میں نکل جاتی ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر باطناً کسی سرّ کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ گو ہر شخص ان اشارات کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ مشائخین نہ انھیں رد کرتے ہیں نہ قبول تاوقتیکہ سمجھ نہ لیں۔ یہ دیوانے اگر مغلوب الحالی میں کچھ کہہ بھی بیٹھتے ہیں تو قابلِ معافی ہوتے ہیں۔ خواجہ فرید الدین عطار فرماتے ہیں:

چوں زند دیوانۂ زیں شیوہ لاف
توزِ سر کوری مکن باادمصاف
تو زباں از شیوۂ اور دور دار
عاشق دیوانہ را معذور دار
عاقلاں را شرع تکلیف آمد است
بیدلاں را عشق' تشریف آمد است

لا جرم دیوانہ را گرچہ خطاست
ہرچہ میگوید بگستاخی رواست

[مصاف: (میدان جنگ)؛ سرکوری: سرمارنا' (کوڑھ مغزی)' صف باندھنے کی جگہ۔ یہاں دوستی' اخلاص مراد ہے] تشریف۔ جوہرِ شرافت پیدا کرنا' عزت و اکرام دینا۔

[شیوہ: طرز' روش' کرشمہ' خودنمائی' طریقہ' ہنر]

شطحیات کی چند مثالیں:

انَّ بطشَ ربکَ لشدید (البروج ۸۵:۱۲) پڑھی گئی تو سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ بول اٹھے: ان بطشی اشدّ یعنی میری پکڑ اشد ہے۔ بظاہر یہ گستاخانہ کلمہ ہے جس کی باریکیاں حسب ذیل ہیں:

اول: حق تعالیٰ کی پکڑ شدید ہے مگر اپنی ہی ملکیت میں تصرف ہے لہٰذا یہ پکڑ عدل کے خلاف نہیں۔ جب کہ ولی کی طرف سے پکڑ ظلم ہے کیونکہ بندہ ہونے کی حیثیت سے اسے ملک خدا میں تصرف کا حق نہیں۔ شریعت نے بندگانِ الٰہی کے باہمی تعلقات کے متعلق جو حدود قائم کر دیے ہیں ان پر تجاوز ظلم و زیادتی ہے۔ لہٰذا ولی کی گرفت خدا کی گرفت سے اشد ہوئی۔

دوئم: حق تعالیٰ کی گرفت میں مہلت دی جاتی ہے اور توبہ و استغفار کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ مگر ولی کی گرفت غلبۂ حال میں فی الفور عمل میں آ جاتی ہے اور سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیتی۔

سوئم: معرفت کے رنگ میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بطش (پکڑ) کے معنی قبض و تصرف ہے اور بندہ چونکہ خود تصرفِ حق کے تحت ہے۔ بندے کا بطش حقیقت میں خدا کا بطش ہے اور خدا چونکہ اپنے مقبول بندے کا (کہا) کہنا مانتا ہے۔ اس لیے خدا کا بطش اس بندہ کا فعل ہے اس لیے وہ بظاہر ولی کی پکڑ ہے لیکن حقیقتاً خدا کا فعل ہے جو زیادہ قوی ہے بہ نسبت اس فعل کے کہ جو دراصل بندے کا فعل ہے۔ مگر خدا کے فعل کے نام سے موسوم ہے۔

چہارم: صاحب ولایت نے جسے مردود کر دیا وہ پھر کبھی مقبول نہیں ہوتا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے مردود کیے ہوئے کو کوئی صاحب ولایت قبول کرے تو حق تعالیٰ بھی مقبول فرما لیتے ہیں۔ مرتدِ شریعت کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے لیکن مرتدِ طریقت کتنا بھی عمل کرے بے سود ہے۔

(۲) ایک عارف کا قول ہے 'مُلکی اعظم من مُلکِ اللہ'۔ اس میں نکتہ ہے کہ بندے کا مُلک اللہ ہے اور اللہ کا مِلک بندہ ہے اور جو کچھ کائنات میں بندے سے متعلق ہے وہ اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ ہی کا مُلک ہے۔

(۳) مولانا رومؒ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

ازاں مادر کہ زائیدم' دگر بارے شدہ جفتم
ازاں رو گبر خوانندم' کہ بامادر زنا کردم

اس شعر کا سمجھنا بھی بظاہر بہت مشکل ہے۔ یہاں مادر سے مراد محلِ ظہورِ تام[۱] (مکمل) ہے۔ جس طرح بچہ نطفہ کی شکل میں صُلب پدر میں ہوتا ہے۔ پھر رحمِ مادر میں منتقل ہو کر آتا ہے۔ پھر علَقَۃ[۲] پھر مضغہ[۳] وغیرہ کی صورتوں میں منتقل ہوتا ہوا بطنِ مادر سے متولد ہو کر ظہور تام میں آتا ہے۔ اسی طرح انسان جملہ مراتب تنزل اختیار کرتا ہوا مثلاً مرتبۂ علمی' مرتبۂ روحی' مرتبۂ مثال سے ہوتا ہوا مرتبۂ شہادت (پیدائش) کو' اپنی موجودگی کو) عالمِ ناسوت (دنیا) میں پاتا ہے اور یہیں اس کا ظہور تام[۴] ہوتا ہے۔ چنانچہ دنیا انسان کے لیے بمنزل مادر ہے زادن سے مراد ظہورِ مکمل کرنا ہے۔ جفت شدن سے مراد دنیا میں مقید ہونا ہے۔ وہ پہلے ایک بلند مقام پر تھا اب اسے ایک ادنیٰ مقام میں مقید کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسے (دنیا کو) محبت کرتا ہے تو یہ ایسا ہی فعل

ہے جیسے ماں سے پیدا ہونے کے بعد زنا کرنا[۵]۔ زنا کرنے سے مراد یہاں فعلِ نامناسب ہے۔ وہ گبر[۶] اسی لیے ہوا کہ اس نے اس قیدِ دنیا سے غیر ضروری محبت کی ہے۔ حالانکہ اس پر محبت کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہیے۔

۱ نمود A place for complete show or display

۲ خون جما ہوا Clotted blood

۳ گوشت کا لوتھڑا (جس میں ابھی جان نہ پڑی ہو) a lump of flesh

۴ مکمل پیدائش۔ نمود display, Show

۵ پیشاب وغیرہ ۶ آتش پرست، پارسی

دوسرے معنی یہ ہوئے کہ روح قدسی، عالم قدسی سے جدا ہوکر قالبِ جسمانی میں آئی جو اس کے کمالِ نمود یا ظہور کی منزل ہے لیکن جسدِ عنصری میں آ کر مقید ہوگئی۔ اس حرکتِ ناشائستہ کی وجہ سے اسے گبر، کافر و مشرک کہا گیا (یہ کفرِ حالی ہے اعتقادی نہیں ہے)

تیسرا پہلو: انسان کی پیدائش کا مقصد ظہورِ وجود مطلق ہے: نمودِ وجود ہے۔

كنتُ كنزاً مخفياً فاحببتُ اَن اُعرفَ فخلقتُ الخلقَ

یہی بھید تھا انسان کی تخلیق کا۔ وجودِ مطلق کی تجلی صفتِ حب کی وجہ سے ہوئی۔ یہ صفتِ حب اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی جب تک ایک کو محبّ اور دوسرے کو محبوب نہ قرار دیا جائے۔ لیکن انسان ان تعینات و تقیدات میں پھنس کر اپنے لیے خود ہی وبال پیدا کرکے گبر (gueber آتش پرست) بن گیا عارف کے لیے حب ماسویٰ (حب غیر) کفرِ حالی ہے۔

شعور خدائی یا فلسفہ الٰہیات:

Metaphysics, divinity (theology)

علم کی وہ شاخ ہے جو اس سمت غور وفکر کرتی ہے۔
فلسفۂ اخلاق: شعورِ اخلاقی۔

Moral consciousness is the attitude man takes towards mankind.

شعورِ نظری: The theoritical or speculative consciousness.

(۴) شیخ جمالی دہلوی فرماتے ہیں:

مادرے دارم کہ آح جفت خدا است
من ازاں مادر زنار آزادہ ام

یہاں مادر سے مراد مربی اور تربیت کنندہ ہے جو اصالتہ (بنفسِ نفیس) نبی کریمؐ ہیں۔ جفت خدا سے مراد خدا سے قریب، خدا کا ساتھی (خدا کا جوڑا) ہے۔ آپ کا فیض آپ کی امت کے ہر کس و ناکس پر جاری ہے۔ جفت خدا سے یہ بھی مراد ہے جو آپ تک پہنچا وہ خدا تک پہنچا اور آپ کی متابعت کی برکت سے نائبِ رسول یا مرشدِ وقت ہوا۔ مرشد تک رسائی خدا تک رسائی ہے۔ مصرعِ ثانی دراصل یوں ہونا چاہیے۔

من ازاں مادر زِ نار آزادہ ام۔ آزاد ہوا دوزخ کی آگ سے بھی اور ہجر و فراق کے بعد کی آگ سے بھی۔ اگر مصرعہ ثانی کو دوسرے طور پر پڑھا جائے یعنی 'من ازاں مادر زنار آزادہ ام' تو پورے شعر کے یہ معنی ہوں گے۔ ان معنی میں مادر سے مراد ہوا و خواہش ہے جو خود بینی اور غیر بینی سے پیدا ہوتی ہے۔ جفت خدا سے مراد خدا کی برابری کا دعویٰ کرنے والی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

اَفرأیتَ منِ اتّخذَ الٰهه هواهُ (الجاثیہ، ع ۳)

کہ میں نے اپنے آپ کو خدا کا پیدا کردہ کی بجائے اپنے وجود کا اثبات خود بینی اور غیر بینی سے کرنے کی کوشش کی۔ لہٰذا ہم نے اپنے آپ کو ناجائز طور پر اس ماں سے پیدا ہونے کی کوشش کی جس کا نام ہوا (خواہش) ہے جو خدا کی برابری کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ ولادتِ ناجائز ہمیں خدا سے محجوب کر دیتی ہے۔ اس بنا پر یہ ذنب حالی ہے نہ کہ

اعتقادی۔

(۵) ایک بزرگ فرماتے ہیں:

دلبر من کودک است ناز نداند ہنوز

دستِ چپ از دستِ راست بازنداند ہنوز

یہاں مطلقِ محض ذاتِ مطلق کی جانب اشارہ ہے۔ وہاں کوئی امتیازات نہیں ہیں نہ اصحاب یمین ہیں نہ اصحاب شمال، نہ ناز و نیاز یا محبّ و محبوب کا فرق وہاں دیکھا جاتا ہے کیونکہ بجز ذات کے وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور میرا محبوب اب تک اپنی اصل پر قائم ہے۔ وہاں رنگِ تغیر کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ الآنَ کما کان.

حضرت عبداللہ سہل تستری فرماتے ہیں کہ خوف مرد ہے اور رجا عورت۔ ان دونوں کے نکاح باہمی سے حقائق الایمان پیدا ہوتے ہیں۔ خوف سے تیزی اور چستی پیدا ہوتی ہے جو مردانہ صفات ہیں۔ رجا سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے اور یہ زنانہ خصلتیں ہیں۔

شعور:

ذاتِ حق تعالیٰ سے آگاہ ہونا۔ (Objective Reality صحیح شعور)

شَغل (Shughl):(شُغلِ شَغلِن : بہت دلچسپ کام، ذکر کرنا۔ ذکر کی مشق کرنا۔

شغل نفی:

لاالہ الہ negation or denial of every thing save God)، شغل اثبات: لا اللہ (Affirmation of Allah)

شعورِ مذہبی:

Religious consciousness is the attitude which man takes towards ultimate reality.(حقیقت حقہ)

شکر:

شکرِ حقیقی ایک کیفیت خاص ہے۔ ایک لذت و سرور ہے جو نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق خرچ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

شکل:

وجودِ ہستی حق تعالیٰ۔

شگوفہ:

بلندیِ مرتبہ۔

شمائل:(Talents. Virtues, Abilities)

امتزاج جمالیات وجلالیات۔

شمع:

پرتو انوارِ معرفت جو سالک کے دل پر چمکتا ہے۔ نورِ عرفان جس سے سالک کا دل منور ہے۔ موسیٰؑ کے لیے وہ وقت جس سے انھوں نے انی انا للّٰہ کی آواز سنی تھی شمع بن گیا۔

شوخی:

کثرتِ التفات، صورِ افعال کے ذریعے اظہار شیفتگی۔

شور:

غوغا، غل، شہرت، شورش، مجاہدۂ نفس، بے کلی، بے چینی، عشق، جنون، مجاہدہ، ہنگامہ۔

شوق(Yearning & craving to see God)

دل کا لقائے محبوب کے لیے جوش میں آنا۔ جب لقا اور دیدار حاصل ہو جاتا ہے۔ اس جوش میں سکون آ جاتا ہے۔ وہ حالت جو دیدار سے ساکن نہیں ہوتی اسے اشتیاق کہتے ہیں۔ (عوارف المعارف ص ۵۰۷) محبت میں ذوق و

شوق کا وہی درجہ ہے جو توبہ کے مقام میں زہد کا ہے۔ شیخ واسطی فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کو ہم کلامی کا اتنا شوق ہوا کہ انھوں نے تورات کی تختیاں بھی پھینک دیں کہ ایسا نہ ہو کہ ہم کلامی کا موقعہ جاتا رہے۔

شیخ ابوعثمان فرماتے ہیں شوق محبت کا ثمرہ ہے۔ جسے اللہ سے محبت ہوتی ہے وہ اس کی ملاقات کا شائق بھی ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ جو مقام شوق پر پہنچ جائے تو وہ موت کی تاخیر کو برا سمجھے بلکہ اکثر ہوش مند عاشقان صادق محض اللہ کی خاطر زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

قل انّ صلاتی ونسکی و محیای و مماتی لله رب العلمین: (پ ۸' انعام ۶:۱۶۲)

وہ ذوق و شوق جس کا دنیا میں حصول مراتب کی توقع میں اظہار کیا جاتا ہے' اس شوق سے مختلف ہے جس میں پڑنے کے بعد دیدارِ الٰہی کی توقع ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اہل محبت کو ان نعمتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ جنھیں وہ ذوق و شوق سے طلب کرتے ہیں اور انھیں اس کا علم بھی ہو جاتا ہے بلکہ ان کا ذوق و شوق تحت الشعور کے علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(۱) انسان کا باطنی مطالبہ ہے جو مقام قرب کی منازل کی طرف آمادہ کرے (ص ۵۰۹' عوارف المعارف) بعض صوفیا کا خیال ہے کہ مشاہدے اور دیدار کا شوق دوری اور جدائی کے شوق سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ جدائی کی حالت میں تو محض دیدار کا شوق ہوتا ہے مگر دیدار اور مشاہدے کی حالت میں اہل حق ' محبوب کے فضل و عنایت کا مشتاق ہوتا ہے۔

(۲) اہل شوق کے دل اللہ کے نور سے منور ہیں جب ان کے دل جذبۂ شوق میں وجد کرتے ہیں تو اس کی لو سے مشرق و مغرب جگمگا اٹھتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے مشتاق ہیں' لہٰذا میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔

(۳) شیخ ابن عطار فرماتے ہیں کہ شوق سوزش جگر ہے۔ یہ دلوں کی شعلہ زنی اور قرب کے بعد جدائی کی وجہ سے جگر خراشی کا نتیجہ ہے۔ کسی سے پوچھا گیا شوق اعلیٰ ہے یا محبت۔ فرمایا گیا کہ محبت اعلیٰ ہے کہ شوق اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۴) شیخ نصر آبادی کے بقول تمام مخلوق شوق پر سرفراز ہوتی ہے مگر ہر شخص مقام اشتیاق پر فائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب کوئی اس مقام میں داخل ہوتا ہے تو بھٹکتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں کوئی نشان باقی نہیں رہتا ہے نہ ٹھکانہ۔ (ص ۵۰۹' ع۔م)

وہ ذوق و شوق جس کا دنیا میں حصولِ دولت کی توقع میں اظہار کیا جاتا ہے' اس شوق سے مختلف ہے جس میں مرنے کے بعد دیدارِ الٰہی کی توقع ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اہل محبت کو ان نعمتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ جنھیں وہ ذوق وشوق سے طلب کرتے ہیں اور انھیں اس کا علم بھی ہو جاتا ہے بلکہ ان کا ذوق و شوق علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

شوق و ولولہ: ardour, fervour, passion, (yearning & fervour, intense and high wrought emotion that compells to action, enthusiasm)

:The agog; the eagers & agogs.

اہل شوق

شہادت:

اس کی دو قسمیں ہیں: شہادتِ صغریٰ اور شہادتِ کبریٰ۔

شہادتِ صغریٰ کی بہت سی اقسام میں اعلیٰ یہ ہے کہ

اللہ کی راہ میں حالتِ جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہو جائے۔

شہادتِ کبریٰ کی دو قسمیں ہیں: اعلیٰ یہ کہ حق تعالیٰ کا شہود تعین کی آنکھ سے اس کی تمام مخلوقات میں ہونے لگے۔ مثلاً مخلوقات میں جب کسی چیز کو دیکھے تو اس میں بغیر حلول و اتحاد' اتصال و انفصال کے حق تعالیٰ کو پائے۔

ادنیٰ قسم یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغیر کسی علت کے محبت رکھے اور وہ محض اس وجہ سے ہو کہ وہ محبت کے لائق ہے۔ تلوار کی شہادت' شہادتِ صغریٰ ہے اور محبت کی شہادت' شہادتِ کبریٰ ہے۔

شہر:

وجودِ مطلق۔ سب کچھ اسی شہر وجود مطلق میں آباد ہے۔

شہود:

حق تعالیٰ کا مشاہدہ بایں طور کہ سالک مراتبِ تعینات[1] کو عبور کر کے توحیدِ عیانی (اللہ کی ذات کا تصور بلا صفات ہو) کے مقام میں پہنچے اور جمیع صورِ موجودات میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرے۔ جس پر نظر ڈالتے حق ہی کو دیکھے اور غیر کو نہ دیکھے۔ کیونکہ وجودِ حق کے سوائے موجودیتِ غیر محال ہے۔ پس حق کو دیکھے کیونکہ حق کا غیر حق ہونا محال ہے (یہ بھی وحدت الوجود والوں کی تشریح ہے)۔

خدا کا ادراک یا خدا کی فہم تو ہو سکتی ہے مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

[1] ہستی' وجود' لازمی خوبیاں۔

is direct apprehension of God and His attributes. شہود

شیخ:

ہادیِ طریقت' رہنما و استاذ' طالبانِ حق کو بتوسل الی اللہ اپنے فیضانِ باطنی اور تعلیم و تربیت کے وصال الٰہی کرانے والا۔ بوجہ صاحبِ ارشاد ہونے کے وہ نائب رسول ہوتا ہے جو کام کہ پیغمبر خداؐ نے اپنی زندگی میں کیا (حیاتِ ظاہری میں کیا) اسے بعد کے زمانوں میں جاری رکھتا ہے۔ اسے عالم ملک و ملکوت میں حق تعالیٰ کی جانب سے تصرف عطا ہوتا ہے۔ مقامِ شیخیت مقامِ ولایت سے بالاتر ہے۔

شیخ صاحبِ کرامت ہوتا ہے۔ جس کی دو قسمیں ہیں: اول کرامت فی اللہ' جو اللہ اور بندے کے درمیان تعلقات سے متعلق ہے۔ اس کا علم کسی غیر کو نہیں ہو سکتا۔ دوم کرامت فی الخلق' جو بندوں سے بھی کسی قدر متعلق ہے اس کی بھی دو اقسام ہیں: (۱) تصرف فی الخلق (۲) اظہارِ خرق و عادات۔

تصرف فی الخلق طالبانِ حق کے لیے مفید اور کار آمد ہے۔ اس کی بدولت مریدین کے قلوب' طبائع' حرکات و افعال و اخلاق کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ یہ قلبِ ماہیت چونکہ بتدریج واقع ہوتی ہے اس لیے اس کا فوری اظہار عوام پر نہیں ہوتا۔

خرقِ عادت(Contrary to nature, miracle)

اظہار خرق عادت کا فوری اظہار ہو جاتا ہے۔ مگر ارشاد و طلبِ حق کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتا۔ یہ استثنا اس صورت میں کہ لوگ ان خوارق کو دیکھ کر اس شیخ کے معتقد ہو جائیں اور طلبِ حق میں اس کی جانب رجوع کریں' اور فائدہ اٹھائیں۔

شیخ کی تین اقسام ہیں:

شیخ کامل: یہ خود کامل ہوتا ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا گو ابتدائی تعلیم دے سکتا ہے۔

شیخ مکمل: خود بھی کامل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کامل بنا دیتا ہے۔ یہ ابو الحال ہوتا ہے۔

شیخ اکمل: شیخ مکمل کی سی قابلیت رکھتا ہے۔ خود بھی کامل اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہے مگر بناتا نہیں کیونکہ

مغلوب الحال ہوتا ہے اور اپنی مغلوبیت ہی سے فرصت نہیں پاتا کہ دوسروں کی جانب متوجہ ہو۔

شیدا:

شیدائیت۔ اہل جذبہ وشوق' تارک الدنیا۔

شیون:

تعینات[1] وجودِ حق در مرتبہ علم۔ شیوہ جذبہٗ الٰہی کا کبھی ہونا اور کبھی نہ ہونا تا کہ جذبِ مسلسل سے غرور وغفلت نہ پیدا ہو۔ (شیوہ: طور' طریق' ناز' ہنر)

[1] لازمی خوبیاں۔

* determinations,essential qualities, determining of God's essence, a rank or شیون honour in Allah's unspired knowledge.

عزت' محبت آمیز نظروں میں۔

ص

صبا:

ایک ہوا جو عرش کے نیچے سے صبح کے وقت چلتی ہے۔ بادِ خنک ولطیف اور نسیم خوشگوار ہے جس سے گلہائے رنگا رنگ کھلتے ہیں اور عاشقان دلدادہ اس سے مشائمِ روح حاصل کرتے ہیں۔ نفحاتِ رحمانیہ جو عشاق کی تروتازگی کے لیے مشرقِ رحمانیت سے آتے ہیں۔

خوش نسیمے ست کہ از مشرقِ جاں می آید

صبح وشام:

صبح وحدت[1] ہے اور شام کثرت[2] صورِ مظاہر (scenes) میں صبح ظہورِ حق ہے اور شام فضائے حق ہے۔ تعیناتِ مظاہر میں' قلب سالک پر آفتابِ حقیقت کے طلوع ہونے سے قبل جو واردات ہوتی ہیں۔ ان کی جانب بھی صبح کے لفظ سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ احوال کا آغاز بھی طلوع فجر ہے۔

[1] سایہ [2] دنیاوی تعلقات۔

صبر:

کسی معاملہ میں مخلوق کا نہ تو خالق سے گلہ کرنا اور نہ ہی حرفِ شکایت کو دل میں جگہ دینا صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوبؑ کے صبر کی تعریف فرمائی ہے کہ 'وہ اچھے بندے تھے' انہ اوّاب (ص ۳۸' آیت ۴۴) اس سے پیشتر (آیت ۱۷) میں یہی تعریف داوٗدؑ کی آئی ہے:

اِصبر عَلیٰ مایقولون و اذکر عبد نا داوٗدَ انہ اوّاب (سورہ ص ۱۷)

سب اس کے فرمانبردار تھے۔

رفع تکلیف کے لیے اسباب کی جانب التفات نہ فرماتے تھے بلکہ دل سے دعا کرتے تھے کہ سب کی جانب رجوع کرنے کی نسبت مسبب کی طرف رجوع کیا جائے۔ بندہ نہیں جانتا کہ سبب الٰہی میں کون سا سبب اس امر خاص کے لیے معین ہو چکا ہے۔ بعض لوگ دعا میں بھی سبب متعین کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سبب علم الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ خدا سے دعا ہی نہیں کی گئی بلکہ اس سبب خاص سے دعا کی گئی جس کے لیے وقت وحالات مقتضی نہ تھے۔

صحو:

عارف کا سُکر سے احساس کی جانب آنا (یعنی بیداری)۔

صدا:

انعکاسِ صوت[1] کائنات بھی ایک صدا ہے یعنی انعکاس ہے نغمہٗ کُن کا۔

[1] صدائے بازگشت' گونج یا ردِعمل)۔

صدق:

ظاہر و باطن میں' دل و زبان سے' خفیہ و علانیہ حق تعالیٰ اور خلق سے راستبازی سے پیش آنا (یا ایمانداری)۔

صراحی:

مقامِ مستی، شکرِ اول، وجد۔ وہ مقام جہاں سالک متحیر ہو جائے۔ کوئی سا مقام جہاں کی مستیاں سالک (پر نازل ہو رہی ہوں) محسوس کر رہا ہو۔

صراط مستقیم:

سورہ فاتحہ میں جس پر چلنے کی دعا اور تلقین ہے۔ وہ راستہ جو کشف کی جانب لے جاوے۔ مشہد اَحدی ہے۔ مشہد کے معنی حاضر ہونے کی جگہ ہے۔

صعق: (Swoon, Fainting مدہوشی)

تجلی ذات سے حق میں فنا ہو جانا۔ لغوی معنی آسمانی بجلی کی کڑک سے بے ہوش ہو جانا۔

صفات (Qualities):

ذات کی صفات، صفات خداوندی۔

ایجابی (Positive)۔ سلبی (Negative)۔

صفاتِ سلبی: مجددؒ کے نزدیک صفاتِ سلبی کی بھی دو اقسام ہیں: سلبی اور ایجابی، پھر صفاتِ سلبیہ کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) ایک تو یہی صفاتِ سلبیہ جن سے نقص کی نفی کرنا متصور پر ہوتا ہے۔ مثلاً اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔ کوئی اس کا ثانی نہیں۔ کوئی اس کا حریف نہیں، کوئی اس کا باپ یا ماں نہیں۔ کوئی بیوی بیٹا نہیں (مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۷)

(۲) دوسری صفاتِ سلبیہ وہ ہیں جن سے اُس کا ورا ہونا مراد ہوتا ہے۔ مثلاً جسم نہیں، جسمانی نہیں۔ جوہر نہیں، عرض نہیں۔ حال نہیں، محل نہیں، محدود نہیں، جہت سے بے جہت نہیں اور نسبت سے بے نسبت ہے۔ یعنی وہ ہمارے معقولات عقلی کا مصداق ہونے سے بالاتر ہے۔

صفاتِ ایجابی: اس کی بھی دو اقسام ہیں: ایک اضافی مثلاً قدم (Self-subsistence) (پرانا ہونا) دوسرا ازلیت (Eternity) امرِ وجوب (واجب حکم) اور الوہیت۔ اس کا اثبات یوں کیا گیا کہ اس کے مقابل جو صفات ہیں وہ نقص کی صفات ہیں اور ان کے مقابل یہی صفات کامل نظر آتی ہیں ورنہ اس کی ذات سے تو وجوب وامکان کچھ نسبت ہی نہیں رکھتے لیکن چونکہ انحصارِ عقلی اِمکانِ وجوب اور امتناع میں ہے لہٰذا وجوب کا اثبات اس کی ذات کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

صفاتِ اضافی کے علاوہ صفاتِ حقیقی ہیں۔ حقیقی صفات وہ ہیں جو محض اس طرح اضافی طور پر اس کی طرف منسوب نہیں کی جاتیں بلکہ اس کی ماہیت میں داخل ہیں مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ شیخ مجدد الف ثانی صفات کو زائد علی الذات اور عالم کو ظل صفات مانتے ہیں (مکتوبات ۲۶، دفتر سوم)۔ یہ علم کلام کی بحث ہے۔ مجددؒ نے ماتریدیہ کا مذہب اختیار کیا ہے لیکن وہ اس کی تصدیق ازروئے کشف بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفات عین ذات نہیں اور ذات صفات سے تکمیل نہیں پاتی بلکہ سفر خود کامل ہے۔ اللہ اپنی ذات سے موجود ہے۔ اپنی ذات سے حی ہے۔ علیم، سمیع، بصیر، حکیم اپنی ذات سے ہے اور اپنی ذات سے موجود ہے اور اپنی ذات سے مُکَوِّن ہے[1] اس کی صفات یعنی وجود، حیات، علم، قدرت، ارادہ وغیرہ کا ظل یا معلول یا عالم ہے ذات کے تعینات ہیں۔

[1] پیدا کرنے والا Creator ہے۔ مُ۔ ک۔ وِّ۔ ن

طریقۂ نبوت: یہ وہ عمل ہے جس میں صرف ان اقدار کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو خود نبی کریمؐ کا مقصود تھیں۔

طریقۂ ولایت: صوفیا کی درجہ بدرجہ ترقی کا ایک طریقہ جس پر صوفیائے اسلام نے عمل کیا۔ اس کا مقصد

صوفیانہ زندگی کا ماحصل تھا کہ جو شریعت کے عین مطابق ہونا چاہیے نہ کہ اس کے بالکل خلاف۔

صفوت:

اہل صفوف وہ ہیں جو تصفیۂ قلب اور کدورتِ غیریت (حسد) سے پاک ہو گئے ہوں (پاک ہونے میں متحقق(True, certain) ہو گئے ہوں۔

صفوۃ اللہ من حلقہ or out of His Creation

The chosen of God before His Creatures.(یعنی محمدؐ)

صلاح:

ہمیشہ عبادت میں رہنا۔ صالح ہر کام خدا کے لیے کرتا ہے۔ دوزخ سے ڈرتا اور جنت کی آرزو کرتا ہے۔ نیز وہ صادق فی اللہ بھی ہوتا ہے۔

صلح(Peace, pacification):

اعمال و عبادت وغیرہ میں مقبول ہو جانا۔ صلح کامل (Perfect reconciliation) یا مصالحت

Integrity, honour, honesty, devotion, fitness, propriety, a proper thing, a prudent measure, wel being.

صلاح، نیکی، بہتری، بھلائی وغیرہ۔ ہمیشہ عبادت میں رہنا۔

صمدیت:

خدا کی صفت صمد سے مشتق ہے۔ اللہ کا بے نیاز ہونا۔ وہ حالت جہاں صوفی دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اللہ کے سوا کچھ نہیں بھاتا۔

مقام سلوک جہاں سالک صفاتِ بشری سے مبرا ہو جاتا ہے اور شہودِ ذات کے سرور میں اسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ (صمد a lord, a chief)

صنم:

ظہورِ تجلی، صورتِ صفاتی، حقیقتِ روحیہ

(صنم :an idol, a beloved, a mistress)

صوابِ شاب (جواں صورت):

صفاتِ غیر متناہی کا شہود (شاہد ہونا) وحصر (احاطہ) غیر متناہی ہونے میں متناہی ہونا۔ Limitles in utmost limit

صورِ علمیہ:

صور علمیہ یا اعیانِ ثابتہ ایک ہی ہیں۔ دیکھیں اعیانِ ثابتہ۔

صورِ کونیہ:

موجوداتِ خارجیہ جو عالمِ واقع میں موجود ہیں اور دراصل اشکال و اجسام ناسوتی (دنیا کے) ہیں۔ دیکھو حقائق عینیہ یا اعیانِ ثابتہ[1]

[1] (Figures representing Names of God

صومعہ:

مقامِ تنزیہ، مسیحیوں کا گرجا۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ پر تنزیہ کا غلبہ تھا اور آپؑ کی تعلیمات کو بھی تنزیہ سے ایک خصوصیت تھی۔ اس لیے صومعہ سے تنزیہ کی طرف کنایہ کیا جاتا ہے۔(purity, holiness)

صوفی:

تفصیل کے لیے دیکھو ص ۱۴۳ کشف المحجوب، مترجم: سید محمد فاروق، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۹۹۹ء۔ واضح رہے کہ پیوند لگے کپڑے پہننا صوفیاء کا شعار نبی کریمؐ کے اس قول کے مطابق ہے:

علیکم بلباس الصوف تجدون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم

صوف (اون) کا لباس اختیار کرو۔ اپنے دل میں ایمان کی حلاوت محسوس کرو گے۔ عیسائی اور یہودی صوفیا بھی صوف کا لباس پہنتے تھے' اونٹ کی اون کا لباس۔

كانَ النبي يُلبِسُ الصّوفَ و يركب الحمار

آنحضورؐ پشم کا لباس پہنتے اور گدھے کی سواری کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ہے کہ آپ کے خرقے کو تیس تیس پیوند لگے ہوتے تھے اور آپ ہی کا کہنا ہے کہ بہترین کپڑا وہ ہے جس کی قیمت کم ہو۔

حضرت علیؓ کے پیراہن کی آستین انگلیوں کے برابر ہوتی تھی۔ اگر کبھی لمبا پیراہن آجاتا تو اس کی زائد آستین کاٹ ڈالتے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو دیکھا آپ نے بے شمار پیوند والی کمبل کی گدڑی پہن رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ہرم بن حیانؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت اویس قرنیؒ کو دیکھا کہ آپ نے پشم کا ایسا لباس پہن رکھا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔

حسن بصریؒ، مالک بن دینارؒ اور سفیان ثوریؒ سب کے سب پیوند لگی اون کی گدڑی پہنتے تھے۔

ط

طامات:(doutful words)

وہ معارف جو ابتدائے سلوک میں سالک کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ طامات خودنمائی کو بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگ عوام پر اپنا رنگ جمانے کے لیے ایسے رنگ اختیار کر لیتے ہیں جو ان کے حال سے بعد رکھتے ہیں اور جن میں خلوص نہیں ہوتا۔ اس قسم کی بے ربط باتیں طامات میں آتی ہیں۔ دراصل بے ربط (raving non sense) بولنا یہی ہے۔

طامۃ الکبریٰ Adversity or calamity

ساعت کبریٰ' قیامت کبریٰ۔ لفظی: سخت ترین مصیبت۔

کسی برتن میں پانی بھرنا abound and overflow; bury, :طم

طم water, sea, rubbish thrown only by water, a vast number. (2)shrewd, ingenious. (3) a marvellous thing.

طاہر:(holy, chaste)

جس نے مجاہدہ' ریاضت وعمل سے پاکیزگی پیدا کر لی اور بوجہ اس طہارت کے اللہ تعالیٰ اس کی محافظت فرماتا ہے اور معاصی سے بچاتا ہے۔ اس کے چار اقسام ہیں:

(۱) طہارت ظاہری: جسم و لباس ظاہری کو نجاست سے پاک رکھنا۔

(۲) طہارتِ باطنی: لقمۂ حرام اور مشروباتِ حرام سے اجتناب۔

(۳) طہارتِ دل: صفاتِ ناپسندیدہ مثل بغاوت' ملاوٹ' فریب' دھوکہ' غش' غرور' کینہ' حسد وغیرہ سے بچنا۔

(۴) طہارتِ سِرّ: ماسویٰ اللہ سے اپنی توجہ اور خیالات کو دور رکھنا۔

طائر:

پرندہ' طائر جان' جان کا پرندہ روح۔ محلِ صورِ علمیہ۔ اعیانِ ثابتہ' تقدیرِ الٰہی' علم الٰہی' فرشتگانِ مقرب۔

طلب روحانی:

روحانی اور قلبی صحت کے درست' قائم اور اعتدال پر رکھنے کا علم۔

طبیب روحانی:

شیخ مکمل۔

طراوت:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مادہ میں انوار کا ظہور۔
یہاں لیاقت، قابلیت، استعداد ہی مراد ہے۔

طرب:

اللہ سے انس مطلوب جو دین و دنیا سے محبوب تر ہو۔

طریقت و احسان:

اہل طریقت، اہل احسان، قال اور حال۔ ایک گروہ بخاری، مسلم و ابوحنیفہ و شافعیؒ اخبارِ رسول (قال کو) اپنے دفتروں میں مقید کرتا رہا۔ دوسری طرف کچھ لوگ حسن بصریؒ اور ابوطالب مکی کی امامت میں انوار رسول سینہ در سینہ منتقل کرتے رہے (حضور کا ایک ایک حال، ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں منتقل ہوتا رہا)۔

طریقت یا تصوف کی بنیاد ان آٹھ خصلتوں پر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی ہوا ہے۔ التصوف مبنیٰ علی ثمانِ خصال السخا (سخاوت) ابراہیمؑ پر۔ والرضا لاسحقؑ والصبر لایوبؑ والارشاد ۃ (مناجات) لزکریاؑ و الغربتہ لیحیٰ لُبسَ الصُّوف لموسیٰ (خرقہ پوشی موسیٰؑ پر) والسیافتۂ (تجرد) عیسیٰ پر والفقر لمحمدؐ (حضرت محمد کے لیے مقام فقر ہے) ترک دنیا۔ (عبادت) تنہائی عیسیٰ کا مقام ہے۔ بصر یا بصیرت دل کی بینائی ہے۔ (فقر، فنا فی اللہ ہونا)۔ دونوں جہاں سے منہ موڑنا۔

ایک شخص نے خواب میں ان سے پوچھا کہ بندے کو اللہ سے قریب لانے والی کیا شے ہے۔ فرمایا ابتدائی درجہ محفوظاتِ شرعی (شرعی احکام جن کا یاد رکھنا ضروری ہے) اور انتہائی درجہ رضا وتسلیم وتوکل ہے۔ غربت: صفات خدائی میں غرق ہو کر صفات بشری سے الگ ہو جانا غالباً یہی مقام یحییٰؑ کا تھا۔ یہی اصطلاحِ صوفیا ہے۔

طمانیت:

سالک کے قلب ونفس کا حق تعالیٰ کے ساتھ سکون و قرار پانا۔ Satisfactory, calmness, tranquility

طمس:

محو ہونا۔ (efface or effacement) فنائے صفاتی کو کہتے ہیں، یعنی صفات حلق کو صفاتِ حق میں گم کر دینا۔ صفاتِ حق کا جملہ اشیاء میں مشاہدہ کرنا اور غیر حق کو انھی صفات سے خالی پانا۔ یہی مقام فنا یا طمس یا اپنے آپ کو مٹانا (ہلاک کرنا نہیں) وغیرہ جو طمس کے لفظی معنی ہیں۔ اقبال نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اصطلاح فنائے صفاتی کی اقبال نے مخالفت نہیں کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ربنا اطمس علیٰ اموالھم (یونس: ۸۸)

(۲) واذالنجوم طمست جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ (المرسلٰت: ۸)

(۳) فطمسنا اعینھم لوط کی قوم کی آنکھیں ہم نے بے کار کر دیں (القمر: ۳۸)

(۴) ان نطمس وجوھا (النسا: ۴۷) کہ ہم مسخ کر دیں ان کے چہرے یا ان کے سرداروں کو برباد کر دیں۔

(۵) س ۳۶:۶۶)

(۶) س ۴: ۴۷

عمل محو: فنائے افعالی کو کہتے ہیں یعنی افعالِ حق کا مشاہدہ جملہ اشیاء میں کرنا اور غیر حق کو بالکل مؤثر نہ پانا۔ (نوٹ: اللہ کی محبت کا ناقابل برداشت (انتہائی) وجدانہ عمل ہی فنائے افعالی یا قلب کا جاری ہو کر اللہ اللہ کہنا ہے۔ یہی

عمل وجد محو ہے۔

طوامع:

انوارِ توحید جو عارفوں کے دل میں طلوع ہوتے ہیں اور انوارِ سابقہ کو مخفی کر دیتے ہیں۔ وہ کیفیات جو اسماءِ الٰہیہ کی تجلیات سے سالک کے باطن میں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے اخلاق و اوصاف کو نورِ باطن سے منور کر دیتی ہیں۔ نوٹ: لامعہ کی جمع لوامع ہے (تجلیات) ایم اے عربی کے کورس میں یہ کتاب شامل ہے۔(طوامع : لالچ) نوٹ: تجلی یا تجلیات الٰہی کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ یہ عملی تجربہ ہے جو ہر مومن کو ایک یا دو مرتبہ ضرور ہوتا ہے۔

طور:

مصر، وادی سینا کا پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ آگ لینے گئے اور پیغمبری مل گئی۔

نفسِ انسانی کا باطن ہے جسے مومن کی حقیقتِ الٰہیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ نوٹ: اگر طورِ ایمن نفس ہے۔ تو طور ایمن کے لفظی معنی خوش قسمت اور مبارک کے بھی ہیں۔ لہٰذا اللہ یا رحمٰن و رحیم یعنی ذات باری تعالیٰ نفس سے اپنا تعلق نفس سے کن صورتوں میں ہوتا ہے۔

طور الایمن("TOOR" fortunate)

نفسِ انسانی، جانبِ نفس سے بندہ کو ندا دی جاتی ہے:

ونادیناہ من جانب الطورِ الایمن: (مریم ۵۲)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ گویا کوہِ نفس، تجلی ذاتِ الٰہی سے پاش پاش ہو جاتا ہے اور ندا سننے والا بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اس بے ہوشی سے محق و سحق یا فنائے ذات مراد لی جاتی ہے۔ (یہ تشریح ہی مشکوک معلوم دیتی ہے) جب بندے کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ جب بندہ ہی درمیان سے ہٹ گیا۔ تو 'لن ترانی' صادق آیا۔ گویا اللہ نے اللہ کو دیکھا کیونکہ حادث (انسان) کے لیے ناممکن ہے کہ قدیم کے ظاہر ہونے کے وقت ثابت قدم رہ سکے۔

لن ترانی والی یہ تشریح بھی ٹھیک نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ سلوک کی منزلوں خود نہیں سمجھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حالتِ فنا میں انسان دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مقام عشق و مستی ہے۔ مقام بقا حاصل کرنے کے بعد ہی وہ دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ نفسِ ذاتِ الٰہی میں پاش پاش ہونا بھی تصدیق طلب ہے۔ قرب الٰہی میں نفس ختم ہو جاتا ہے۔

نوٹ: اس کے علاوہ ہر پیغمبر ہر وقت مقام تمکین (استقامت) میں ہوتا ہے۔ اس لیے موسیٰؑ صرف بے ہوش ہوئے کیونکہ اللہ کا یہ نور اچانک وارد ہوا تھا۔ لہٰذا کمالِ حیرانی کے باعث موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔ پہاڑ نہ مقام تلوین کا حامل ہوتا ہے نہ تمکین کا لہٰذا ریزہ ریزہ ہو گیا۔

محق: کے معنی باطل کرنا (بند کرنا (insense the of) قلم پھیرنا (کسی کام کو منسوخ کرنے کے لیے) مٹانا کسی رحمت سے محروم کرنا (بھڑکنا، دہکنا، جلنا) اصطلاحاً محق سے مراد بے برکت کرنا ہے۔ یہ معنی فعلِ معروف میں ہیں۔ فعلِ مجہول میں محق کے معنی ہوئے ہلاک ہونا۔ (deprive of blessing, efface)

سحق: کوٹنا (بہت زیادہ) ہلاک کرنا، باریک کرنا، سحق عین: آنسو بہانا۔ ایضاً دور ہونا۔ کپڑے کا بوسیدہ ہونا۔ پرانا ہونا لیکن اس جگہ محق کا مترادف destruction ہی ہے۔(سحق to crush) ہے۔

ظ

ظل اور اصل:

(وحدت الوجود Pantheism کے عقائد کی رو

سے) ہر رُخ سے۔ ہر پہلو سے۔

ظہورات aspect (covers all synonymous words). prominent events or displays

لازمی خاصہ۔ دنیا، کائنات، ہستی، وجود essential

تعینات qualities

اصل سے اگر ذات مراد ہے تو ظل جملہ ظہورات و تعینات ہیں۔ وجودِ اضافی تو اعیان ممکنات (موجوداتِ عالم، ممتاز ہستیاں) کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ وجودِ خارجی (زندگی، ہستی) ظلمت (تاریک دنیا)۔ عدمیت (Nonentity, nothingness) ظلمتِ عدمی (تاریکی جب کوئی کچھ نہ تھا)۔ معدوماتِ ظاہرہ (ناپید اشکال) جو انوارِ الٰہی سے ظہور پکڑتے ہیں۔ (معلوم نہیں کہ معدوماتِ ظاہرہ کو ممکنات یا ممکناتِ ظاہرہ کیوں نہیں کہا)۔ امکاناتِ ممکنات جو دراصل معدومات (ناپید چیزیں) میں سے ہیں اسم نور سے ظاہر ہوئے تو گویا معدومات کا ظہور جس نور سے ہوا اس نور کو ظل کہتے ہیں۔ عالم کو اللہ سے وہی نسبت ہے جو سایہ کو اس شخص سے ہے جس کا وہ سایہ ہے (تمام وحدت الوجود کی تعلیم ہے) یہ ظلِ الٰہی ہے جس کو عالم کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ فرقان میں ہے:

الم تر الی ربک کیف مدّ الظل ولوشاء لجعله ساکناً ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا (القرآن: ۴۵)

سایہ گھٹتا بڑھتا ہے، اللہ نہیں (لیکن انسان گھٹتا بڑھتا نہیں) گویا نورِ آفتاب سے سایہ پہچانا جاتا ہے۔ سایہ کے گھٹنے بڑھنے سے ہی معدومات (non-existing) ظاہرہ، ظاہری طور پر، خارجاً، موجودات، کائنات، تخلیقات۔

ثم قبضناه الینا قبضاً یسیرا (الفرقان: ۴۶)

پھر ہم (اسے) اُس کو تھوڑا تھوڑا کھینچا (پکڑ اور کھینچا)۔

پس جملہ تعینات باعتبار ھویت اللہ ہی کا وجود ہے۔

(Plotinus نے بھی وحدت الوجود کی یہی تعلیم دی ہے)۔ لہٰذا وجودی حضرات کہتے ہیں کہ وجودِ حق باعتبار اپنی عینیت (اصل ذات۔ اصل حقیقت) کے اللہ ہی ہے۔ ہماری ذات اور ہمارے اسما بھی اللہ ہی کے اسما کے ظل ہیں اور ہمارے اعیان نفس الامر یعنی موجوداتِ عالم فی الحقیقت اس کے ظل ہیں اور اس کے غیر نہیں۔ بلحاظ حقیقت کے وہ ہماری ھویت ہے (مرتبۂ وحدت مراد لینا گناہ ہے) نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا. لیکن باعتبار تقید (Limitation۔ حد بندی) کے وہ ہماری ھویت نہیں۔ لہٰذا من وجہ بندے کی ھویت نہیں۔ (ھویت: حقیقت (ہماری حقیقت) ہی صحیح معنی ہیں)

مجدد صاحب نے مندرجہ بالا نظریہ وحدت الوجود کی تغلیط و تردید کی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ دلیل بالکل بودی ہے۔ انسان کا سایہ تو گھٹتا بڑھتا ہے۔ مدالظل (سایہ کا پھیلنا) تعین اوقات کے لیے اللہ کی علامت ہے۔

ظل الٰہ:

انسانِ کامل، عالم، ظلِ اول: عقل اول، تعین اول، مرتبۂ وحدت، اسماءِ الٰہی۔ حکمران اور بادشاہ عوام کو مذہبی طور پر زیرنگیں رکھنے کے لیے خود کو ظل اللہ یا ظل سبحانی کہتے اور لکھتے رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قرآن وحدیث کی سند حاصل نہیں۔ عیسائی بادشاہ بھی ایسا ہی کہتے اور لکھتے رہے۔

ع

عارف:

صفاتِ باری تعالیٰ کا پہچاننے والا۔ بطریق حال و مکاشفہ، نہ بطریق مجرد* علم (* محض)

موحد: ذاتِ باری تعالیٰ کا عارف۔ خدا کی مطلق عبادت کرتا ہے اور اس کو کسی محدود چیز کے ساتھ مقید نہیں کرتا۔

(a)عالم:

وہ شخص جس نے ذات و صفات و اسماءِ الٰہی کے متعلق جو کچھ حاصل کیا ہوا ہے وہ علم الیقین کے ساتھ حاصل کیا ہے نہ کہ کشف و شہود کی راہ سے۔

(b)عالم:

علامت سے عالم مشتق ہے۔ لغوی اعتبار سے عالم وہ ہے جس کے ذریعے سے کوئی دوسری شے پہچانی جائے۔ اصطلاحِ صوفیا میں ماسویٰ اللہ عالم ہے۔ عالم کا وجود ظلی ہے (وحدت الوجود ہے)۔ لہٰذا عالم صورتِ حق ہے اور حق تعالیٰ روحِ عالم ہے بلحاظ خلیفۂ حق ہونے کے آدمؑ یا محمدؐ کو جو انسانِ کامل ہیں، روحِ عالم کہا جاتا ہے۔ (عالم مثال World of Similitude:)

کہتے ہیں کہ کل ہژدہ ہزار (اٹھارہ ہزار) عالم ہیں۔ آٹھ ہزار آسمانوں میں آٹھ ہزار دریا اور زمین کے اندر اور دو ہزار اس دنیا کے اندر ہیں۔ ان دو ہزار میں سے ایک ہزار شکمی ہیں جن کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہزار عالم بیضہ ہیں جو انڈے دیتے ہیں پھر انڈوں سے بچے نکالتے ہیں۔

جنتوں کا پہلا طبقہ عالم ملکوت ہے۔ اس کے غالباً ۳۶ خیال طبقے ہیں۔ دوسرے عالم کا نام جبروت اور تیسرے کا لاہوت۔ ان دونوں میں ۱۸۔۱۸ طبقات ہیں۔ ملکوت کا جو طبقہ عرفات سے ملا ہوا ہے اس میں معمولی مسلمانوں کے لیے معمولی قسم کی جنتیں ہیں۔ چھتیسویں طبقے کی جنتیں پچھلی تمام جنات سے بہتر اور اعلیٰ ہیں۔ جبروت کے شروع ہوتے ہی منظر بالکل بدل جاتا ہے۔ شان و شوکت، آرام و آسائش، حور و قصور، باغات و انہار کے لحاظ سے ملکوت کی جنتوں سے کہیں بہتر اور متمیز ہیں۔ لاہوت کی جنتوں کا تو کہنا ہی کیا۔ یہ قطعاً مثالی بلکہ خیالی معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں اولیاء اصفیا، صدیق اور شہید ہوتے ہیں۔ لاہوت کے بعد ھاھوت ہے۔ اس کے چودہ طبقات ہیں۔ یہاں پہلے ہی طبقے سے صور و اشکال اس قدر باریک اور دھندلی اور لطیف ہو جاتی ہیں کہ مشکل ہی سے نظر آتی ہیں۔ دو چار طبق آگے نکل جانے کے بعد ان کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ صرف معنویت رہ جاتی ہے۔ یہاں سے جو کچھ مکشوف و مشہود ہوتا ہے، دنیا کی زبان میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔

ھاھوت کے بعد عالم ھو ہو۔ اس کو طبقات میں تقسیم کرنا ناممکن ہے۔ یہ نور جیسی ایک چیز کا ناپیدا کنار سمندر ہے جس کو خدا دکھانا چاہے وہ یہاں بھی بہت کچھ دیکھتا ہے لیکن جو کچھ مکشوف و مشہود ہوتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہماری دنیا میں اس کی مثالیں نہیں ہیں۔ جن سالکوں کی روحیں یہاں زیادہ عرصہ قیام کرتی ہیں ان کو بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ دوزخ سے ھو کی انتہا تک جو عالم ہے وہ عالم مثال کہلاتا ہے۔

ھو کے بعد بالکل ہی نیا عالم شروع ہوتا ہے۔ وہ عالم امر ہے اس کا پہلا طبقہ یا لطیفہ لطیفۂ عدم کہلاتا ہے۔ یہاں بھی مطلقاً کوئی ایسی چیز نہیں جو نظر آ سکے یا عقل و تجربے سے معلوم ہو سکے۔ عدم دراصل ایک تجریدی اور منفی قوت ہے بسیط شکل میں۔ عدم کے بعد نفسِ بسیط، پھر عقلِ بسیط، پھر روحِ بسیط کے لطائف ہیں۔ روح کے بعد سوادِ عرش ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلیات ظاہر ہو کر تمام عالم میں ہر وقت جاری و ساری رہتی ہیں۔ اس کے بعد عرشِ اعظم ہے۔ جو ذاتی تجلیات کا عالم ہے اور اسی کے مرکز میں اللہ تعالیٰ کی وہ ذاتِ بحت مشہود ہوتی ہے، جس میں نہ کوئی رنگ ہے نہ نور نہ کوئی صفت۔ ذاتِ بحت کسی خاص علاقے میں محدود و مقید نہیں۔ وہ ذات تو اپنی تمام صفات کے ساتھ ذرہ ذرہ میں موجود ہے۔ ھو سے آگے عدم ہے اور اس سے آگے

عالم امر ہے یعنی جو اشیا یا ارواح عالم مادی میں پیدا ہونے والی ہیں۔ ان سب کی مثالی صورتیں مع تمام جزئیات کے ابھی اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہیں اور نزول کر رہی ہیں۔ کوئی ولی' نبی یا فرشتہ ان کا حال نہیں جان سکتا۔ عالم امر کے آگے عرش اور عرش کے مرکز میں اللہ کی ذاتِ احدیت ہے۔ جب مجدد الف ثانی اس مقام پر پہنچے تو اصل حقیقت ان کی سمجھ میں آ گئی اور انھوں نے دیکھ لیا کہ اللہ اللہ ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔ یہ دو وجود ہیں۔ ایک وجود کا نظریہ یا عقیدہ غلط ہے اور وہ بے اختیار پکار اٹھے:

اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القھار (الرعد:۱۶)

اور وہ ہر چیز پر غالب ہے یہی قہار کے معنی ہیں۔

کچھ حال روح کا بھی سن لیجیے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ روح کوئی محدود جسم والی ایسی چیز ہے جو بدن سے نکل کر گیند کی طرح یا پرندے کی طرح اڑتی پھرتی ہے۔ روح کی مثال تو ایک شعاع کی سی ہے جس کی اوپر کی چوٹی ہر وقت خدا کے ہاتھ میں رہتی ہے اور نیچے کا سر انسان کے دماغ میں پیوست ہو کر بدن کے ہر ذرے پر اپنا عکس ڈالتا ہے۔

نوٹ: جب میں نے نوجوانی میں اپنی روح کو دیکھا وہ بالکل انسان کی طرح نظر آئی۔ اڑتی ہوئی ایک پرندے کی طرح لیکن بہت تیزی کے ساتھ کبھی اس محل پر اور ایک سیکنڈ میں اس محل کے آخری سرے پر۔ حالانکہ خود کرسی پر بیٹھا ہوا ہوں۔ نیچے دیکھتا ہوں تو کرسی پر ہوں اوپر دیکھتا ہوں تو اڑ رہا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب مطلقاً عرش کہا جاتا ہے تو اسی آسمان سے مراد ہوتی ہے' جب صفات سے اسے مقید کیا جاتا ہے تو اسے کثیب کہتے ہیں (کثب الماءٔ پانی گرانا' شائد بارش) قرآن' ریت کا ٹیلہ یا ڈھیر (Sand hill)

عالم الامر:

وہ عالم جو بلا مدت و مادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا۔ (عالم ارواح)۔

عالم الخلق:

وہ عالم جو مادہ سے پیدا کیا گیا۔

عالم کلی:

عقل کلی' نفس کلی' نفسِ کلی کا مظہر انسانِ کامل ہے۔

عالم مثال:

یہ عالم برزخ ہے۔ درمیان عالم ملکوت اور ناسوت کے۔ محسوس و مقداری ہونے میں وہ جوہرِ جسمانی کے مشابہ اور نورانی ہونے میں جوہرِ مجرد عقلی کے مشابہ ہے۔ نہ وہ جسم ہے کہ مادہ سے مرکب ہو' نہ مجرد جوہر عقلی ہے بلکہ دونوں سے غیر ہے اور دونوں کے درمیان برزخ ہے (حد فاصل) ایک جہت سے عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری جہت سے عالم شہادت سے۔ اس کا نام عالم مثالی اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ عالم جسمانی کی صورتوں پر مشتمل ہے۔ اعیانِ حقائق کی علم الٰہی میں جو صورتیں ہیں' ان کا پہلا ظہور عالم مثال ہی میں ہوتا ہے۔ خیالِ منفصل بھی اسی کا نام ہے۔ کیونکہ مادی نہیں اور خیالِ متصل سے بہت مشابہ ہے۔ کوئی چیز (روح) ایسی نہیں جو اپنے کمال کی مناسبت سے کوئی صورتِ مثالی نہ رکھتی ہو کیونکہ ہر چیز کو اسم ظاہر سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے حضرت جبرئیلؑ کو سدرۃ المنتہیٰ میں چھ سو بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ یہ عالم مثال عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں اور زمینوں اور ان کی تمام چیزوں پر محیط ہے۔

(۱) دنیا: مجرد عقلی۔ جو مادہ سے پاک ہے+ جوہر essence+ اعیانِ حقائق' دنیا کی حقیقتیں+ خیالِ متصل'

متواتر آنے والا+ عالم مثال' خیالات کا عالم' خواب' وجد+ خیال منفصل' رائے وغیرہ۔

عالم معانی:

معانی' ذات وصفات واسمائے الٰہی۔

عبادت:

اچھے اعمال کا خالص خدا کے واسطے صادر ہونا بغیر اس کے کہ بدلہ چاہا جائے۔

عبودیت:

خدا کے واسطے عمل کرنا۔ بندہ کا مرتبۂ الٰہیہ سے اللہ کی معیت میں خلق کی طرف لوٹ آنا اور کمالاتِ باطنی کو کماحقہ حاصل کرکے ہدایتِ خلق کی جانب متوجہ ہونا اور شریعت کی مقید زندگی کو اپنا دستور العمل بنانا۔

عدم:

اعیانِ ثابتہ جو اللہ کے علم میں تو موجود ہیں مگر خارجاً معدوم ہیں:

عدم آئینہ ہستی است مطلق
کزو پیداست عکسِ تابشِ حق

یہ شعر بھی وحدت الوجود ہی کی تعلیم ہے۔ (تابشِ حق' شانِ الٰہی' تابانی)

عدم صرف یا عدم محض:

محض عشق مجازی' بلا شمولِ عشق حقیقی اور بلا اشتیاقِ دیدِ حق تعالیٰ اور مظاہر خلیقہ کیونکہ ایسے عشق میں شائبۂ ہوس پرستی ہے۔ اسے عدم صرف اس لیے کہتے ہیں کہ ممکنات عدم محض ہیں اور ان میں سرگشتگی تضیع اوقات ہے۔

عرش المجید:

اس سے عالم قدس مراد ہوتا ہے جو مرتبۂ رحمانیت ہے (لفظی: مجیر' جوروظلم سے بچانے والا)

عرش العظیم:

اس سے حقائق ذاتیہ اور متقضیاتِ نفسانیہ مراد ہیں۔ جن کی سکانیت عظمت بھی عالم قدس ہی ہے۔

عُزلت (ع۔ز۔ل۔ت)

مخالطت خلق سے نکل جانا۔ انقطاع از ماسویٰ' گوشہ نشینی۔

عشرت: تازگی' خوشی' وصل' لذت ملاپ

حق تعالیٰ کے ساتھ لذت کا حاصل ہونا' پورے شعور کے ساتھ (اسے کوئی سالک بیان نہیں کرسکتا۔ انتہائی لذت کے ساتھ محسوس کرسکتا ہے)۔

عشق ومحبت:

محبت ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی طرف کھینچتی ہے۔ دل میں اسی کا شوق' طلب' تمنا اور بے چینی کا ہونا اسی کے خیال میں شب و روز رہنا۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن
دل بدستِ دگرے دادن و حیران بودن

محبت کی عالمگیری: حُب کے ظہور سے کائنات کا آغاز ہوا اور اسی حب کی آخر تک فرماں روائی رہے گی:

سرّ حب ازلی در ھمہ اشیا ساریست
برگل' بلبل نالاں ھمہ فریاد از چیست

اس محبت کے دو پہلو ہیں:

کشش: غیر ذی روح مادۂ ذرات میں یہی محبت کشش ہے۔ چیزوں کا ایک دوسرے سے ثقل محسوس کرنا۔

محبت: ذی روح ہستیوں میں یہی کشش محبت ہے۔

عشق: محبت کا انتہائی مرتبہ اور ارفع و اعلیٰ شان ہے۔ عشق انسان ہی کے لیے مختص ہے۔ کوئی انسان اس کی حکمرانی سے آزاد نہیں۔ خواہ غریب ہو یا ایک بادشاہ' ایک جج

ہو یا ایک چوکیدار، طالب علم ہو۔

دردِ: عشق صرف انسان ہی کے حصے میں آیا ہے۔ فرشتے تک اس سے محروم ہیں۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں:

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست

درد را جز آدمی درخورد نیست

یہ عشق ہی ہے کہ ایمان اس کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔ عبادت اس کے بغیر ناقص ہے۔ عبادت بغیر عشق بے کار اور عشق بغیر عبادت ناتمام، جو طاعت محبت سے کی جائے وہ اس طاعت سے بہتر ہے جو خوف سے کی جائے۔

بقول مولانا روم:

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

در نگنجد عشق در گفت و شنید

عشق دریائے است، قعرش ناپدید

محل عشق: وہی ہو سکتا ہے جو سب سے ارفع و اعلیٰ ہو۔ تصوف کی زبان میں عشق و محبت کی تعریف یہ ہو گی کہ جمیل حقیقی کا مجملاً اور تفصیلاً اپنے کمال کی جانب میلان۔

[قدسِ (مُقدس) جنت؛ عالم قدس: جہاں فرشتے رہتے ہیں]

اقسامِ میلان: (الف) جمع سے جمع میں۔ یعنی جمالِ ذات کا شہود آئینہ ہائے ذات میں بلاواسطہ کائنات۔

(ب) جمع سے تفصیل میں: ذات کا اپنے جمال و کمال کو مظاہرِ کثرت میں ملاحظہ فرمانا۔ اس کی بھی تین قسمیں ہیں: اقرب و اوسط و اقصیٰ۔

۱۔ اقرب یہ ہے کہ جمالِ ذات کا مشاہدہ آئینہ ہائے صفات (مرایاۃِ صفات) میں کیا جائے۔

۲۔ اوسط یہ ہے کہ جمالِ ذات کا مشاہدہ آئینہ ہائے افعال میں کیا جائے۔

۳۔ اقصیٰ یہ ہے کہ جمالِ ذات کا مشاہدہ مرایائے آثار (روایات) میں کیا جائے۔

(ج) تفصیل سے جمع میں: یہ مشاہدہ (ذات کا) تفاصیل آثاری میں۔ پھر جدوجہد، کوشش و فکرِ صحیح سے قیودِ افعال و آثار سے خود کو باہر لایا جائے۔ حجاباتِ درمیانی کو چاک کیا جائے اور اپنی توجیہات کا رخ اس ذات سے ہٹنے نہ دیا جائے۔

(د) تفصیل سے تفصیل میں: عوام کی طرح جمالِ مطلق کا مشاہدہ عکس مرایائے تفاصیلِ آثاری میں (دنیا و کائنات میں) اور جمالِ مقید کو زائل کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اسے ہی مقصود کلی قرار دے کر اسی مقام پر خود کو مقید کیا جائے۔ یہ محبت کا ادنیٰ مرتبہ ہے جسے محبت آثاری کہتے ہیں۔ اس کے مبتلا (عشاق) بھی چار طبقوں میں منقسم ہیں:

(۱) وہ پاکباز جو شہوت سے پاک ہیں۔ بجز مشاہدۂ حق کے اور کچھ نہیں دیکھتے۔

(۲) جو محض عنایتِ الٰہی سے، ریاضت و مجاہدہ کی برکت سے (احکامِ کثرت سے) ضروری متجاوز کر کے اس کی مظہریت کی شان کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اپنا سوز و گداز بڑھاتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کا مجاز سے تعلق محض عارضی ہوتا ہے اور یہ لوگ بہت جلد عشق حقیقی میں ترقی کر جاتے ہیں۔ المجاز قنطرۃ الحقیقہ (پل؛ (قوس) یا مقنطرہ، پُل)

(۳) تیسرا طبقہ وہ لوگ ہیں جنھیں ترقی سے گریز اور حجابات سے اُنس ہے۔ تمام عمر ان کا میلانِ محبت ایک صورت سے نکل کر دوسری صورت میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس چکر سے وہ تمام عمر نہیں نکلتے۔

(۴) چوتھا طبقہ آلودگانِ معاصی کا ہے۔ جو نفسِ

امارہ کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ محبت آثاری[1] کا یہ مذموم مرتبہ ہے۔ (۱ روایاتی)

مراتبِ محبت: امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے محبت کو درج ذیل مراتب میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ لحظہ: look on sides: محبت کا مادہ اور مؤدت کی اصل ہے گویا کہ نطفہ ہے محبت کا۔

۲۔ رَمقہ: glance secrely محسوسات میں کسی خوبی کا ادراک کر کے اس کی پیروی کا میلان۔

۳۔ ہوا (desire): محبت و مؤدت کا ابتدائی درجہ اصل مراتب یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ (ہوا' آرزو)۔

۴۔ وُدّ (love): ایک سرّ ہے' جو کیفیت ہوا (desire) کے بیدار ہونے سے باطنِ محبت میں داخل ہوتا ہے۔

۵۔ خُلّت (Sincere friendship): سچی دوستی قوائے روحانی میں محبت کا جڑ پکڑ لینا۔

۶۔ حُب وہ حالت جس میں قلب ماسوائے 'المطلوب' کے پاک ہو جائے۔

۷۔ عشق: محبت کا انتہائی مرتبہ۔ افراطِ محبت۔ بعض عارفین کے نزدیک اس کا اطلاق ذاتِ صمدیت[1] پر نہیں ہوتا۔ وہاں افراط و تفریط کا گزر نہیں (۱ بے نیاز)

مجمع السلوک شرح رسالہ مکیہ میں محبت کے دس مدارج بیان کئے گئے ہیں: (۱) موافقت (۲) میل انسیت or (یا موانست (۳) مؤدب (۴) خُلت (۶) محبت (۷) شغف (۸) تیم: (محبت سے تاثیر پیدا کرنا' فیض دینا۔ (۹) ولولہ: آئینہ دل میں جمال دوست کو محفوظ کر لینا اور ہمیشہ اسی مستی میں بیمار رہنا۔ (۱۰) عشق: بے قرار ہو کر خود کو گم کرنا۔

شیخ عبد العزیزؒ نے رسالہ عشقیہ میں محبت کے دس مراتب اور ہر مرتبہ کے تحت میں پانچ پانچ مدارج تحریر فرمائے ہیں:

(۱) الفت (افعال و صنائع سے متاثر ہونا) الفت: کتمان' (چھپانا)' میلان' تمنا' اخبارِ دوست سے لطف حاصل کرنا' تضرع' عاجزی۔

(۲) صداقت: صفا' غیرت' اشتیاق' ذکر محبوب' تحیُّر

(۳) ہوا:[1] خضوع'[2] بذل' صبر' تضرع' تسلیم و رضا (۱ خواہش desire) (۲ عاجزی)

(۴) شغف: فرمانبرداری' محافظت باطنی از غیر' دوست کے دشمن سے دشمنی' دوست کے دوستوں سے محبت (شغف' اشتیاق' رغبت' بے حد محبت)' عاجز بنا (خشوع و خضوع)

(۵) خُلّت: (خلوص' مخلصانہ محبت) نگہ' اغیار سے چشم پوشی' صدق' مرضیِ محبوب سے مسرت قبول کرنا' دوست سے ہی دوست کی شکایت (مثل یعقوبؑ)' اخفا (چھپا دینا)

(۶) محبت: حسنِ اخلاق' ملامت اور حیرت' مشاہدۂ غیوب' آرزوئے ملاقاتِ دوست' اُنس نامحبوب۔

(۷) مودّت: گریہ' بکا' حسرت' تفکر درمحبوب) مراقبۂ محبوب۔ درستی' محبت۔

(۸) عشق: فقدان (خود) محبت میں مرنے کی کیفیت' تاسف (فراق اور وصال یا رکی محرومی)' وجد' بے صبری' صیانت یا نگہبانی۔

(۹) تُیم: تفرد (ایک ہو جانا (دوست سے)' مبذلِ روح' انس۔

(۱۰) ولہ: تضرع اور اخلاص سے سوال' شراب سلسبیل عشق کا نوش کرنا' سکر' اضطراب' بے خودی۔

نزد شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱) میل' (۲) رغبت' (۳) ولَع (فریفتگی) اور اچھی چیز کی تمنا' (۴) صبابہ (دل کا تنگ ہونا محبوب کے نہ ملنے پر)' (۵) ہوا'

(۶) شغف' (۷) اعزام (طلبِ مطلوب میں خود کو فنا کر دینے کے درپے ہونا) (۸) عشق یا حبِ مطلق اور فرماتے ہیں کہ حُب اور وُدّ مشترک ہیں۔

قاضی حمید الدین ناگوری کے نزدیک مراتبِ طریق حسبِ ذیل ہیں:

(۱) علم' (۲) عمل' (۳) نیت' (۴) صدق'
(۵) عشق۔

بقول سید علی ہمدانی کے مراتبِ طریق حسبِ ذیل ہیں:

(۱) شوق' (۲) صبابہ (۳)' توقان' (۴) جودی' (۵) اشجان' (۶) برق' (۷) وجد' (۸) ذوق شرب' (۹) دری اور (۱۰) شکر وغیرہ۔ مقدمات یا عوارض و لوازم محبت سے ہیں نہ کہ نفسِ محبت سے۔ اجمالی تعریف درج ذیل ہے:

۱۔ شوق: طلبِ وصال ہے۔ غائب چیز کا ذوق حاضر چیز کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔
۲۔ صبابہ: مطلوب کے نہ ملنے پر دل تنگ ہونا۔ (لفظی: محبت' خواہش)۔
۳۔ توقان: وصال محبوب کی آرزو مندی (لفظی: شدید خواہش)۔
۴۔ جودی: نیکی و سلامت روی (صحیح لفظ جودت ہے۔ تیز فہمی' فراست' خوبی' جوہر' لطف و کرم)۔
۵۔ اشجان: مطلوب کی جدائی سے غمگین ہونا۔ (لفظی: معنی یہی ہیں)۔
۶۔ برق: عالم غیب کی چمک جو سالکانِ کمالات روحانی پر اس دنیا میں اپنی کرن پھینکتی ہے اور وجد کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔
۷۔ وجد: وارداتِ غیبی جو طالبانِ حق کے دل میں خوف یا لذت و سرور' یا حزن و ملال پیدا کرتی ہے۔
۸۔ شرب: درمیانی تجلیات صفاتی کے آثار و نتائج سے (اس کی نسبت) ہے۔
۹۔ دری: وہ انتہائی فوائد جو قلوب و عقولِ سالکان و عارفان' اسرار و انوارِ تجلیات سے حاصل کرتے ہیں۔ (لفظی: درباری زبان (b) تیتر' بٹیر۔
۱۰۔ شکر

عرش:

سب سے اونچا آسمان' جو تمام افلاکِ معنویہ اور صوریہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس آسمان کی سطح مکانتِ (مقامِ) رحمان (رحمانیہ) ہے۔ اس کی ہویت مطلق وجود ہے۔ اس آسمان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس کا باطنِ عالم قدس ہے جو اسماء و صفات کا عالم ہے۔ اس کا ظاہر عالم اُنس ہے جو تشبیہ و تجسیم و تصویر کا محل ہے اور جو جنت کی چھت ہے۔ یہ مکان جہتِ ستّہ سے منزہ ہے۔ منظرِ اعلیٰ ہے۔ تمام اقسامِ موجودات کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس طرح جسم ہیکلِ انسانی جمیع انفس (minds, spirits, souls) کا جامع ہے اسی طرح عرش جسم کلی ہے۔ جو جمیع آفاق کا جامع ہے۔ اس میں اسماء و صفات کے مجلّا کو کثیب کہتے ہیں۔ اہلِ جنت مشاہدۂ حق کے لیے اسی کی جانب جائیں گے اور اس پر کھڑے ہوں گے۔

[کثیب: ریت کے ٹیلے یا تودے ؛ مجلّا: روشن و روشن و واضح کیا گیا' باتصویر صاف اور واضح (manifested)۔

عروج و نزول:

سلوک کی سیر کیونکہ دائرہ کی شکل میں متصور ہوتی ہے لہٰذا اسے سیرِ مُستَدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور سالک جہاں سے ابتدا کرتا ہے اسی نقطے تک واپس آنے کی نصف سیر کا دوسرا حصہ نزول اور پہلا حصہ عروج کہلاتا ہے۔

علماءِ ظاہر:

(دینیات وفقہ کے) عالم دین و فقہ (تفسیر' حدیث

وعلم الکلام) وہ ہیں جو قرآن کو ذریعۂ ہدایت خیال کرتے ہیں۔

علماء باطن Who seek guidance from the spirit as the initiated and the mystics, who try to have the direct experience of God. وارداتِ تصوف

عشوۂ جمالی:

خفیف جذبہ۔ احوال کا کبھی صادر ہونا اور کبھی نہ ہونا۔

[عشوہ amorous blandishment؛ عُشوہ: وہ آگ جو رات کے وقت دور سے نظر آئے]

عُقاب:

قلم اعلیٰ، عقلِ اول (قدرتی ذہانت)۔ عقلِ اول سے اللہ کا تخت یا جبرئیلؑ یا محمدؐ بھی مراد ہوتے ہیں۔ دیکھیں عقل اول (پرند بڑا۔ نبی کریمؐ کا جھنڈا)

عُقبیٰ:

آخرت، آخری مقام۔ حجاب اعمال صالحہ جو مشاہدۂ ذاتِ احد (ذات بحت) میں حائل ہوں۔ (آخیر، آخرت، جزا، سزا، کامیابی)۔

عقل:

عالم تمیز، قوتِ امتیازی۔ انسان کو ودیعت کردہ ایسا ملکہ جس کی بنا پر انسان چیز کو جان، سمجھ اور پہچان سکتا ہے۔ ان کے ضرر اور نفع کو سمجھ سکتا ہے، تجزیہ کر سکتا ہے اور حسن و قبیح کی تفہیم کر سکتا ہے۔

عقل اول:

عالم الٰہی کا وجود میں محل، علم الٰہی کا نور جو تنزلات تعینہ خلقیہ میں سب سے پہلے ظاہر ہوا (یعنی Ist intelligence میں)۔ علم الٰہی قلم اعلیٰ بے ذریعہ لوح محفوظ کی طرف نازل ہوا۔ لوح اس کے تعین و تنزل کا محل ہے۔ علم الٰہی ہی اُم الکتاب ہے۔ عقل اول[1] امام المبین ہے۔ نون وہ قضایائے مجملہ ہیں جو علم الٰہی کی دوات میں مخفی ہوتے ہیں۔ عقل اول میں اسرارِ الٰہیہ ہیں جو لوح محفوظ میں سما نہیں سکتے۔ علم الٰہی میں وہ سب کچھ ہے جس کا محل عقلِ اول نہیں بن سکتی۔ [قضایائے احکام؛ منطقی قیاسِ صغریٰ و کبریٰ مراد ہیں]۔ (۱جبرئیلؑ) پیغمبرؐ کا نور۔ اللہ تعالیٰ

عقل کلی:

ایک مدرکہ نوریہ ہے (یعنی وہ قوت جس سے انسان اشیا کی حقیقت معلوم کرتا ہے)۔ اسی کا نام فہم و ذکا ہے۔ اسی مدرکہ نوریہ سے ان علوم کی صورتیں جو عقل اول (Ist Intelligence) میں موجود ہیں ظاہر ہوتی ہیں۔ عقل اول اندازہ کرنے میں کسی قید (or condition) سے منزہ یعنی پاک و مبرا ہے۔ عقل اول بصورتِ ترازو حصر (dependence) و انحصار سے مبرا ہے۔ منزہ و مبرا وہ صورت ہے جو تمام عیبوں سے پاک ہو۔ لہٰذا عقل اول ہی وحی قدسی کے روح نفسی میں اترنے کا محل ہے۔ عقل کلی تمام امر فضلی کے لیے عدل کی ترازو ہے۔ (امر فضلی سے مراد وہ تمام احکام ہیں جن کی تعمیل لازمی ہے)۔ اس ترازو کے دو پلڑے ہیں۔ ایک کا نام حکمت ہے اور دوسرے کا مقصد قوت ہے۔ اس ترازو کی دو طرفیں ہیں۔ ایک اقتضاعات الٰہیہ ہیں (یعنی Expedient orders of God) اور دوسری قوابل طبیعہ ہیں (قابلہ کی جمع یعنی aims) جس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ارادۂ الٰہیہ (اقتضاعات: قرین مصلحت فیصلہ گو خلاف عدل ہوں) اور دوسری مقتضیاتِ خلقیہ (اہم ضرورتیں تخلیق کی۔ مراد کائنات)۔

عقل کلی (Universal reason) کو قسطاسِ مستقیم (a true or just balance) بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتی۔ لہٰذا اس کے معنی منصفانہ ترازو ہی ہیں۔

برعکس عقلِ معاش کے جو کبھی ظلم بھی کرتی ہے اور اس سے بہت سی چیزیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں کیونکہ عقل معاش کی ترازو ایک پلڑہ (scale) رکھتی ہے اور اس کی ایک ہی طرف ہوتی ہے۔ عقلِ کلی موجودات سے متجاوز نہیں ہوتی۔

عقل معاش:

اس نور کا نام ہے جو قانونِ فکری میں وزن کیا گیا ہے۔ اس کا ادراک بغیر آلۂ فکر کے نہیں ہو سکتا۔ عقل معاش کے لیے ایک ہی کسوٹی ہے۔ جسے آپ Criterion, standard ہی کہہ سکتے ہیں ہر چیز کو پرکھنے کا آلہ یا معیار (لہٰذا یہی touch stone یا کسوٹی ہے)۔ اسی کسوٹی کو فکر کہتے ہیں اور اس کا ایک ہم پلہ ہے جسے عادت کہتے ہیں اور اس کی ایک ہی طرف یا فطرت ہے جسے طبیعت کہتے ہیں۔ چنانچہ عقل معاش کا اس چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے کی کسوٹی ہو بلکہ اسے حرص کے آلہ پر قیاس کرنا چاہیے۔

عقل کی فضیلت:

(دیکھیں سرّ باطن کی حقیقت بھی)۔ عقل روح کی زبان اور بصیرت کی ترجمان ہے۔ بصیرت روح کے لیے قلب کی مانند ہے اور عقل اس کے لیے زبان کا کام دیتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا آگے بڑھو، وہ آگے آ گئی۔ پھر کہا لوٹ جاؤ، وہ لوٹ گئی، پھر اس سے کہا بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گئی پھر اس سے کہا بولو، وہ بولنے لگی، پھر کہا خاموش ہو جاؤ، وہ خاموش ہو گئی، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے عزت و جلال و عظمت و کبریا اور جاہ و جبروت کی قسم، میں نے تجھ سے زیادہ محبوب اور معزز کوئی اور مخلوق نہیں پیدا کی کیونکہ تو ہی میری معرفت کا ذریعہ ہے اور تیری ہی وجہ سے میری حمد و ثنا ہو گی، اطاعت کی جائے گی اور تیرے معیار کے مطابق لوگوں سے لین دین کروں گا۔ میرا عتاب بھی تجھ پر نازل ہوگا تو اب بھی سب سے بہترین شے ہے، یعنی صبر کے ذریعے تیرا احترام کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی کے اسلام لانے پر خوش نہ ہو جاؤ، جب تک اس کی عقل کا اندازہ نہ کر لو۔ تفصیل کے لیے دیکھوص: ۴۵۸، عوارف المعارف۔

علّت:

حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کو تنبیہ بوجہ کسی سبب کے یا بلا سبب کے۔

علف:

شہواتِ نفس اور وہ امور جن سے نفس محظوظ ہو (لفظی معنی گھاس، چارہ وغیرہ)

علم:

محمد بن فضل بلخی کہتے ہیں کہ علوم تین ہیں: علم من اللہ، علم مع اللہ اور تیسرا علم باللہ۔ علم باللہ معرفت ہے۔ علم من اللہ علم شریعت ہے یعنی احکام الٰہی۔ فرائض عبدیت کا علم۔ علم مع اللہ علم طریقت و دریافت اولیاء کا نام ہے۔ معرفت بغیر علم شریعت کے قبول نہیں ہو سکتی اور اس پر عمل کے بغیر مقامات رسی ناممکن ہے یعنی پوری نہ ہو گی۔ (کشف المحجوب)

اس تعلیم کی تائید میں بایزید بسطامیؒ کا قول ہے:

عملتُ فی المجاهدةِ ثلثین سنةً فما وجدتُ شیئاً اشدّ علی من العلم ومطابعته

میں نے مجاہدہ میں تیس برس خرچ کیے (تیس سال مجاہدہ کیا) لیکن مجھے علم سے زیادہ سخت (بہتر) کوئی چیز نہ مل سکی۔ خود شیخ ہجویری کا بیان ہے کہ طبع انسانی کے لیے آگ پر چلنا راہِ علم سے آسان ہے اور ایک جاہل کے لیے پل صراط پر ہزار بار گزرنا اس سے آسان ہے کہ علم حاصل کرے۔

علم: معلومات، علم، ارادہ، قوت، زندگی، سمع، بصر اور کلام۔ علم میں دوسروں کو شامل کرنا بھی علم ہے۔

جہالت: دوسروں کو مرعوب کرنا اور احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا جہالت ہے۔

عقل جوہرِ فرد ہے اور ارواحِ انسانیہ ملکیہ کی طرح اُس میں تعدد نہیں۔ عقل اول کو یوں سمجھیں جیسے آفتاب۔ عقلِ کلی مثل اس پانی کے ہے جس میں آفتاب کا نور پڑتا ہے۔ آفتاب کی طرف دیکھنے والا اپنا سر اونچا اٹھاتا ہے۔ پانی کی طرف دیکھنے والا سر نیچا کرتا ہے۔ عقلِ کلی علم کو عقل اول سے حاصل کرتی ہے۔ عقل کلی سے علم حاصل کرنے والا اپنے قلب کے نور کی روشنی میں کتاب کی طرف سر جھکاتا ہے اور اس حد تک موجودات کے متعلق علم حاصل کر لیتا ہے جس حد تک علمِ لوحِ محفوظ میں درج ہیں۔ چنانچہ تلاش لوازم خلقیہ کلیہ کے تحت میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن علوم کو نازل کرتا ہے سوائے عقل اول کے کسی دوسرے کی طرف نازل نہیں فرماتا۔ بعض علوم ایسے بھی ہیں جن سے لوحِ محفوظ اثر قبول نہیں کرتی۔ عقل کلی سے کبھی اہلِ شقاوت کو بھی استدراج حاصل ہو جاتا ہے۔

[استدراج: وہ خرقِ عادت جو کسی غیر مسلم سے صادر ہو۔ درجہ بدرجہ ترقی کرنا to take steps gradualy]

یہ اہل شقاوت، موجودات ہی کے پردہ کے تحت کچھ اسرار قدرت، مثلاً طبائع (Physics) و افلاک، انوار و ضیا پر ایک سطحی اور نمائشی فتح حاصل کر لیتے ہیں۔ نورِ ایمان کے بغیر عقل یعنی عقل معاش خدا کو نہیں پہچان سکتی۔ یوں تو عقل بھی معرفت کے اسباب میں سے شمار کی گئی ہے لیکن جو معرفت عقل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے وہ دلائل اور آثار (signs, traditions) کے ساتھ مقید ہوتی ہے۔ اس کے برعکس معرفتِ ایمانی، (معرفتِ) مطلق ہے، چنانچہ معرفتِ ایصالی یا معرفتِ ایمانی، اسما و صفات کے ساتھ ہے اور عقلی معرفت آثار کے ساتھ۔ معرفتِ آثاری بھی اگرچہ معرفت ہے مگر اہل اللہ کے لیے وہ معرفت مطلوبہ نہیں۔ جس طرح کہ حس، معقولات کے ادراک سے عاجز ہے اسی طرح عقل معاش مکشوفات کے ادراک سے عاجز ہے۔ عقلِ معاش والا گویا ان شعاعوں کو دیکھنے والا ہے جو آبِ منور سے دیوار پر پھینکی گئی ہوں۔ ایسا شخص آفتاب کی صورت کی طرف راہ نہیں پاتا، نہ آفتاب کی صورت کو پہچانتا ہے نہ اس کو نور جانتا ہے جس سے پانی منور ہوا ہے، نہ ان شعاعوں کے طول و عرض سے صحیح اور تحقیقی طور پر واقف ہے بلکہ ظنیات میں غوطے لگاتا رہتا ہے اور جب جاتا ہے ایک ہی رخ پر جاتا ہے۔ (نوٹ: یہاں آثار سے اقوال رسولؐ یا صحابہؓ مراد نہیں، آثار روایت مراد ہیں)۔

علم: کسی چیز کو کماحقہ جاننا علم ہے۔ اشیاء کی حقیقت سے مکمل آگاہی علم ہے۔ حیات جس طرح ذات کے اقرب اوصاف میں سے ہے۔

علم ذوقی: (مکتوب نہم، جلد اول) حق و باطل کی تمیز اور پہچان جو محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ (اہلِ ذوق سے :people of ecstasy بھی مراد ہوتے ہیں)۔

ذوق بخش (giving delight) (فصوص الحکم ص ۱۴۵)۔ وسعتہ العلم کی ابن عربی نے تین اقسام بیان کی ہیں۔ یعنی علم و ادراک کی تین اقسام ہیں:

(۱) وسع العلم یعنی معرفت (۲) وسع المشاہدہ، (۳) وسع الخلیفہ یا خلافت۔ آخر کار انسان خدا کا دنیا میں خلیفہ اور نائب ہو جاتا ہے۔ نکلسن کی رائے میں الانسان الکامل کی اصطلاح سب سے پہلے ابن عربی نے استعمال کی ہے۔ اگرچہ یہ تصور اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ تصور صوفیت (Mysticism) ہے۔ اقبال نے بھی تشکیل جدید الٰہیات (ص ۱۵۰) میں الانسان الکامل کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

اسی طرح علم بھی حیات کے اقرب اوصاف میں سے ہے۔ ہر زندہ کسی نہ کسی علم کو ضرور جانتا ہے۔ وہ علم خواہ

حیوانی ہو جیسا کہ حیوانات کو ہوتا ہے' خواہ بدیہی' استدالی یا تصدیقی ہو جیسا کہ انسان' فرشتوں اور جنات کا علم ہے۔

علم حضوری: وہ علم جو بلا ذریعہ خارجی حاصل ہو جیسا کہ انسان کو اپنی ذات وصفات کا علم ہوتا ہے۔

علم حصولی: جو علم انسان کو بذریعہ امور خارجی حاصل ہو جیسے کہ اپنے غیر کا علم۔

علم الیقین: وہ علم یقینی جو دلائل و براہین سے حاصل کیا گیا ہو۔ بعض دفعہ اعیانِ ثابتہ کی جانب بھی اس سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

عین الیقین: جب مشاہدے میں کوئی بات آجائے تو وہ عین الیقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ مقام وحدت بھی یہی ہے۔

حق الیقین: مقام احدیت:

علم نبود غیر علم عاشقی
ما بقی تلبیس ابلیس شقی

عنقا:

ہیولیٰ' کیونکہ وہ دیکھنے میں نہیں آتا۔

عید:

تجلیات جو اعادۂ اعمال سے دل پر عود کریں۔

عیش:

دوامِ حضوری Annihilation (with God) in His attention. (Identity with God).(فنا)

عین (Identical):

ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ اتحاد' ہستیِ حق میں گم ہو جانا۔ سالک کا ذاتِ حق میں محو ہونا اور لذتِ وصال پانا۔ مقام بقا باللہ میں پہنچنا۔

عین ثابت:

آئینہ عالم جو علم الٰہی میں قبل تخلیق عالم موجود تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ وہ حقیقت جو علم الٰہی میں موجود مگر خارج میں معدوم ہے۔

The Existance essences of the world.: عین ثابت۔ اعیانِ ثابتہ

Identical with (the essences) God.: عین

Note: Scepticism, doubting state of mind. If Ibni Arabi would have realised the Tajalli or vision of God, he would have talked only of God and not at all of the world and its identification with God. Moreover his mystical intuition(کشف)is opposed to Revelation(وحی), as such it is heresy of worst kind.

عین الجمع:

مقام جمع' یعنی شہود حق بلا خلق۔

غ

غارت:

جذبۂ الٰہی جو سلوک و اعمال پر سبقت کر کے دل پر بلا واسطہ وارد ہوتا ہے اور سالک کو مغلوب کر دیتا ہے۔ اگرچہ اوامر و نواہی اُس پر جاری رہتے ہیں۔

غبغب:

لطفِ قہر آمیز۔ جس سے سالک کو چاہِ نورانی سے نکال کر چاہِ ظلماتی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

غربت:

طلبِ مقصود میں مفارقتِ وطن کا صدمہ۔ عالمِ جسم میں ظاہری زندگی گویا روح کے لیے غربت ہے۔

غلبہ:

وہ حالتِ مغلوبی جس میں سالک کے لیے ادب کی

رعایت ناممکن ہو ۔

ادب از من چہ می جوئی، چو می دانی کہ مدہوشم
طریق از من چہ می پرسی، چو می دانی کہ حیرانم

غم:

قبض و بند و اندوہ و محنت و طلبِ معشوق۔ (محنت، بدقسمتی، مصیبت، آزمائش، سختی)

غمخوار:

صفتِ رحیمی جو خواص کے لیے مخصوص ہے۔

غمزہ:

خوف و رجا کی درمیانی حالت، کبھی ظاہر ہونا، کبھی اخفا میں چلا جانا۔ کبھی التفات، کبھی لطف، کبھی قہر، قضا و قدر۔

غمکدہ:

مستورین و محجوبین کا مقام۔

غمگسار:

اثرِ صفت رحمانی جس میں کہ عمومیت ہے اور ہر خاص و عام بلکہ جملہ موجودات کو گھیرے ہوئے ہے۔

غنچہ:

گل ناشگفتہ۔ یعنی حقیقتِ عالم قبل تخلیق عالم۔

غیب:

غیر، جو چیز حاضر نہ ہو، نظر سے اوجھل ہو۔ غیب آنکھ سے اوجھل امر ہے تاہم غیب اگر علم اور عقل اور منطق کے خلاف نہیں تو وہ غیب ان کے ذریعے حاضر ہو جاتا ہے۔

جو چیز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پوشیدہ رکھے وہ غیب ہے۔ بالفاظِ دیگر جس عالم کی طرف اللہ تعالیٰ انسان کے واسطے سے نظر کرتا ہے اس کا نام شہادتِ وجودیہ رکھا جاتا ہے اور جس عالم کی طرف بغیر واسطۂ انسان کے نظر کرتا ہے اس کا نام غیب ہے۔ اس غیب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) غیبت مفصل (۲) غیب مجمل

غیب مفصل انسان کے علم میں آ کر غیبِ وجودی کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے اور غیبِ وجودی مثل عالم ملکوت کے ہے۔ غیبِ مجمل کا دوسرا نام غیبِ عدَمی ہے اور وہ مثل ان عوالم کے ہے جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

عٰلمُ الغیب فلا یظھرُ علی غیبہ احداً الا منِ ارتضیٰ من رسول (الجن ع ۱۹)

چنانچہ وہ غیب ہمارے لیے بمنزل عدم ہے۔

عدَم adam: nothingness, want, + ضائع کرنا۔ محروم ہوجانا; Becoming poor عُدم nonentity. loss, annihilation,paucity, default, non- performance. (paucity)

غیب مکنون = غیب مصئون:

وہ سرِّ ذاتی اور کنہِ الٰہی جسے بجز ذاتِ حق کے کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے وہ اغیار سے مصئون اور عقول و ابصار سے مکنون ہے۔

مکنون = hidden, secret+ دُرِّ مکنون a fine pearl.
مصئون و مامون = guarded. kept safe, laid up, preserved.

غیبت:

دل کا ماسویٰ اللہ سے غائب ہونا۔ (ک م ص ۲۳۳) یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی غائب ہونا۔ یہی حضورِ حق کی دلیل ہے (دیکھیں سکر اور صحو کی کیفیت پر بحث)۔

ابو عبد اللہ حارث محاسبی، جنید، سہل بن عبد اللہ وغیرہ

ایک دوسری جماعت کے ساتھ اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ حضور غیبت پر مقدم ہے اس لیے کہ تمام جمال معنوی حضور ہی میں مقید ہیں اور غیبت اپنی طرف سے حق کی حضوری کا ایک راستہ ہے جو جب حضوری حاصل ہوگئی تو صراط مستقیم والا ہوتا ہے۔ تیرا مقصود غیبت ہے جب حضور موجود ہوا تو غیبت غائب ہوگئی۔

غیبت وحضور:

اپنے نفس سے اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنا۔ اللہ سے محجوب اور خلق کے سامنے حاضر ہونے کو غیبت اور اس کے برعکس کو حضور کہتے ہیں اور کبھی اس کے برخلاف بھی دونوں لفظوں کا استعمال ہوتا ہے۔

در تنگنجی با خود اندر کوئے اُو
گم شو از خود تا بیانی بوئے اُو
تا تو نزدیک خودی زیں حرف دُور
غیبتی باید اگر خواہی حضور
میر سید حسینی

غیر:

عالم کون۔ اس کی دو اقسام ہیں:
عالم لطیف اور عالم کثیف۔
(۱) عالم لطیف: مثل روح وعقول ونفوس کے ہے۔
(۲) عالم کثیف: مثل عرش و کرسی، فلک و خاک و آب و بادو آتش و نبات وحیوان و جماد کے ہے۔ اس مرتبہ کو ماسوئ اللہ اور کائنات بھی کہتے ہیں۔

غیرت:

شرم کرنا۔ یہ دو طرح پر ہے ایک خلق سے، دوسرے حق سے۔

غیرت از خلق یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔

غیرت از حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و سرائر کو مخفی رکھے اور اس کے مقبولین اور اولیاء کا ادب کرے۔

ف

فاتحة الوجود:

مراد انسان کیونکہ انسان ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جملہ موجودات کے قفل کھولے ہیں۔ انسان کو فاتحۃ الکتاب اور سبع مثانی بھی کہتے ہیں بوجہ ان سات صفاتِ نفسہ کے یعنی حیات علم وارادہ و قدرت وسمع و بصر و کلام۔ انسان باعتبار ظاہر کے خلق اور باعتبار باطن کے حق ہے۔ وجود کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) وجودِ ظاہر؛ (۲) وجودِ باطن۔ چنانچہ فاتحہ سے بالذات ہیکل انسانی کی طرف کنایہ ہے۔

فتق:

ظہورِ حقائق۔ باطن کا ظاہر ہوجانا۔ اجمال کی تفصیل۔ احدیت میں جو شیونِ ذاتیہ مخفی ہیں ان کا واحدیت میں ظہورِ اسمائی۔

اَحِدیّت: Unity, Singularity (Concord, alliance), Oneness or Unitarianism.

فتق: fatq; breaking, splitting, breach of friendship, quarrel, feud, ground without rain, rupture, hernia.

واحدیت: Unitarianism توحید کا قائل

فتوح:

دروازہ کا کھلنا۔ کامیابی کا رونما ہونا۔ اس کی تین اقسام ہیں:

(۱) فتوح اول: عبادت ہے جس کے بغیر مرتبہ اسلام کا حصول محال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یشرح صدرہ للاسلام (الانعام : ۱۲۵)

(۲) فتوح ثانی: حلاوتِ باطنی ہے جو مرتبۂ ایمانی ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم : وَجَدَ بِهِنَّ حلاوةُ الایمان

(۳) فتوحِ ثالث: حصولِ مرتبہ مکاشفہ ہے جو مرتبۂ احسان ہے۔

فراست:

دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا۔

فراق:

مقامِ وحدت سے غیبت۔ انسان کا اصلی وطن عالم بطون ہے۔ جب انسان عالم ظہور میں آتا ہے تو یہ اس کا فراق ہوتا ہے۔ اسے وصال کامل طور پر اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ مرگِ صور نصیب نہ ہو اور روح جسم سے مفارقتِ کلی اختیار نہ کرے۔

فراق روئے تو' بسیار شد' چہ چارہ کنم
مگر لباسِ حیاتی کہ ھست' پارہ کنم

امیر حسن

اقبال وصل پر فراق کو فوقیت دیتے ہیں:

ع عالم سوز ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق

فرق:

حق سے خلق کی جانب واپس لے جانا۔ مشاہدۂ عبودیت بفرق صفت حیات اور بعض اعتبارات سے صفتِ ممات (خود کو خدا سے الگ محسوس کرنا) دماغ کی حالت جب سالک خود کو خدا سے الگ محسوس کرے۔

فرق اول:

حق کا پوشیدہ ہونا اور خلق کا ظاہر ہونا۔ جیسا کہ سالک ابتدائے حال میں پاتا ہے۔

فرق ثانی:

حق سے خلق کی جانب واپس آنا۔ مشہودِ قیام خلق بحق' فراق بعد الجمع۔(Difference after identity)

فرق وصف:

ذاتِ احدیت(Singular Unity) کا باعتبار اپنے اوصاف کے واحدیت (ضرورت یا شعورِ واحدیت) میں ظہور۔

فرزند قلبی یا حقیقی:

فرزندی کی تین اقسام ہیں:
صُلبی، قلبی، حقیقی۔

فرزند صُلبی: جسمانی اولاد ہے۔ یہ نسبت ہر بیٹے کو باپ سے ہے۔

فرزند حقیقی: وہ مطیع و فرمانبردار سالک ہے جو شیخ کی حسنِ متابعت سے کمال کا پہنچ جائے اور فرق بعد الجمع کا مقام حاصل کر کے نسبتِ تامہ حاصل کر لے اور تابع و متبوع ایک ہو جائیں۔

فرزندِ قلبی: اصطلاحاً وہ ہے جو اپنے دل کو حسنِ ارشاد سے مرشد کے دل کے تابع کر کے اُسے متبوع کے دل کی طرح بنا لے۔ وہی فرزند قلبی یا معنوی کہلانے کا مستحق ہے۔

(۱) فرق کے معنی حق سے محجوب ہونے کے ہیں بوجہ خلق کے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خلق ہی کو دیکھے اور حق کو من کل الوجوہ غیر جانے۔

(۲) فرق کے لغوی معنی دوئی کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں فرق وہ روحانی مقام ہے جس میں سالک کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں خدا سے الگ ہوں اور جدا وجود رکھتا ہوں (مجدد کا تصور توحید)۔

جمع: وہ حالت ہے جب سالک اپنے آپ کو اور خدا کو ایک ہی محسوس کرتا ہے۔ دراصل ذوقی شاہ فرق اول

اور فرق ثانی کی صحیح وضاحت نہیں کر سکے۔ جمع کے لغوی معنی یکجا ہونے کے ہیں۔ لیکن مراد جمعیت بھی ہوتی ہے۔

فرق بعد الجمع (Difference after identity)

دونوں ایک ہیں، یعنی فرق الجمع یا فرق بعد الجمع۔

اس کے معنی ایک ہو کر علیحدگی کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں وہ مقام ہے جو سالک کے مقام جمع میں گزرنے کے بعد آتا ہے۔ جس میں اسے پھر محسوس ہوتا ہے کہ میرا وجود خدا کے وجود سے علیحدہ ہے (شرح فصوص قاشانی، ص ۹۱ نیز نظریہ توحید مجدد، ص ۸۷)

لیکن عینیت کا یہ کشف دائمی نہیں۔ لہٰذا ابن عربی ایک نئے کشف کا ذکر کرتے ہیں جسے وہ فرق بعد الجمع سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عربی کے نزدیک موجود حقیقی کو چاہے کوئی خدا کہے اور چاہے کوئی عالم کہے، چاہے ان دونوں کے امتیاز میں اپنے عجز کا اظہار کرے۔ (شرح فصوص قاشانی، ص ۹۱ سطر ۲۴)

فروختن، گرو کردن:

وجود کو حوالہ تقدیر کر کے تدابیر سے دست بردار ہو جانا۔

فریاد:

ذکرِ جہری، اونچی آواز میں ذکر الٰہی۔

فریب:

استدراج۔

فصل:

محویت و فنائے اتحادی کے بعد شعور ذاتی کا پیدا ہونا۔

فغاں:

احوالِ اندرونی کا اظہار۔ فریاد، چیخ و پکار۔

فطرت:

حالتِ اصل، جیسا کہ کسی چیز کو خدا نے تخلیق کیا ہے۔

قوانین فطرت، جن کے مطابق کائنات چل رہی ہے، جو تبدیل نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ خدا خود انہیں معطل یا منسوخ کر دے۔

According to F.Schuon, "Primordial norm."

فقر:

فنا فی اللہ ہو جانا۔ دارین (دونوں جہاں) سے منہ موڑ لینا۔

الفقرُ سواد الوجهِ فی الدارین

فقر دونوں جہاں کی رُوسیاہی ہے۔

فضائل فقر میں متعدد آیاتِ قرآنی موجود ہیں: (سورہ بقرہ ع ۳۷، سجدہ ع ۲، انعام آیت ۵۲، کہف آیت ۲۸)

فقر کی تعریف فتوح الغیب (ص ۳۹۶) میں یہ ہے:

وحقیقة الفقر ان لاتفتقرَ الی من هو مثلک

یعنی فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہی جیسی ہستی (بندہ) کا محتاج نہ رہے۔

(۱) عوارف المعارف، (ص ۴۹۲) شیخ ابن جلا کہتے ہیں: فقر یہ ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہ ہو۔ اگر ہو تو باقی نہ رہے بلکہ ایثار کر دو۔

(۲) شیخ کتانی: اگر کوئی صحیح طریقے سے اللہ کا محتاج بن جائے تو اللہ کی بدولت وہ غنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔

(۳) شیخ نوری: فقرا کی تعریف یہ ہے کہ وہ تنگدستی کے موقع پر مطمئن رہتے ہیں اور جب کچھ موجود ہوتا ہے تو سخاوت کرتے ہیں (بلکہ اگر موجود ہو تو اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے)۔

(۴) شیخ درّاج کے بقول میں نے سرمہ دانی لینے کے لیے اپنے استاد کی تھیلی ٹٹولی تو اس میں چاندی کا ایک ٹکڑا ملا تو حیران رہ گیا۔ جب وہ آئے تو ان سے پوچھا، فرمایا میں اسے لوٹا دینا چاہتا ہوں۔

فقر کی فضیلت:

۱) شیخ ابراہیم الخواص کا قول ہے: فقر شرافت کی چادر، پیغمبروں کا لباس اور نیک بندوں کی پوشاک ہے۔

۲) شیخ ابوعلی رودباری فرماتے ہیں مجھ سے شیخ وفاق نے فرمایا: اسے ابوعلی درویشوں نے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت بخشش لینا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ میں نے کہا وہ اس درجہ مستغنی و بے نیاز ہیں کہ انھیں بخشش کی ضرورت نہیں۔ فرمایا یہ بات درست ہے مگر مجھے اور وجہ سمجھ آتی ہے۔ وہ ایسی جماعت ہے جس کے لیے کسی چیز کا وجود مفید نہیں ہوتا چونکہ ان کا فقر و فاقہ اللہ کے لیے ہے اس لیے یہ فقر و فاقہ ان کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ ان کا وجود اللہ کے لیے وقف ہے۔

۳) ایک اور بزرگ کا قول ہے فقر یہ ہے کہ حاجت و ضرورت قلب پر آ کر ٹھہر جائے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کی محتاجی نہ رہے۔

۴) شیخ نصر بن الحمامی نے شیخ ابوبکر طوسی سے فرمایا "فقر منازل توحید کی پہلی منزل ہے۔"

۵) شیخ ابن جلا نے فقر کی تعریف اس وقت تک نہ کی جب تک کہ ایک درہم جو ان کے پاس تھا اسے خرچ نہ کر دیا۔ عوارف المعارف، ص ۹۲ باب پنجم میں بحوالہ حضرت شبلیؒ: فقر یہ ہے کہ حق کے سوا کسی اور چیز کی پرواہ نہ جائے۔

۶) مظفر القرمینی (ایران کے کوہستانی علاقہ کے بزرگ تھے۔ شیخ عبداللہ الخراز کی صحبت میں رہے۔ کئی مشائخ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، یکتائے روزگار تھے) کا قول ہے فقیر وہ ہے جو خدا کے سامنے کوئی حاجت پیش نہ کرے۔

فانی:

جو اپنے ارادہ کو ترک کر کے خدا کے فضل کا منتظر رہے۔

باقی: جب اللہ کسی کے اختیارات بحال کر دے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی اجازت کا منتظر نہ ہو وہ باقی ہے۔

فقیر:

بعض کے نزدیک فقیر وہ ہے جو سوائے خدا کے کسی کا محتاج نہ ہو۔ بعض کے نزدیک وہ خدا کا بھی محتاج نہیں رہتا کیونکہ اس میں صفت احتیاج موجود نہیں ہوتی۔ فقیر بحرِ نیستی میں غوطے لگاتا ہے اور اپنی ہستی سے گزر جاتا ہے۔ جب ہستی ہی نہ رہی تو احتیاج کیسی۔

واذ اتم الفقر فهو الله

ترجمہ: جب فقر پورا ہو گیا (کر لیا) تو اللہ مل گیا۔

فقرِ حقیقی یہی ہے۔

فقیری:

عدم اختیار جس میں علم و عمل مسلوب ہو جائیں۔

فکر و مراقبہ:

تصورِ عقلی سے مقصودِ اصلی کی جانب بڑھنا۔ فکر ایک نور ہے جو تاریکیِ موجودات میں ہوشیار دل کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں لغزش کے امکانات بے انتہا ہیں۔ ان سے وہی بچے گا جو مقررہ اصولوں کی پابندی کر سکتا ہے۔ جو یہ ہیں: عقل و نقل۔

عقل موجودات میں صحیح تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔

نقل ایمان بالغیب کے تحت ہے۔ یہ دونوں چیزیں فکر کی اصل ہیں۔ دقیقۂ فکر یہ ایک غیب کی کنجی ہے، جس کی دو اقسام ہیں: حقی و خلقی۔

حقی اسماء صفات کی حقیقت ہیں (جس کا حاصل کرنا مشکل ہو)۔ خلقی اسما ذات کے جوہر (فرد کی ترکیب) پہچاننا ہے۔ فکر کے وسیلہ سے جو عروج ہوتا ہے اس کی بھی دو اقسام ہیں: ایک رحمٰن کے راستہ پر عروج کا حاصل ہونا۔ دوسرا سرابِ شیطان کی جانب۔ مغالطہ میں ڈالنے والا عروج نہیں

بلکہ آ گ ہے۔ اس سے سکون و قرار' اضطراب و ہلاکت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فکر محمدی کو اپنے اسمائے ہادی و رشد کے نور سے پیدا کیا اور اس پر اسم عبدی اور اسم مُعید کی تجلی فرمائی۔ پھر باعث اور شہید کی نگاہ سے اس پر نظر کی پھر اس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے ملائکہ کی ارواح کو پیدا کیا۔

فنا و بقا:

فنا کے لفظی معنی نفیٔ خودی کے ہیں' غیر موجود' جس کی ہستی معدوم ہو۔ اصطلاحِ تصوف میں اس کے معنی اس مقام کے ہیں جہاں سالک ماسوا سے اپنا رخ پھیر کر اسے بالکل بھول جاتا ہے۔ یہ حالت بعض صورتوں میں ماسوی اللہ کے قطعی انکار پر مجبور کر دیتی ہے یا جب سالک کی اس مقام سے ترقی ہوتی ہے اور جس فنا میں گم ہوا تھا اس کے اوصاف و اخلاق اس پر ظاہر ہوتے ہیں تب وہ فنا سے بقا میں خروج کرتا ہے۔ بالفاظ دگر بقا سالک کی وہ منزل ہے کہ جب وہ حیرت سے نکل جاتا ہے (یعنی مقام محو میں چلا جاتا ہے)

فنائیت عدم شعور ہے۔ ذاتِ احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے: بے خودی یعنی اپنی خودی کا ہوش نہ رہنا۔ اس ہوش کے نہ رہنے کا بھی ہوش نہ رہے تو اس فناء الفنا کہتے ہیں۔

فنائے افعالی: اپنے اور خلق کے افعال حق میں فنا کر دینا۔

فنائے صفاتی: اپنی اور خلق کی صفات کو صفاتِ حق میں فنا کر دینا۔

فنائے ذاتی: اپنی اور خلق کی ذات کو ذاتِ حق میں فنا کر دینا۔

بقا: بقا باللہ: ہمیشہ رہنا' ہمیشہ کی زندگی۔

وہ بقا جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے یہی رجوع الی البدایت' جمع الجمع اور فرقِ ثانی (یا فرق بعد الجمع) ہے۔ فنا کے بعد جو بیداری و ہشیاری من جانب الغیب عطا ہوتی ہے' بقا ہے۔

فنائے صفاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے وہ قربِ نوافل ہے۔ فنائے ذاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے وہ قربِ فرائض ہے۔ یعنی بندہ کی ذات کا خدا کی ذات میں گم ہو جانا۔ خوارق کا ظہور قربِ نوافل سے ہوتا ہے کیونکہ خوارق کا تعلق اسمائے ذات صفات سے ہے۔ قربِ فرائض میں بندہ رنگِ بے رنگی میں رنگا جاتا ہے اور اسی کو رجوع الی البدایت کہتے ہیں۔ (Return to commencement)

فیض اقدس (Most holy Grace or bounty):

وہ تجلی ذاتی جو موجبِ وجود و استعداداتِ اشیاء ہوئی۔ اول صور علمیہ[1] بعد ازاں صور عینیہ[2] میں (صورتِ عینیہ میں) حسب قول:

کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اُعراف فخلقت الخلق

فیض مقدس:

تجلیات اسمائیہ[3] جو ان تمام لوازم کے ساتھ ظہورِ خارجی کی موجب ہیں (A sacred emanation)

[1] Forms of knowledge

[2] In a visible state

[3] emanation of 99 Names in Visible State.

ق

قاف:

حقیقتِ انسانی' کوہ قاف کی بزرگی کا تصور کہ وہ تمام عالم کی برکات کو گھیرے ہوئے ہے اور اسی مرغ (عنقا) کا مسکن ہے۔ حقیقتِ انسانی بھی جملہ حقائق عالم کی جامع ہے۔ بقول: من عرف نفسه فقد عرف ربه

حقیقتِ انسانی کی شناخت سے ذاتِ مطلق تک

رسائی ہوسکتی ہے۔ ذاتِ مطلق کی جانب سیمرغ سے کنایہ کیا جاتا ہے کیونکہ قلب مومن جو کوہ قاف حقیقت انسانی ہے وہ ذات مطلق کے سیمرغ کا عرش ہے۔ (سی مرغ یا عنقا ایک فرضی پرندہ ہے)

قامت:

سزاواریٔ پرستش (Worthness of prayers) ظہورِ ذات و اسما و صفات و افعال و آثار۔ عالمِ ارواح سے عالم اجسام تک قامت ہے۔

قامت: Standing, beginning. rising, attending to it (in prayers).

قامت کردن: To pray (standing).

قبض و بسط: (Depression and Elevation)

وارداتِ قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور ان کے کھل جانے کو بسط کہتے ہیں۔

قبضِ محمود:

یہ وہ قبض ہے جس سے سالک کے دل میں ملال پیدا ہو۔ محمود اس لیے کہ اس ملال کا پیدا ہونا بھی مفید ہے۔

قبضِ مذموم:

یہ وہ قبض ہے جس سے کسی قسم کا ملال نہ ہو اور دل میں کچھ لاپرواہی سی پائی جائے۔ اس نوعیت کا قبض (ennui) مضر ہے۔

اسی طرح بسط (Liveliness) بھی دو طرح کا ہے: مفید اور مضر۔

بسط مذموم:

وہ ہے جس میں درمیانی منزل کی دلچسپی سالک کی دل بستگی کا باعث ہو اور اسے آگے نہ بڑھنے دے۔

بسطِ محمود:

وہ بسط ہے جبکہ یہ دلچسپیاں ترقی مزید کی دل میں امنگ پیدا کریں۔ سالک کو ابتدا میں خوف و رجا سے واسطہ پڑتا ہے۔ جب ترقی کرتا ہے تو قبض و بسط کی حالتیں اس پر طاری ہوتی ہیں۔ اس اعلیٰ تر ترقی کی حالتوں میں ہیبت و انس پیدا ہوتا ہے۔ خوف و رجا کا تعلق مستقبل سے ہے۔ امرِ مکروہ سے خوف اور امرِ محبوبِ مستقبل سے رجا پیدا ہوتی ہے۔

قبض و بسط کا تعلق امورِ حاضرہ سے ہے۔ وارداتِ غیبی قلب پر وارد ہوں تو بسط اور ان کا ورود بند ہو جائے تو قبض کی حالت (depression) پیدا ہوتی ہے۔

قبلہ:

قبلہ جس کی جانب منہ کر کے عبادت کی جائے قبلۂ اول بیت المقدس۔ کعبہ مسلمانوں کا اس وقت قبلہ ہے۔ قبلۂ جس کی جانب رجوع ہو۔ باپ کو بھی قبلہ کہتے ہیں کہ بچہ اس کی جانب رجوع رکھتا ہے۔

ہر مطلوب و مقصود جو انسان کی توجہ کو اپنی جانب کھینچے۔ ہر مطلوب و مقصودِ مجازی جس کی جانب دل متوجہ ہو۔ مگر اس خیال سے کہ وہ پرتو حقیقت ہو۔ بشرطیکہ دل کی توجہ کی انتہائی غائت (Extermity, final point) حقیقت ہو نہ کہ مجاز۔

قد:

برزخ وجوب[1] و امکان[2] استیلا (Pre-dominance) و استوائے امکان (قوت یا مناسب وقت یا موقعہ فراہم کرنا)۔ Abov in Necessary (must) & opportunity (possibility)

قدمین:

ضدین کا ایک ذات میں جمع ہو جانا۔ مثلاً حدوث[1&2] وقدم۔ حقیقت و خلقیت[3&4] تشبیہ و تنزیہ متناہی و لامتناہی ہونا ایک ذات میں۔

1 & 2 (Come from nonbeing to being.

۳ & ۴ Reality creativeness.

قدسیاں:

ارواحِ پاک: فرشتگان کی، صلحا اور اولیاء کی۔

قرب:

اس کے لغوی معنی ہیں نزدیکی۔ صوفیا نے یہ اصطلاح قرآن کی اس آیت سے اخذ کی ہے:

نحن اقرب الیه من حبل الورید (ق: ۱۶)

ترجمہ: ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (غالباً ایک ایک حالت کو جاننا)۔

ابن عربی کے نزدیک خدا کے بندہ سے قرب کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اور خدا عین یک دگر ہیں۔ شیخ مجددؒ کو ان معنی سے انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرب کی حقیقت معلوم نہیں۔

قرب: صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا، سیرِ قطرہ بجانب دریا، رفعِ تعینات۔ حجابِ خودی کا اٹھنا۔

اے وائے بدنصیبی کہ ملتا نہیں نصیب
سایہ کی طرح گرچہ جہاں تم وہیں ہوں میں

بُعد:

تقید[۱] بقیودِ صفاتِ بشری۔ لذاتِ نفسانی میں گرفتار رہ کر مبدائے حقیقی سے دوری اور حقیقتِ حال سے بے خبری میں رہنا۔ انسان جتنا خود سے قریب ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہے۔ یہ قرب و بعد مکانی نہیں بلکہ صفاتی اور حالی ہے۔

اتصال بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جانِ ناس
(مولانا روم)

۱ Limitation, check,

اتصال: ملاپ۔ قرب Closely united بے تکیف: بے کیف و سرور

قرب دو قسم کا ہوتا ہے: ایجادی اور شہودی۔

قربِ ایجادی

(Improvised Nearness)

وہ ادراکِ بسیط (General intellect or understanding) ہے جو اعیانِ علمیہ[۱] کی حقیقتوں کو (ہر شے کی ذوات کو) قبل وجودِ خارجی بحکم الستُ بربکم قالوا بلی سے جو ارواح کو (ذوات کو اور اس کی حقیقتوں کو، ان کی ہستیوں کو) جو قرب حاصل ہوا، قرب ایجادی ہے۔ ہماری اضطراری کیفیات (عباراتِ اضطراری) اسی حکمتِ تخلیق (ایجاد) عالم اور اسی رحمتِ ربانی کی مرہون منت ہے۔ یہ اُدراکِ غیر ادراکِ ہی ادراک ہے جو ذات سے منفک (علیحدہ) نہیں اور انسانی فکر کا محتاج نہیں۔ یہی قربِ (ایجادی) سببِ حکمت تکوین ہے (یعنی کون و مکان کے بن جانے کا باعث ہے)۔

۱ eyes of knowledge viz the world or cosmos.

قربِ شہودی:

وہ قرب ہے جو تفکر سے حاصل ہوتا ہے اور ایک لازمی حصہ ہے ان اختیاری حیثیتوں کا یا ان فکری تشبیہات کا جو اللہ کی رحمتِ خاص اور سلوک سے ہمیں ملی ہیں جو تفکر اس قربِ شہودی سے ملا وہی قربِ شہودی ہے۔

نوٹ: آدمؑ کو تو اللہ کا قربِ شہودی حاصل تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے تھے۔

لہٰذا قربِ ایجادی وہ ادراکِ بسیط ہے جو اللہ کی اعیانِ علمیہ (صور علمیہ) کی حقیقتوں سے انسانی فکر کو حاصل ہوا۔ الست بربکم کہنے سے پیشتر ہی قرآنی فطانت و ذہانت انسانی تفکر کو مل چکی تھی جو اختیاری تھی یعنی اس میں کوئی جبر نہیں تھا۔ انسانی فکر کا یہ لاشعوری اضطرار و بے چینی اللہ ہی کی ایک بہت بڑی حکمت تھی (جس کے بغیر تخلیقِ عالم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے) انسان کے لیے یہ ادراکِ ادراکِ غیر

(The sense of Inellect)ایک بہت بڑی رحمت تھی۔

قلب:

لغت میں قلب کے معنی فواد' دل' خرد اور لشکر کے خالص اور درمیانی حصہ کے ہیں۔ منازل قمر (travelling stages) میں سے ایک منزل (halt) کا نام بھی قلب ہے۔ مگر صوفیا کی اصطلاح میں قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح ونفسِ انسانی کی درمیانی چیز ہے۔ انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے۔ حکما کے نزدیک یہی نفسِ ناطقہ ہے۔ روح اس کا باطن ہے اور نفسِ حیوانی اس کا ظاہر ہے۔ اور روح کی سواری (مرکب) نفسِ انسانی ہی تو ہے۔ قلب و جسم کے درمیان نفس حیوانی ہی وہ شعاع نور ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے:

اللّٰہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا المصباح فی الزُجاجۃ کانھا کوکبٌ دُرّی (۲۴: ۳۵)

اس آیت میں جسم کو مشکوٰۃ (طاق a recess) سے تشبیہ دی ہے' قلب کو زجاجہ (glass) کے ساتھ' روح کو مصباح (lamp) کے ساتھ اور نفس کو شجرۃ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ (معلوم نہیں نفس کو شجرہ سے کیسے مثال دے دی؟) بندہ کا قلب اللہ کا عرش ہے' جس میں حق تعالیٰ بالذات ظاہر ہوتا ہے۔ رحمٰن اس پر مستوی ہے۔ وہ اسرارِ الٰہیہ کا مرکز اور تمام اعیان ومخلوقات کے دائروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ ہر چیز کا قلب اس کا خلاصہ ہے۔ اس کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ لوٹ پوٹ کر اس نور کو آخر قبول ہی کر لیتا ہے کیونکہ وہ ایک نکتہ ہے جس پر تمام اسما وصفات کا دور گردش کرتا ہے۔ جونہی کسی صفت کی طرف متوجہ ہوتا ہے' وہ صفت اس پر چھپ (منطبع) جاتی ہے۔ یکے بعد دیگرے جملہ اسما وصفات اس کے قلب پر چھپتے رہتے ہیں۔

شجرۃ الحکم: a (fabulous)[ل] tree said to give unerring decisions on knotty points of dispute.

ل legendry, incredible

شجرۂ ابراہیم: Cinque' foil: A plant whose leaves are divided in five parts or leaves.

شجرۃ: One tree, genealogical tree, (map in which fields are marked out.)

مشکوٰۃ: a recess in the wall for keeping lamp.

[اعیانِ علمیہ: موجوداتِ عالم کی وہ صورتیں ہیں جو ہمارے علم میں نہیں]

اس کے قلب ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ وہ اپنے قالب اصلی یا محل اصلی کی طرف منقلب ہوتا رہتا ہے۔ دنیا سے آخرت کی طرف' مشہد اس کا خلق سے حق ہو جاتا ہے۔ (مشہد: لوگوں کے ملنے کی جگہ' کسی اونچے بزرگ کی قبر یا زیارت گاہ)۔

قلب کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ وجود کے حقائق کا آئینہ ہے کیونکہ عالم کے تغیرات اس میں منعکس ہوتے رہتے ہیں:

چو دیدم جوہرِ آئینۂ خویش
گرفتم خلوت اندر سینۂ خویش
ازیں دانشورانِ کور و بے ذوق
رمیدم با غم دیرینۂ خویش

(رباعی نمبر ۳۷۰' ارمغان حجاز)

As soon I espied my ego's essence.
I took a lone retreat in bosom hence.
From these wise blinds who have no taste.
For old love's flame I ran with haste.

قلب میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وسعت عطا کی ہے یعنی قوتِ ذاتیہ الٰہیہ۔ اس کی تین اقسام ہیں:

۱) <u>وسعت علمی:</u>

یہ معرفتِ الٰہی ہے، قلب کے سوائے کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کو من کل الوجوہ پہچانے۔

۲) وسعتِ مشاہدہ:

یہ ایک کشف ہے جس کے ذریعہ سے قلب انسانی جمال الٰہی کی خوبیوں سے مطلع ہوتا رہتا ہے۔ مخلوقات میں سوائے قلب کے کوئی ایسی چیز نہیں جو اسما و صفات کے ذائقوں سے آشنا ہو سکے۔

۳) وسعتِ خلافت:

بطور اللہ کے خلیفہ کے تصرفات میں وسعت۔ یہ اہل حق کی وہ وسعت ہے ذات میں ذات، صفات میں صفات، اورھویت میں ھویت اس طرح ڈوب جائے کہ غیریت کا حکم مفقود ہو جائے۔ اسرافیلؑ نورِ قلبی محمدیؐ سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ وہ سب فرشتوں میں اقوی اور اقرب ہیں اور عالم کو زندگی اور موت کے درمیان لوٹ پوٹ کرنے والے ہیں۔

دل عرش سے بزرگ تر ہے۔ اسم رحمٰن میں ایک جامعیت ہے اور یہ اسم افاضۂ وجود کا سرچشمہ ہے۔ عالم شہادت میں اس کا مظہر عرش ہے، گویا رحمٰن کا مستوی آفاق (parallel to, appearance of glory) میں عرش اور انفس میں قلب ہے، لیکن ظہوراتِ رحمانی عرش کی نسبت قلب پر زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ دل برزخ ہے درمیان غیب و شہادت کے اور مشتمل ہے دونوں کے احکام پر بخلاف عرش کے جس پر احکام شہادت (wordiy laws) جاری ہیں۔ حرکتِ عرش دور پر ہوتی ہے۔ (یعنی on circular movement) اور حرکتِ قلب مرکز پر (Centre) لہٰذا قلب کو عرش سے وہی نسبت ہے جو مرکز کو محیط (circumference) ہے۔ یہاں محیطِ کل یعنی اللہ تعالیٰ مراد ہے:

حق نہ گنجد در زمین و آسمان
در دلِ مومن بگنجد این و آں

مظہر شانِ الٰہی دل بود
مظہر شانش تمامی دل بود

قلب کی تین بیماریاں ہیں جن سے بچنے کی ضرورت ہے:

۱۔ حدیثِ نفس: یعنی اپنے قصد و اختیار سے دل سے باتیں کرتے رہنا۔
۲۔ خطرہ: یعنی بلا قصد دل میں باتوں کا گزرنا۔
۳۔ نظر بغیر: جو اشیائے متکثرہ کے علم سے پیدا ہوتی ہے۔

قلم:

قصص الانبیاء میں ہے کہ قلم حضرت ادریسؑ کی ایجاد ہے۔ خدا نے قلم کو فضیلت دی ہے اور اس کی قسم کھائی ہے۔ قلم خیالات و تاثرات و احکام کو رقم کرتا ہے۔ اسے ہی تعین اول (پہلا کارِ مفروضہ Ist task) قرار دیا گیا۔ اسے عقلِ اول اور قلم اعلیٰ (اللہ کا شاہی قلم) قرار دیا۔ ان دونوں ہی کو بزرگان نے خدا کا نور جانا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اللہ نور السمٰوٰت والارض (النور: ۳۵)

جب عبدیت کی جانب اس کی نسبت کی تو اسے عقل اول کہا اور جب حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف اس کی نسبت کی تو اسے قلم اعلیٰ قرار دیا گیا۔ عقل اول ہی سے جو درحقیقت نورِ محمدیؐ ہے ازل میں جبرئیلؑ کو پیدا کیا اور ان کا نام روح الامین رکھا، کیونکہ وہ ایسی روح ہیں جن کے پاس اللہ کے علم کا خزانہ بطور امانت کے سپرد کیا گیا تاکہ اس نور کی انسانِ کامل کی طرف اضافت یا نسبت دی جائے۔ اس طرح یہ نور روح محمدیؐ کے نام سے ملقب ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

قلم اعلیٰ، عقل اول اور روحِ محمدی (ان تینوں کو) جوہرِ فرد سے تعبیر کیا گیا۔ اس کائنات کی تماشگاہ میں جو ابتدائی تعینات یا کار ہائے مفروضہ ہیں انھیں بھی قلم اعلیٰ سے

متمیز کیا گیا ہے۔

کائنات کی تخلیق کا ایک غیر وضاحتی تصور یا تعین علم الٰہی میں پہلے سے موجود تھا۔ اس غیر وضاحتی کارِ مفروضہ کا ایک مجمل اور حکمی وجود برائے ہستی کائنات پہلے عرش میں ظاہر ہوا' پھر اس کا ظہور تفصیلی کرسی میں ہوا (یہی تختِ الٰہی ہے)۔ اب اس کا ظہور قلم اعلیٰ میں ہوا۔ قلم اعلیٰ میں آ کر ہی یہ علم وجود حق سبحانہ سے متمیز ہوا۔ یہی علم ہستیِ باری تعالیٰ کا ایک یقینی تعین تھا۔ پھر قلم اعلیٰ نے ان تعینات کو لوح محفوظ میں اتار دیا۔

عقل جس چیز کو چاہتی ہے نفس میں منقوش کر دیتی ہے۔ لہٰذا عقل کے رہنے کی جگہ نیز قلم اور نفس کے رہنے کی جگہ روح ہے۔ یہ نقوش فکریہ عقلی قوانین کی قیود کے ساتھ نفس میں پائے جاتے ہیں۔ وہی صورِ وجودیہ کے مطابق لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ قلم کے ذریعہ علم مجمل (brief) تفصیل میں آتا ہے۔ جیسے نطفہ پشتِ پدر میں مجمل و مبہم رہتا ہے۔ جب قلم انسانی کے ذریعہ لوح رحم مادر میں منتقل ہوتا ہے تو تفصیلی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ روح اعظم نے قلم خاص سے نبی کریمؐ کی روح کے میم تعین کو قلم بند کر دیا (لکھ دیا) اور علم مجمل کو علم مفصل بنا دیا۔

جہانِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

قناعت:

اطمینان و دلجمعی سے ہر حال پہ راضی ہو جانا۔ مانوس طبائع کے نہ ملنے کے باوجود سکون قلب کو قائم رکھنا۔ تھوڑی سی عبادت ہی پر قناعت کرنا خوبی کی بات نہیں۔

قواطع:

ہر وہ چیز جو انسان کو مقتضیاتِ طبع (Inevitable events) سے منقطع کر دے' یعنی نفسِ ہوا (Sensual desires) سے تائیدِ الٰہی اور امدادِ الٰہی سے جو سالک کو سیر الی اللہ میں مدد دیں۔

قوامع جمع ہے قامع کی جس سے مراد ہے Conqueror, subduer (ب): قوامع جمع قاموع' چمنی (Chimney to emit smoke)

قوت:

طاقت' نشے اور رسل طاقت یا قوت کو ہی اصل قرار دیتے ہیں۔ ہر تبدیلی قوت سے آتی ہے۔ قوت تامہ خدا کو ہی حاصل ہے۔

جمالِ الٰہی سے عاشق کا غذا پانا۔ اسی سے محاورہ بن گیا: قوت لایموت یعنی اتنی غذا جس سے انسان زندہ رہ سکے۔

قیام باللہ:

نماز میں کھڑے ہونے کو قیام کرتے ہیں۔ نماز کے باجماعت ادا کرنے کو نظام قیام نماز کیا جاتا ہے۔

استقامت جو جملہ منازل عبور کرنے اور بقا بعد الفنا کے حصول کے بعد نصیب ہوتی ہے۔

قیامت کبریٰ:

جب اسما و صفات کی دولت و حکومت کا ظہورِ عالم شہادت سے اُٹھ جائے گا' حجابات درہم برہم ہو جائیں گے' تعینات[1] کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا تو کل شئ رجعُ الی اصلہ پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا اور حق تعالیٰ وحدتِ حقیقی سے جلوہ افروز ہوگا' تو وہ قیامت کبریٰ ہوگی۔ اس دن ہر شے اپنی اصل صورت پر ظاہر ہوگی اور حق کا باطل سے امتیاز ہو جائے گا۔

[1] Essential qualities (ل۔صفات)

و نفخ فی الصورِ فصعق من فی السموت و من فی الارض الامن شاء الله (زمر ۳۹: ۶۸)

یہاں صاعقۂ قیامت سے وہ لوگ مستثنیٰ (کردیے)

ہیں جن کے لیے قیامتِ کبریٰ پہلے ہی ہو چکی ہوگی۔ جو اپنی اصل سے پہلے ہی جا ملے ہوں گے۔ ہر چیز پر موت کا واقع ہونا یہاں تک کہ ملک الموت کا بھی ذائقۂ موت چکھنا' تعینات کا اٹھ جانا ہے۔

لمن الملکُ الیوم للہ الواحد القھار (المومن ۴۰: ۱۶) میں مرتبہ احدیت کی حکومت قائم ہونے کا اشارہ ہے۔

ک

کاف ونون:

صورتِ ارادیہ کلیہ جو لفظ کن کے کاف اور نون کے درمیان محصور ہے۔ صوفیا کی طرح اقبال کائنات کو دنیائے کاف ونون کہتے ہیں کن فیکون کا مخفف۔

کباب:

تجلیاتِ صوری[1] میں پرورشِ دل' دیکھیں تجلی آثاری۔

[1] Facial vision (facial change)

کبر:

عاشق پر تسلط صفاتِ قہری' عالم لاہوت (Divinity)۔

کبودی: Blue deep

تخلیطِ محبت۔ (اللہ کی محبت میں ملاوٹ؟)

کرسی:

آیت الکرسی یعنی خدا کی کرسی کی طرف اشارہ۔

جملہ صفاتِ فعلیہ کی تجلی' مظہر اقتداراتِ الٰہیہ' اوامر و نواہی کے جاری ہونے کا محل۔ دقائق (Subtleties) حقیہ کی پہلی توجہ حقائق خلقیہ ظاہر کی جانب توجہ حقائق خلقیہ ظاہر کرنے کی جانب۔ تختِ الٰہی کا مقام۔

قدمین:

کرسی کے قریب ہیں کیونکہ عدم و ایجاد' ہلاکت و سلامتی' پستی و بلندی' عزت و ذلت' نفع ونقصان' جمع وتفریق وغیرہ کے صفاتِ متضاد کے آثار بالتفصیل یہاں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس مقام سے وجود میں امرِ الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔

قلم تقدیر کا محل ہے۔ لوحِ محفوظ تقدیر کے جمع کرنے کا اور لکھنے کا محل ہے۔ کرسی اس تقدیر کو علیحدہ (جدا اور متفرق) کر کے رکھ دینے کا محل ہے۔ وسع کرسیّہُ السمٰوٰتِ والارض۔ اس کی دو اقسام ہیں: وسعتِ حکمی اور وسعتِ وجودی۔ گویا وجود مقید کا نام کرسی ہے۔

کرشمہ:

التفات' تجلی جمال' پرتو انوارِ معرفت۔ (لفظی: آنکھ کی جھپکی' ناز' نخرے حیرت)

کشاکش:

جب کہ سالک مقام نور ذات تک پہنچ جاتا ہے' جو بے جہت و بے کیف ہے۔ وہ کشاکش سے گزر کر جاتا ہے۔ تو گویا نورِ ذات تک پہنچنے سے قبل کی کیفیات کا نام کشاکش ہے۔

کشف:

کشف کے معنی ہیں پردہ اٹھانا۔ اصطلاح صوفیا میں امورِ غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھنا اور حقیقت و رائے حجاب پر وجوداً[1] اور شہوداً[2] اطلاع پانا کشف ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں: کشفِ صوری اور کشفِ معنوی۔

(۱ کسی شکل میں ۲ باچشم دید)

کشفِ صوری کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خواب میں جو معاملات بندہ کے ساتھ پیش آئیں وہ بیداری میں بھی اس کے ساتھ پیش آنے لگیں۔ کشفِ صوری میں بالعموم حواسِ خمسہ عالم مثال (یاعالم خیال) میں صورتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ادراک کبھی بطور مشاہدہ کے ہوتا ہے' جسے اہل کشف انوارِ روحانی اور ارواح کی صورتوں کو متجسد (جسم کے ساتھ

bodily) دیکھتے ہیں۔ کبھی بطور سماع کے ہوتا ہے، جیسے رسول اللہؐ وحی الٰہی کو مسلسل کلام کی صورت میں سنتے تھے اور گھنٹی کی سی آواز اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں اسے پاتے تھے۔ کبھی وہ کشف نفحاتِ الٰہی[1] (a fragrant gale, a gift) اور شمائمِ ربانی کے سونگھنے کے طور پر ہوتا ہے۔ تمہارے دلوں میں اللہ کے بہت سے نفحات اور خوشبوئیں (شمائم) ہیں۔ ہوشیار رہو ان کو لو اور دریافت کرو۔ کبھی وہ کشف بطور ملائمت کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے حق سبحانہ تعالیٰ کو بہت ہی اچھی اور خوبصورت شکل میں دیکھا اور اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ محمدؐ ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑے ہیں؟ میں نے دو بار کہا ربّ انت اعلم. پھر حق تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی کو میرے دونوں کندھوں پر رکھ دیا اور میرے سینہ میں اس ہاتھ کی خنکی محسوس ہوئی۔ پھر میں نے آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزوں کو جان لیا اور پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا:

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموٰتِ والارض و لیکون من الموقنین (الانعام: ع ۹:۷۵)

کبھی کشف بطریق ذائقہ کے ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو دودھ پیتے دیکھا یہاں تک کہ سیری میرے ناخنوں سے ظاہر ہوئی۔ پھر میں نے اپنا اُلش عمرؓ کو دیا۔ پھر میں نے اس کی تعبیر علم سے کی۔

بعض دفعہ چند اقسام کی صورتیں آپس میں مجتمع ہو کر ایک ہی وقت میں نظر آتی ہیں۔ ان تجلیات کا تعلق اسمائے الٰہی سے ہوتا ہے۔ شہود اللہ تعالیٰ کے اسم بصیر کی تجلی ہے۔ سماع اسم سمیع کی تجلی ہے وعلی ھذا القیاس اور یہ جملہ تجلیات اسم علیم کی برکات ہیں۔ یعنی اسم علیم کا جو فیضان بصر و بصیرت کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ شہود ہے۔ جو سمع کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ سماع ہے۔

کشف کونی یعنی کشف صوری وہ اقسام ہیں جن سے مُغیباتِ دُنیوی (Mysteies) ظاہر کیے جاتے ہیں۔ خلاف شرع لوگوں کے لیے استدراج (راہبوں اور جوگیوں کا کشف) بن جاتا ہے۔ مجاہدات و ریاضات کے سبب سے جوگیوں اور راہبوں کو اس نوع کا کشف ہونے لگتا ہے۔ اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف دھیان نہیں دھرتے بلکہ ان کا مقصد محض فنا فی اللہ اور بقا بالحق ہوتا ہے اور جملہ عوالم (عالم کی جمع: دنیا، زمانہ) میں ہر مظہر (منظر، سٹیج) کو اللہ ہی کا مظہر جانتے ہیں ؎

ہرچہ آید در نظر غیر تو نیست
یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو
(خسرو)

(اسمائے الٰہی کی) صور علمیہ الٰہیہ میں اعیانِ ثابتہ[1] کا دیکھنے والا درجہ میں سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ ہے جو عقل اول یا دوسری عقلوں میں اعیانِ ثابتہ کو دیکھے۔ مکاشفہ سماعی کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اہل کشف اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطے کے کلام سنے جیسا کہ رسول اللہؐ نے معراج اور ان اوقات میں سنا جس کا اس حدیث میں ارشاد ہے:

لی مع اللّٰہ وقت لا یستعنی فیہ ملک مقرب ولانبی مرسل[2]

[1] Figures representing Names of God.

[2] میرے ساتھ اللہ کا وہ وقت (قرب کا) بھی آتا ہے جب کوئی مقرب فرشتہ یا نبی میری استعانت نہیں کرتا۔

کشف معنوی حقائق کی صورتوں سے مجرد ہوتا ہے۔ یہ کشف اسم علیم اور اسم حکیم کی تجلیات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں معانی غیبیہ میں حقائق مُغیبہ اچانک ظہور کرتے ہیں۔ اس کا پہلا مرتبہ یہ ہے:

(۱) کہ قوت فکریہ میں معانی بغیر کسی ترکیب وترتیب مقدمات (ابتدائی علوم) اور بغیر اس کے کہ قیاسات سے کام لیا جائے خودبخود ظاہر ہوتے ہیں بلکہ ذہن مطالب سے مبادی کی جانب منتقل ہوتا ہے اور قوتِ عاقلہ مقدمات و قیاسات کو استعمال کرتی ہے۔ روح میں ایک قوتِ خاص ہے جسے نورِ قدس کہتے ہیں۔ جسم سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ کشف معنی اسی نور کی چمک سے ہوتا ہے۔ قوتِ فکریہ کو کیونکہ جسم سے تعلق ہے۔ نورِ قدس کے لیے یہ قوت حجاب بن جاتی ہے اور معانی غیبیہ (کی بجلی کی چمک) کو نہیں دیکھنے دیتی۔ فتوح کی دو قسمیں ہیں: فتح فی النفس اور فتح فی الروح۔

فتح فی النفس میں علم عقلاً ونقلاً حاصل ہوتا ہے۔ فتح فی الروح میں وجدان سے علم حاصل ہوتا ہے نہ کہ عقل ونقل سے۔ نور قدس کی چمک سے جس کشفِ معنوی کا ورود ہوتا ہے (قلب پر) اسے الہام کہتے ہیں۔ اگر معانیٔ غیبی ہیں تو الہام ہے اور ارواح مجردہ یا اعیانِ ثابتہ ہیں تو مشاہدۂ قلبی ہے۔ اگر یہ کشف روح کے مرتبہ میں ظاہر ہو تو شہودِ روحی ہے۔ یہ شہود مثل آفتاب کے ہے جو روح وجسم کو روشن کر دیتا ہے۔ نورِ قدس بغیر کسی واسطہ کے اپنی اصلی استعداد کے مطابق معانیٔ غیبیہ اللہ العلیم سے اخذ کرتا ہے اور اپنے ماتحتوں یعنی قلب اور قوائے روحانی وجسمانی پر اس کا فیضان ہوتا ہے۔ جس طرح کہ سالکوں کے مقامات و مراتب و استعدادات میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی طرح کشف کی نوعیت و مدارج' اجمال وتفصیل' ابہام و اظہار وغیرہم میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ کشف کبھی غلط نہیں ہوتا البتہ سمجھنے والے سے کبھی کوئی غلطی ہوسکتی ہے۔

کشف سے یہ مراد ہوتی ہے کہ صاحبِ کشف کو بعض امورِ خاص پر اطلاع ہو جائے۔ نہ کہ کل امور اس پر ظاہر ہو جائیں۔ اسی بنا پر آنحضرتؐ کو حکم ہوا کہ کہہ دو

ما ادری ما یُفعَلُ بی ولا بِکُمْ

(الاحقاف ۴۶:۹' ع ۱)

میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ (یعنی حجاب کی تصریح کر دو تا کہ کوئی مغالطہ نہ رہے)

کعبہ:

مقام وصل۔ مکہ کی مقدس عمارت' مسلمانوں کا قبلہ' خدا کا گھر۔ جہاں خدا اور بندے کا وصل ہوتا ہے خدا کی ذات کا اور خدا کی نعمتوں کا۔

کفر:

انکار ہوتا ہے۔ ظلمتِ تفرقہ۔ کثرت کا وحدت میں پوشیدہ کر دینا۔ اسمائے جلالی کے تحت آ جانا۔

نوٹ: بحر احدیت میں کثرات وتعینات سب فنا ہو جاتے ہیں۔ (یہ عقیدہ وحدت الوجود ہے)

لب دریا ہمہ کفرست' و دریا جملہ دینداری
ولیکن گوہر دریا' ورائے کفر و دیں باشد

کفر حقیقی:

سالک کا ذات کو عین صفات اور صفات کو عین ذات جاننا۔

کفر مجازی:

ناشکری ذاتِ حق اور گمراہی۔

کافر:

صاحبِ اعمال جو مرتبۂ صفات و اسما و افعال سے بلند نہ ہوا ہو اور حق کو تعینات وتکثرات میں پوشیدہ رکھتا ہو۔ کبھی اسے بھی کافر کہہ دیتے ہیں جو شہودِ ذاتِ حق تک پہنچ گیا ہو یا جو حقیقت کا مجاز میں مشاہدہ کرتا ہو۔

کافر بچہ:

عالم وحدت میں جس نے یک رنگی حاصل کر لی ہو

جو ماسوئ سے روگردان ہو کر لواءِ[1] ہستی میں جاگزیں ہو گیا ہو۔ اسے گبر بھی کہتے ہیں۔

[1] banner

کل:

نام حق باری تعالیٰ باعتبار اس کے کہ وہ مظہر ہے جملہ مظاہر کا۔

کلام الٰہی:

کلمہ سے مشتق لفظ، حرف ۔ خدا کا کلام فی الجملہ صفتِ واحدہ نفسیہ ہے۔ اس کی دو جہتیں ہیں:

جہت اول: اس کی بھی دو اقسام ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ وہ کلام عزت کے مقام سے بحکمِ الوہیت، عرشِ ربوبیت پر صادر ہوتا ہے مگر مخلوقات کی رسائی سے بالاتر ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ربوبیت کے مقام سے زبانِ انسان میں یہ کلام درمیان خالق و مخلوق کے صدور پاتا ہے مثل ان کتب کے جو انبیاء پر نازل ہوئیں اور مثل ان مکالمات کے جو انبیاء سے ہوئے اور اولیاء اللہ سے ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔

جہت دوم: کلام الٰہی کی جہت دوم یہ ہے کہ حق کا کلام بالذات اعیانِ ممکنات ہیں اور ممکنات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یا بالفاظ دیگر مخلوقات کلام الٰہی کے اظلال و آثار ہیں، کیونکہ لفظ 'کن' بھی ایک کلمہ ہے یا پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود کلمات الٰہی ہی ہیں جو قدرتِ الٰہی سے مخلوقات کے رنگ میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ کتاب حق تعالیٰ عالم غیب و شہادت کا مجموعہ ہے۔ افراد موجودات کا ہر فرد کلماتِ حق میں سے ایک کلمہ ہے۔ کلام میں الفاظ بھی ہوتے ہیں اور معانی بھی، الفاظ کے اعتبار سے ہر کلمہ صورت ہوتا ہے اُس معنی کا جو متکلم کے علم میں ہوتا ہے۔ متکلم اس معنی کے اظہار کی غرض سے ایک صورت پیش کرتا ہے (یعنی ایک جملہ ادا کرتا ہے) اور سامع اس کے سنتے ہی معانی تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں معنی اعیانِ ثابتہ ہیں[1] اور صورِ الفاظ اعیانِ[2] ممکنات[3] ہیں۔

[1] Figures represting Names of God

[2] موجوداتِ عالم (سردار، امراء مراد نہیں ہیں)

[3] اعیانِ ممکنات ۔ موجوداتِ عالم

اعیانِ ممکنات خارج از حد و حصر ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مَدَدًا (الکھف ۱۰۹:۱۸)

کتابِ عالم میں جو کچھ ہے وہ سب کتاب منزل میں بھی ہے وہاں اعراض (the mass of man) جوہر (essence) کے تابع ہیں (اعراضِ لفظی) جوہر کے برعکس وہ چیزیں جو اپنی ذات سے قائم نہ ہوں۔

کتاب عالم کی اول آیت عقل اول ہے۔ جو بجائے 'ب' بسم اللہ (قرآنی) کے ہے۔

عقل کل: مقابل ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اور اجمالاً مشتمل ہے جمیع مراتب عالم پر۔

نفس کل: تفصیلِ واحدیت لہٰذا عقل کل اجمالِ احدیت ہے (آیت۔ نشانی)

نفسِ کل: آیۂ نور کے (اللہ نور السموات والارض کے) جمیع اشیا نے نور ہی سے ظہور پایا اور تفصیل اختیار کی۔

عالم جسمانی: فلک اطلس (The Crystaline Sphere) مقابل ہے، الرحمٰن علی العرش استویٰ، کرسی مقابل ہے آیت الکرسی کے۔

سبع سمٰوت: سبع مثانی کے، جو سورۃ فاتحہ کے افلاک ہیں۔

عناصر اربعہ: آیت جو نازل ہوئیں اولی الابصار کے لیے۔

عناصر اربعہ : موالید (Childern) پھر انتہائی تنزلات میں انسان (پیدا ہوا) جمع مولود کی۔

انسانِ کامل: خلاصۂ موجوات ُام الکتاب ہے باعتبار عقل و روح کے بلحاظ قلب لوح محفوظ ہے۔

نفسِ انسان: محور اثبات (نفی و اثبات) کی کتاب ہے۔

انسان کامل: صحفٌ مکرمۃٌ ہے۔ اس کے اسرار و رموز حجابات انسانی سے پاک ہی معلوم کرسکتا ہے۔

قلب انسان: نفسِ ناطقہ : عالم صغیر۔ اسی انسان پر کتاب عالم ختم ہوئی اور یہی انسان لفظ کن کی غایت ہے۔

(Quran) اُم الکتاب: ذات علیہ کنہ حکمی: ماہیات حقائق۔

عقل اول: (بوجہ محیط ہونے کل اشیا پر) لہٰذا یہ بھی اُم الکتاب ہے۔

کتاب: وجودِ مطلق جس میں عدم نہیں ۔ وجود اس میں ایسے ہی داخل ہے جیسے حروف دوات میں مگر کسی حرف کا اطلاق دوات کی روشنائی پر نہیں ہوتا۔

کتابِ معین: نفسِ کلی، جس میں اشیا تفصیلاً ظاہر ہیں۔

کتابِ محو اثبات: نفسِ جو جسم کلی میں چھپا (منطبع) ہوا ہے کیونکہ اس کو حوادثات سے تعلق ہے اور محو و اثبات دونوں اس پر لاحق ہیں۔

قرآن : ذاتِ محض بحیثیت احدیت جس میں جملہ صفات بلا امتیاز مخفی ہیں۔ قرآن کا دفعتہً واحدۃً آسمان دنیا کی طرف سے نازل ہونا اشارہ ہے اسما وصفات کے ظہور کا۔

توریت: تجلیاتِ اسمائے صفاتیہ۔

انجیل: تجلیاتِ اسماءِ ذات ۔

زبور: تجلیاتِ صفات افعالی۔

فرقان: صفات الٰہی۔

سورۃ صورِ ذاتیہ کمالی کی تجلیات۔ ہر سورۃ کے تحت معانی ہیں جو اسے دوسری صورتوں سے متمیز کرتے ہیں۔

آیات: اجتماع حقائق۔ اجتماع ظہور اشیا۔ ہر اجتماع کے لیے اسمِ جلالی اور جمالی لازمی ہے اور آیت دونوں کا مجموعہ ہے۔

کلمات: مخلوقاتِ عینیہ کے حقائق۔ عالم شہادت کی متعین اشیاء (تمام اشیاء عالم شہادت کی)

حروف عالیات (Sublime Titles of dignity and address) عالم غیب۔ اس سے پیشتر ہم بھی حروفِ عالیات تھے کہ پڑھے نہ جاتے تھے۔ اس کے ارادہ اور قدرت سے عالم غیب کو عالم شہادت میں لایا گیا۔ لہٰذا انسان اس ذاتِ پاک کا نسخہ کاملہ ہے۔

حروفِ منقوط: اعیانِ ثابتہ۔ یہ علم الٰہی میں موجود ہیں (یعنی اسماءِ الٰہی کے مظاہر)

حروفِ مہملہ: ا، ذ، ز، و، ل۔ ان سے حروف متعلق ہیں، یہ حروف سے متعلق نہیں۔ الف اشارہ ہے مقتضیاتِ کمالیہ کی جانب، جو پانچ ہیں (ذات، حیات، علم، قدرت، ارادہ)۔ ذات کے بغیر چار کا وجود نہیں ہوسکتا اور ان چار کے بغیر ذات کا کمال متصور نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ باقی حروف مہملہ نو ہیں اور ان سے انسانِ کامل کی جانب اشارہ ہے۔ ان میں سے پانچ 'خمسہ الٰہیہ' اور چار 'اربعہ خلقیہ' ہیں۔

کلبۂ احزاں (Call of Sorrow):

وقتِ حزن، ہجرِ محبوب۔

کلمہ (Logos):

نکلسن نے کلمہ کو Logos ہی لکھا ہے۔ Stoic نے رواقی فلسفہ کہا۔ (Stoics Philosophy)

[رواقی فلسفہ زینو(Zeno 340-260 A.D) نے قائم کیا تھا۔ شہر ایتھنز میں اس فلسفے کا آغاز ہوا۔ اس فرقے کے عقیدے کے مطابق صرف خیر ہی مقصد حیات قرار دیا گیا تھا۔ اس میں ضبط جذبات اور راحت و آلام کے جذبات سے آزاد ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ زینو نے اپنے سکول کو Colonnade ستونوں کی قطار میں قائم کیا تھا جسے منقش پورچ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس کے بعد Cate اور سینیکا the yonger Marcus Aureleus, اس فرقے کے پیرو کہلائے]۔

الرّوق کے معنی خالص محبت ہے (نیز سواری بھی)
یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شیخ اکبر یا عربوں نے اس کا نام رواقی فلسفہ کیوں رکھا۔

کمالات نور و ظلمت:

مومنین مشاہدہ کرتے ہیں قبر کے اوپر ارواح مومنین کا۔ نیز آنحضرتؐ کی قبر شریف کا اور اس نورانی ستون کا جو مزار مبارک سے ممتد ہو کر قبۂ برزخ تک پہنچتا ہے۔ مگر ان مشاہدوں میں بھی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں دل بستگی نہ ہو جائے۔ پھر جب حالت بیداری میں آنحضرتؐ کی ذاتِ مقدسہ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو شیطان کی سازشوں سے اطمینان مل جاتا ہے، کیونکہ رحمت الٰہیہ کے ساتھ اجتماع حاصل ہو گیا یعنی سیدنا محمدؐ کے ساتھ۔

ولی کی کرامت اور اہل کفر کے استدراج کے فرق پر مندرجہ ذیل واقعہ درج کیا جاتا ہے کہ ایک کشتی میں دوران سفر ابراہیم خواص اور ایک یہودی کا اتفاقیہ ساتھ ہو گیا اور باہمی تعارف کے بعد رفاقت ہو گئی۔ یہودی نے حضرت شیخ سے کہا کہ اگر تمہارا دین سچا ہے تو سطح آب پر چلو اور یہ کہ کر اس نے دریا پر چلنا شروع کر دیا۔ حضرت ابراہیم خواص نے دل میں کہا اگر یہ یہودی مجھ سے بڑھ گیا تو دین اسلام کے واسطے بڑی ذلت کی وجہ ہو گی یہ کہہ کر آپ نے بھی اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ حق تعالیٰ نے مدد فرمائی اور آپ نے بھی بے تکلف پانی پر چلنا شروع کر دیا۔ کنارہ پر پہنچنے کے بعد یہودی نے کہا کہ میں سفر میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، لیکن ہم نہ تو مسجد میں جائیں گے، نہ ہی کسی بھی گرجا (صومعہ) میں اور نہ ہی شہر میں اکٹھے جائیں گے کہ لوگ باتیں بنائیں گے، لہٰذا چلو جنگل میں چلو اور کھانا پینا کچھ ساتھ نہ لو، چنانچہ تین دن کامل بھوکے پیاسے جنگل میں گھومتے رہے۔ تین دن کے بعد ایک کتا آیا جس کے منہ میں تین روٹیاں تھیں اور اس نے یہ روٹیاں یہودی کے سامنے رکھ دیں اور چلا گیا۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں اس نے مجھے صلح بھی نہ کی اور اتنا بھی نہ کہا کہ آؤ کھا لو اور تینوں روٹیاں اس نے خود ہی کھا لیں۔ ابراہیم خواص صبر کر کے بھوکے بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے پاس خوبرو نوجوان آیا جس کے بدن سے خوشبو مہک رہی تھی اور ہاتھ میں نہایت بے نظیر کھانا تھا کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اس نے میرے سامنے وہ کھانا رکھ دیا اور خود چلا گیا۔ میں نے یہودی سے کہا کہ آؤ کھا لو۔ مگر اس نے انکار کیا اور میں تنہا شکم سیر ہو کر کھا لیا۔ اب یہودی نے کہا کہ مذہب تو دونوں کا برحق ہے اور موصل الی اللہ اور دونوں پر ثمرہ بھی ملتا ہے، مگر تمہارا مذہب صاف ستھرا اور چمکیلا ہے۔ پس تمہاری رائے ہو تو میں بھی تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں، چنانچہ مسلمان ہو گیا۔

یہ قصہ ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق جب حضرت دباغ سے دریافت کیا گیا تو کہنے لگے کہ یہ کھیل شیاطین ان سے کھیلتے ہیں اور ان سے خرق عادت امور صادر کراتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں کہ اپنے مذہب کے موافق امور عبادت کرنے کا بھی کچھ ثمرہ ہے۔ حالانکہ عبادت کا یہ ثمرہ ہی نہیں۔

کنار:

دوام مراقبہ(continuous meditation)

کنزِ مخفی:

ھویتؑ غیب الغیب۔ (لفظی معنی: چھپا ہوا خزانہ)

خدا جو کنزاً مخفیاً تھا۔

کنشت:

استیلائے صورت (غلبہ، تسلط، پوری حکمرانی) تشبیہ، مقام موسوی، (لفظی: صومعۂ یہود، مندر آتش پرستاں)

کنہ:

ماھیتِ الٰہی بیروں از ادراکِ عالمیان، ذاتِ حقیقی اللہ کی۔

کوچک ابدال:

قلندروں کی اصطلاح میں اس مرید کو کہتے ہیں جو دوسروں سے عمر میں چھوٹا ہو۔

کون:

وجودِ عالم بحیثیت عالم نہ کہ بحیثیت حق ۔کون اسے کہتے ہیں جو ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری صورت اختیا کرے۔

عالم کون وفساد:

عالم عناصر اربعہ، عالم کثیف۔

فساد: صورتوں کے بگڑنے اور مٹ جانے کو کہتے ہیں۔

کیمیا:

تصوف میں اس سے نظرِ مرشدِ کامل اور عشق مراد ہوتی ہے۔

کیمیائے سعادت:

تہذیبِ نفس، رزائیل سے اجتناب و تزکیہ و فضائل کا اکتساب۔ مولانا غزالی کی کتاب کا نام۔

کیمیائے عوام:

دنیائے فانی کے مقابلہ میں آخرت (باقی) کو ترجیح دینا۔

کیمیائے خواص:

دل کو دولتِ خلوص و احسان سے مالا مال کرنا۔

کین و کینہ:

تسلّطِ صفاتِ قہری۔

گ

گفتگو:

ہر وہ چیز جو محبت انگیز ہو۔ تکلم، کلام، بات چیت۔

گل:

نتیجہ ٔعمل، لذتِ معرفت، عالم بہ ہیئت مجموعی، کیونکہ عالم میں معرفتِ حق حق کے لیے ہے۔

گلزار:

مقام کشفِ و اسرار۔

گوش:

جماعتِ صوفیہ میں حدیث در گوش او کردن۔ ایک جملہ مروج ہے جس سے مراد اسم سمیع میں فانی ہو جانے اور اس اسم کا مظہر بن جانے سے ہے۔

گوہرِ سخن:

محسوسات و معقولات میں اشاراتِ واضح مراد ہے۔

(Eloquent speaking)

گوہرِ معانی:

صفات و اسماءِ الٰہی۔

گوئی:

وہ مجبوری اور مقہوری جو سالک کو چوگانِ (polo)

تقدیرِ الٰہی کے مقابلہ میں پیش آئے۔ اس جگہ لفظی معنی مراد نہیں۔ مجبورِ محض کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

ل

لااُبالی:

جو کچھ سامنے آئے اس سے نہ ڈرے اور دلیری کے ساتھ جو کہے وہی کرے۔

لالہ: (لفظی : The Tulip) اقبال نے لالہ ملت یا امت کے معانی میں بھی لیا لالۂ خونیں کفن) نتیجہ معارف جو مشاہدہ میں آجاویں۔

لاھوت: (Divinity):

گنجِ مخفی، مقام فنا، محویتِ تامہ، حقیقت وحدت جو جمیع اشیاء میں ساری ہے۔ مرتبۂ ذات۔ دراصل لاھو لاھو ہے۔ عالم ذاتِ الٰہی جس میں سالک کو فنا فی اللہ کا درجہ ملتا ہے (حاصل ہو جاتا ہے) اس کا برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ When a seeker is drowned in the deep deep meditation of God.

نوٹ: جب قلب جاری ہو جاتا ہے تو یہ مرتبہ مل جاتا ہے لیکن اس مقام کو بخوشی قبول کرنا نہایت مشکل ہے کیونکہ دل اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر ایک فٹ تک چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ دل سے اللہ اللہ کی گونج شروع ہو جاتی ہے۔

لب:

فیض رحمانی، نفس رحمانی، کلام معشوق، لطفِ رب الودود، نیستی کو ہستی میں لانا، نوازش معشوق، قبض و بسط۔ لبِ لعلِ جاناں حیات بخش ہیں۔ سانس دم بطون سے ظہور اور ظہور سے بطون میں آتا جاتا رہتا ہے۔ سانس لیتے وقت جب انسان اپنا دم اندر سے باہر نکالتا ہے تو جو کچھ اندر ہوتا ہے وہی باہر آ کر منتشر ہو جاتا ہے۔ یہی تجلی ثانی اور نفسِ رحمانی اور فیض رحمانی کی مثال ہے۔ دم کا یہ اخراج چونکہ لبوں کی وساطت سے عمل میں آتا ہے۔ لب، بوسہ اور آبِ زلال جاں بخش اور حیات آور ہیں۔ احاطۂ وجوب و امکاں میں نیستی امکاں کی نمائش صفات لب ہی کی بدولت وجود میں آئی۔ دل دردمند کو لبوں ہی کی وساطت سے مژدۂ وصال سنایا جاتا ہے اور عاشق کے دل میں بجلی دوڑ جاتی ہے اس سے حیاتِ جدید کا فیضان ہوتا ہے۔ نفخت فیه من روحی (الحجر ۲۰: ۱۵) (اسی کا) فیضانِ حیات ہے۔ اس نفخ کو بوسہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بوسہ لب ہی کا فعل ہے جس سے کبھی حیات بخش دی جاتی ہے اور کبھی بے خودی اور بے صبری طاری کر دی جاتی ہے۔ سرگوشیاں بھی لبوں سے ہوتی ہیں۔ غصہ کا اظہار بھی لبوں کو دبا کر دیا جاتا ہے اور تبسم بھی لبوں ہی کی گوہر افشانی اور برق ریزی ہے۔

لب لعل: (The lips of a mistress):

بطونِ کلام معشوق۔

لُب:

(لفظی : دل، روح، مغز، جڑ، اساس) عقل جسے نور قدسی نے پاک و صاف کر دیا ہو اور اوہامِ باطلہ اور تخیلاتِ بے بنیاد کی آلائش سے وہ پاک ہو گئی ہو۔

لبس: (To deceive):

حقیقت الحقائق انسانیہ۔ (Mystifying)

لُبس:

(لفظی : لباس پہننا)۔ لباس حقائقِ روحانیہ۔

لذت سُریانیہ:

(لفظی: (Penetrating Joy or enjoyment):

حق تعالیٰ نے اپنے نفس پر واجب فرما لیا ہے کہ اپنے اسما و صفات کو بے وسیلۂ انسانِ کامل ظاہر نہیں فرماتا۔

اس کے جملہ اسماوصفات دو اقسام پر محیط ہیں: ایک تو وہ جو انسانِ کامل کی داہنی جانب سے متعلق ہیں جیسے حیات وعلم و قدرت وارادہ وسمع وبصر داہنے کلام ہیں۔ دوسرے جو بائیں جانب سے متعلق ہیں: ازلیت، ابدیت، اولیت، آخریت۔ انسان کو جملہ صفات و اسما کی لذتیں تزکیہ و تصفیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان تمام لذتوں کے علاوہ انسان اپنے وجود میں ایک لذت سُریانہ (شام کی قدیم زبان مراد نہیں، ہر حصہٗ جسم میں سرایت کرنے والی) پاتا ہے، جسے لذتِ الوہیت (خدائی، اللہ کی دی ہوئی) بھی کہتے ہیں۔ یہ لذت تمام وجود میں پائی جاتی ہے۔ بعض فقرا نے اس لذت کو اپنے وجود میں اس قدر بڑھا ہوا پایا کہ انھوں نے اسی میں پڑا رہنے کی آرزو کی۔ ایسے لوگوں کو برا کہنے والا کیونکہ اس مقام سے آگاہ نہیں اس لیے اس کی بات اس معاملہ میں قابل التفات نہیں۔

لسان الحق:

وہ انسانِ کامل جو مظہر اسم متکلم ہو۔ ایسے ہی شخص کو لسان الغیب بھی کہتے ہیں۔

لطف:

معشوق کا عاشق کی پرورش کرنا بطریق موافقت و موانست۔ تجلیٗ جمالی، تائید حقانی برائے بقائے سالک۔

لطیفہ:

(لفظی: خوشگوار نکتہ=A delicate point)

یہ اصطلاح ملکہ یا باطنی قوت کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور متعدد قویٰ میں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نام، کام اور خاصیت ہے۔ یہ بات اصحاب باطن کے سلوک کے مدارج کے بیانات کے تجزیے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ (قواء یا قوی) مزید تشریح صفحہ ۲۲۷۔

مراقبہ[1] احدیت:

میرے لطیفہٗ قلب پر اس ذات والا صفات سے فیض آ رہا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں کا جامع ہے اور اسم مبارک اللہ کا مسمّی ہے۔ زبانِ خیال کے ساتھ یہ نیت کر کے فیضانِ الٰہی کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اس مراقبہ میں جمعیت اور حضور قلب کی نسبت حاصل ہونے کی طرف توجہ چاہیے اور تنزیہ اور تقدس ذات حق کا پورا خیال ہونا چاہیے۔

[1] Meditation

لطیفہٗ قلب: (باطنی قوت)

نیت جسے سالک اپنے لطیفہٗ قلب کو آنحضرتؐ کے لطیفہٗ قلب مبارک کے سامنے تصور کر کے یہ التجا کرے کہ یا الٰہی تجلیات افعالیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرتؐ کے لطیفہٗ قلب سے حضرت آدمؑ کے لطیفہٗ قلب میں القا فرمایا ہے۔ پیرانِ کبار کے طفیل میرے لطیفہٗ قلب میں بھی القا فرما دے۔

لطائف ستہ: جسم انسانی میں چھ مواضع ہیں جن پر فیض و انوار و برکاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

(۱) لطیفہٗ قلبی: دو انگل زیر پستانِ چپ نور اس کا سرخ ہے، معرفت کا محل ہے۔

(۲) لطیفہٗ روحی: دو انگل زیر پستانِ راست۔ نور اس کا سپید ہے، محبت کا محل ہے۔

(۳) لطیفہٗ نفس: زیر ناف۔ نور اس کا زرد ہے۔

(۴) لطیفہٗ سِرّی: مابین سینہ۔ نور اس کا سبز ہے۔ مشاہدہ کا محل ہے۔

(۵) لطیفہ خفی: بالائے ابرو۔ نور اس کا نیلگوں ہے۔ اسے لطیفہٗ قالبیہ کہتے ہیں۔

(۶) لطیفہٗ اخفی: اُمّ الدماغ[1] میں۔ نور اس کا سیاہ ہے مثل سیاہی چشم کے۔

[1] دماغ کی اندرونی جھلی، اُمّ رقیقہ (Plamater)

ان مختلف لطائف کے انوار میں اختلاف ہے باعتبار

اختلافات مکشوفات۔ مگر سلوک میں اس نوع کے اختلافات مؤثر نہیں۔ اسی بنا پر محققین کا ارشاد ہے کہ مقید بہ انوار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ مقصود ملکۂ ذکرِ دوام ہے۔ حضرات مجددیہؒ کے نزدیک انسان دس لطائف سے مرکب ہے۔ پانچ عالم امر[۲] سے متعلق اور پانچ عالم خلق سے۔ لطائف عالم امر کی جڑیں عرش پر ہیں اور جسم انسانی میں اس کے مختلف ٹھکانے ہیں۔ یہ لطائف قلب و روح، سرّ، خفی اور اخفی ہیں۔ لطائف عالم خلق، نفس اور اربعہ عناصر ہیں جن کی اصل لطائف عالم امر کی اصل ہے۔ جملہ لطائف مختلف انوار سے منور اور مختلف اوالوالعزم انبیاءؑ کے زیر قدم ہیں۔

۲ وہ جہاں فوری یا فوری تخلیق ہوتی ہے۔

۱) لطیفۂ قلب: ہم اصل لطیفۂ نفس، نور زرد، زیر قدم آدم علیہ السلام۔

لطیفہ نفس: مقام پیشانی ہے اور رنگ اس کا بعد تزکیہ کے رنگ بیرنگی اختیار کر لیتا ہے۔

۲) لطیفۂ روح: ہم اصل باد۔ نورِ سرخ زیر قدم حضرت نوحؑ اور ابراہیم علیہم السلام۔

۳) لطیفۂ سرّ: ہم اصل آب۔ نورِ سپید، زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

۴) لطیفۂ خفی: ہم اصل نار۔ نور سیاہ۔ زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

۵) لطیفہ اخفی: ہم اصل یا خاک۔ نور سبز، زیر قدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اصل قلب جو فوق العرش ہے تجلی افعال ہے۔ اصل روح جو فوق العرش ہے صفات ثبوتیہ ہیں۔ اصل سر جو فوق العرش ہے شیونات ذاتیہ ہیں۔ اصل خفی جو فوق العرش ہے صفات سلبیہ ہیں۔

لطیفۂ قلبی:

جس جگہ مرشد نے انگلی رکھی ہے وہاں گویا سوراخ ہو گیا ہے اور اس سوراخ سے فیضانِ الٰہی کا نور آ رہا ہے اور دل اس کے شکریہ میں اللہ اللہ کہہ رہا ہے اور اس طرح اللہ کو کھینچ کر لائے اور اس ذکر کے خیال میں اتنا محو ہو جائے کہ اپنی بھی خبر نہ رہے۔ اسی کا نام استغراق ہے۔ اگر ادھر اُدھر کے خیال آئیں تو انھیں ہٹانے کی کوشش کرے اور لوحصولِ فیضان کی طرف لگائے کہ یہ مجاہدہ استغراق سے بھی کہیں بہتر ہے۔ دوزانو یا چوکڑی مار کر بیٹھے اور تسبیح اس طرح کرے کہ تسبیح کا دانہ ہاتھ سے جلدی جلدی چلاتا جائے اور دل پر اللہ اللہ کا خیال گزارتا جائے۔ زبان یا حلق وغیرہ سے نہ کہے بلکہ زبان تالو سے لگی رہے اور آنکھیں بند رہیں۔ بہتر یہ ہے کہ سر اور منہ پر رومال ڈال لے اور اس طرح ایک ہزار مرتبہ اسم ذات کا ذکر کرے اور پھر تسبیح رکھ کر اتنی ہی دیر تک ذکر اور حصول فیض کے خیال میں بیٹھا رہے۔ فراغت کے بعد دعا مانگے۔ روزانہ مخصوص وقت میں کرے اور سوتے جاگتے ہر وقت دل کا خیال رہے تاکہ ہاتھ کار میں اور دل یار میں کا مصداق ہو جائے:

ہدایت الطالبین میں ہے کہ ''حرکت
ذکر از دل بہ جمیع خیال برسد''

اس حرکت میں اسم ذات کا تصور کرے تا آنکہ حدیث قدسی 'انا عند ظن عبدی بی' کا مصداق بن جائے۔

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

کس ندانست کہ منزل گہ آں یار کجا است
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

ذکر میں اس قدر مداومت کرے کہ لطیفۂ قلب اپنے مضغہ سے نکل کر اپنی اصل میں پہنچ جاوے۔ جس کی علامت یہ ہے کہ توجہ بلندی کی طرف مائل ہو جائے اور تمام جہات کو بھول جائے اور ذکر کے وقت ماسوئی سے غفلت اور ذاتِ حق

سے محویت ہو جائے اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ہو۔ تمام دن میں ایک سومرتبہ درود شریف اور ایک مرتبہ استغفار ایک نشست میں یا متفرق طور پر پڑھ لیا کرے۔

لطیفہ روح:

اس کا مقام دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بہ پہلو ہے۔ اس جگہ پر انگشت شہادت سے دباؤ دے کر اسم ذات اللہ کی تلقین کرے جس طرح لطیفہ قلب میں دی گئی ہے۔ اس لطیفہ کے اپنی اصل کو پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ یہ لطیفہ بھی لطیفہ قلب کی طرح ذکر سے جاری ہو جائے اور جو کیفیات ذکر قلبی سے حاصل ہو جاتی ہیں ان میں زیادتی ہو جاتی ہے اور غصہ اور غضب جو پہلے سے طبیعت میں ہے اس کی اصلاح ہو کر سالک شریعت کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کے بعد لطیفہ سر کے ذکر کی تعلیم کرے۔

لطیفہ سر:

اس کا مقام بائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بوسط سینہ ہے۔ اس میں بھی لطیفہ قلب و روح کی طرح ذکر تلقین کرے۔ اس کے حصول کی علامت یہ ہے کہ اس میں بھی دو سابقہ لطیفوں کی طرح ذکر جاری ہو جاتا ہے اور کیفیات میں مزید ترقی ہو جاتی ہے۔ یہ مقام مشاہدہ اور دیدار کا ہے۔ اس میں حرص کی اصلاح ہو جاتی ہے اور نیکیاں حاصل ہو کر نیکی کی حرص بڑھ جاتی ہے۔

لطیفہ خفی:

اس کا مقام دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلے پر مائل بوسط سینہ ہے۔ حسب سابق ذکر جاری رکھنا ہے۔ اس ذکر میں ''یالطیف اَدْرِکْنِی بِلُطْفِکَ الخفیٌ'' پڑھنا مفید ہے۔ اس کے حصول کی علامت یہ ہے کہ اس ذکر میں (اس لطیفہ میں بھی) ذکر جاری ہو جاتا ہے اور صفات رذیلہ و بغض کی اصلاح ہو کر اس لطیفہ کے عجیب و غریب احوال ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

لطیفہ اخفی:

اس کا مقام وسط سینہ ہے۔ اس میں بھی حسب سابق آ کر کرنا ہے۔ اس کی سیر اعلیٰ اور یہ ولایت محمدیہ کا مقام ہے۔ اس میں بھی ذکر جاری رہتا ہے اور تکبر اور فخر وغیرہ رذائل کی اصلاح ہو کر قرب اور جمعیت حاصل ہوتی ہے۔ لطیفہ اخفی کا مقام تمام مقامات سے افضل ہے۔

لطیفہ نفس:

اس کے مقام میں صوفیا کرام نے اختلاف کیا ہے کہ ناف کے نیچے دو انگشت کے فاصلہ پر ہے۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک اس کا مقام وسط پیشانی ہے (پیشانی پر اس کا سر اور زیر ناف اس کا دھڑ ہے) اس میں بھی بطریق سابق ذکر کرنا ہے۔ اس لطیفہ کی حرکت چند ماہ محسوس نہیں ہوتی۔ اس میں نفس سرکشی کی بجائے ذکر لذت میں سرشار ہو جاتا ہے اور ذکر میں شوق و ذوق اور محویت بڑھ جاتی ہے۔

لطیفہ:

ہر اشارۂ دقیق المعنی جو عبارت کے ذریعے سمجھ میں نہ آ سکے، جس طرح کہ علوم ذوقی عبارات سے سمجھ میں نہیں آ سکتے (Esoterical meaning) دیکھیں صفحہ ۲۲۴ مزید تشریح۔

لقاء

دیکھنا، دیدار، نظر آنا۔ معشوق کا ظہور اس شان کے ساتھ کہ عاشق کو یقین آ جائے کہ معشوق ہی ہے جس نے صورتِ انسانی میں ظہور فرمایا۔

لوائح۔ لوامع۔ طوامع۔ بوادہ۔ ہجوم:

یہ وہ حالتیں ہیں جو دورانِ مجاہدہ میں مبتدیوں کے قلب پر وارد ہوتی ہیں وہ لوگ کبھی تجلی ہوتے ہیں، کبھی

استتار میں آجاتے ہیں۔ جب سالکوں کے قلب پر حظوظ انسانی کے بادل چھا جاتے ہیں اور تاریکی پیدا کر دیتے ہیں تو رحمت الٰہی سے فوراً کشف کے لوائح ان پر جلوہ ریز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے استتار کی حالت میں لوائح کی اچانک جلوہ گری کے منتظر رہتے ہیں۔

لوائح:

دراصل وہ انوار ذاتیہ ہیں جو بجلی کی چمک کے مانند ظاہر ہوتے ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ ایک لمحہ سے زیادہ نہیں ٹھہرتے۔

لوامع:

لوامع میں ٹھہراؤ بہ نسبت لوائح کے زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کبھی دو دو تین تین لمحے تک بھی قائم رہتے ہیں۔ گویا لوائح سے بڑھی ہوئی تجلیات ہیں۔ لوامع چمکنے کے ساتھ ہی اپنی تابش سے بندہ کو خودی سے منقطع کر کے خدا کے ساتھ جمع کر دیتے ہیں اور ان کی روشنی پوری طرح پھیلنے بھی نہیں پاتی کہ زوال شروع ہو جاتا ہے لیکن اثر کسی قدر بعد تک قائم رہتا ہے۔

طوامع:

طوامع میں دیر پائی اور قوت تاثیر لوامع سے بھی زائد ہوتی ہے۔ غفلت کی تاریکی کو یہ بہت جلد دور کر دیتے ہیں۔ تجلیات اسماء الٰہی کی یہ پہلی قسط ہیں۔ جن سے بندہ کا باطن صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے ان کا درجہ کچھ زیادہ اونچا نہیں۔ یہ ہمیشہ قائم نہیں رہتے۔ ان کے زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

ہجوم:

یہ بھی ایک کیفیت ہے جو غیب سے قلب پر اچانک وارد ہوتی ہے۔ اس کا ذریعہ کبھی رنج بن جاتا ہے کبھی خوشی، بعض مردانِ خدا ایسے بھی ہیں جو ان کیفیات اور ان قوتوں سے بالاتر ہیں اور ان کے ورود سے متغیر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے وقت کے سردار ہوتے ہیں۔

لوح:

تقدیر الٰہی میں جو کچھ مقدر ہو چکا ہے اس کا نوشتہ ازلی۔ اسے کتابِ مبین بھی کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ لوح چار ہیں:

(۱) لوح قضا: اس میں ہر قسم کے محو اثبات ازلاً درج ہیں۔ یہ لوح عقل اول ہے۔

(۲) لوح قدر: لوح نفسِ ناطقیہ کلیہ جس میں لوح اول کا اجمال تفصیل میں آیا اور مقدرات کو اسباب سے متعلق کر دیا گیا۔ اسی کو لوحِ محفوظ کہتے ہیں۔

۳) لوح نفس جزویہ سماویہ: اس میں وہ سب کچھ جو اس عالم میں ہے بہ شکل ہیئت و مقدار خود منقش ہے۔ ان نقوش کو اسمائے دنیا بھی کہتے ہیں۔

۴) لوح ھیولٰی: اس میں وہ تمام صورتیں، کیفیات اور واردات شامل ہیں جو عالم شہادت میں پائی جاتی ہیں۔

لوح اول مشابہ روح کے ہے۔ لوح ثانی مشابہ قلب کے ہے۔ لوح ثالث مشابہ عالم خیال کے ہے۔

لھو:

اعتبارِ ذات بحسب غیبت وفقدان
غائب زحق است لھو ازاں می گوید
گم کر دہ ھویت بہ ھوا می خوید

Whatever diverts the thoughts from anything serious such as women, children.

لی مع اللہ:

مرتبۂ اتحاد۔ یہ انسان کامل ہی کا مختص حصہ ہے۔

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ
نگنجد در مقام لی مع اللہ

حدیثِ نبویؐ ہے:

لی مع اللّٰہ وقتٌ لا یسعنی فیہ ملک مقربٌ ولا نبی مرسلٌ

یعنی مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت ہوتا ہے جس میں ملکِ مقرب اور نبی مرسل نہیں سماتے۔

م

ماجرا:

قصہ، داستان، احوال، بیان و شرح و رودِ عشق

ماھروی:

تجلیات صوری، حالتِ خواب یا بیخودی میں مادی صورتوں میں تجلیات۔ (Moon facedness)

مبدا:

منبع، آغاز، جہاں سے کوئی چیز نکلے، معاش، مرتبۂ وجودِ علمی، اسمائے کلی کونی۔ معاد کا متضاد۔

معاش:

مرتبۂ وجودِ عینی۔

معاد:

آخرت، آغاز کا متضاد۔ رجوع بہ مبداء تجلیات اسماءِ الٰہی۔

مبداء لغت میں جائے آغاز کو اور جائے ظہور کو اور معاد انجام اور جائے انجام کو کہتے ہیں۔ سالک کی ابتدا چونکہ اسماء کلی کونی کی راہ سے ہوتی ہے اس لیے انھیں مبداء کہتے ہیں اور اسمائے کلی الٰہی جن کی راہ سے اس کی رجوع و بازگشت ہوتی ہے معاد ہیں۔ دوسرا لحاظ یہ ہے کہ ہر چیز کسی نہ کسی اسم کی مظہر ہے۔ اس لیے جملہ اسماء مبدا اور جملہ اشیاء معاد رکھتے ہیں۔

حقیقت کے لحاظ سے ہر چیز کا مبدا حق تعالیٰ ہے۔ احدیت ذات سے ہر چیز نکلی اور مختلف مدارج طے کرتی ہوئی آگے بڑھی مثلاً سِرّ پیدا ہوا۔ سر سے نور، نور سے نار، نار سے باد، باد سے آب، آب سے خاک، خاک سے انسانِ کامل یا بالفاظ دیگر احدیت سے وحدت، وحدت سے واحدیت، واحدیت سے ارواح، ارواح سے مثال، مثال سے شہادت اور شہادت کا نچوڑ اور ملخص اور لب لباب انسانِ کامل کی نمودداریاں ظہور میں آئیں۔

مجاہدہ: کوشش، جدوجہد

نفس کو اس کی صفات مجرد کرنے اور اوصاف ذمیمہ کو اوصافِ حمیدہ میں تبدیل کرنے کی عملی کوشش۔ مقابلۂ نفس، مخالفتِ ہوا۔

مجلس:

آیات و اوقاتِ حضورِ حق۔

محادثہ:

خطاب حق تعالیٰ جو عالم الملک و الشہادت سے عارفوں کی جانب ہوتا ہے۔ جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کو درخت کی جانب سے ندا آئی تھی۔

محاضرہ:

قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھ کر حق تعالیٰ کے حضور کی کیفیت کا قلب میں پیدا ہونا۔

محافظت:

حفاظت، حصار میں لینا۔ مراقبۂ اوقات۔

محبوب:

مقصدِ محبوب ہے۔ وہی مقصد حیات اور غایت زندگی ہے۔ حکم محبوب پر عمل کرنا ہی اس کا اصل بھید ہے۔ مومن بندہ قال نہیں ہے بندہ عمل ہے۔ بندہ جب ہی خدا کا محبوب ہے اگر حکم الٰہی پر وہ عمل کرتا ہو۔ دل میں محض احساس ہو لیکن

جذبۂ عمل نہ ہو تو اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ لہٰذا دین فطرت کا تقاضا مخالفت شیطان ہے۔

محراب:

ہر مطلوب و مقصود جس کی جانب دل متوجہ ہو۔

محق:

فنائے ذات، وجودِ اشیا کو حقیقتاً وجود ذات جاننا (یہی وحدت الوجود ہے) اور تعینات عدمی وجودی کو توحید ذاتی میں ڈبو دینا۔

محو:

رفعِ اوصاف و عاداتِ بشری (دور کرنا عاداتِ بشری کو)۔

(از رسالہ قشیریہ) المحو رفع اوصاف العادة.
والا ثباتِ اقامته احکام العباده فمن نفی عن الاحواله الخصال الذمیمته و اُتِیَ بدلها بالافعال والاحوال، افعال الحمیده وهو صاحب محو و اثبات

ترجمہ: محو نام ہے صفات عادہ (جو عادت بن جائے) کے ختم ہو جانے کا اور اثبات نام ہے احکام عبادت کے قائم ہو جانے کا۔ جس نے اپنے ماحول سے صفات بد کو دور کر دیا اور افعال حمیدہ پر قائم ہو گیا وہ صاحب محووالا ثبات ہے۔

مجدد وقت (ہر صدی کے):

ان اللّٰه یبعثُ فِی هذهِ الاُمة علی راس کلُّ ماة سنة من یجَدّدُ لها امر دینهم

TRANS: "God will in the eve of every century raise a person in this nation of (Islam) who would renew the religion." (Abu Dawood 202-275 AH).

۱) عمر بن عبد العزیز (Umar bin Abdulaziz)(م ۱۰۱ھ)، پہلی صدی ہجری
۲) امام شافعی (Imam Shafiey)م ۲۰۱ھ، دوسری صدی ہجری
۳) ابن سُریج (Ibn-e-Suraij)م ۳۰۶ھ، تیسری صدی ہجری
۴) امام باقلانی (Muhammad b. Tayyab, Imam Baqlani)، م ۴۰۳ھ
۵) امام غزالی (Imam Ghazali)، م ۵۰۵ھ
۶) فخر الدین رازی، م ۶۰۶ھ
۷) ابن دقیق، م ۷۰۲ھ
۸) علامہ جلال الدین سیوطی، م ۹۱۱ھ
۹) مجدد الف ثانی وفات ۱۰۳۴ھ

محوالجمع:

فنائے کثرت در وحدت۔ اسے محوالحقیقی کہتے ہیں۔

محو ذات:

عاشق کا انوارِ ذات میں محو ہو جانا۔ محو ذات وہ شخص ہے جس سے خلق مجوب[1] ہو گئی ہو۔

[1] مخفی، شرمندہ

محوالعبودیت:

محو عین العبدُ وجود کی اعیان (صور) سے نسبت کا ساقط ہو جانا۔

مخدع:

قطب کے مستور رہنے کی جگہ۔ (مخدع بہت دھوکہ دینے والا)

مخلص:

جس کی عبادت خالص اللہ کے لیے ہو۔

مخلَص (Pure):

جس کو خداوندِ عالم نے شرک و معاصی سے پاک و صاف فرما دیا ہو۔

مخموری:

مستیٔ بے خودی مطلق اور فنائے سکر سے ایک ایسے تنزل[1] میں آجانا جس میں پوری بے خودی نہ ہو۔ بوجہ پوری بے خودی نہ ہونے کے افشائے سرِّ حقیقت ممنوع ہے۔

[1] کم درجہ میں، زوال میں

مدرسۃ:

محل تعلیم علومِ شرعیہ۔

مدھوشی:

ظاہری و باطنی استہلاک۔

مراتب وجود:

(دیکھیں ایک جداگانہ مضمون) تعینات عدمی[2] یہ اصطلاح ہی توہین آمیز ہے۔ اگر وحدت الوجود کا نقصان مراد ہے تو ٹھیک ہے۔

[2] Lack of essential qualities

مراقبۂ قلبی احدیت میں سالک کو حق تعالیٰ سے حضور اور اس کے ماسویٰ سے غفلت حتیٰ کہ کم از کم چار گھڑی کے بعد اور بھی حضور حاصل ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ مراقبۂ احدیت کے بعد مراقبۂ مشارب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مشارب جمع ہے مشرب کی (راہ، گھاٹ)۔ ان مراقبات کے ذریعہ سالک مقام فنا تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے ان کو مشاربات کہتے ہیں۔ مراقبات مشارب (دیکھیں لطیفہ قلب)۔ روح، سِرّ، خفی و اخفا کے بعد مراقبہ معیت وغیرہ پھر ولایت کبریٰ میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر سبق ہفدہم دائرہ اولیٰ، دائرۂ ثانیہ، دائرۂ ثالثہ وغیرہ۔ پھر سبق بستم (بیسواں)، قوس وغیرہ کے بعد مراقبۂ اسم ظاہر، مراقبۂ اسم باطن، مراقبہ کمالات نبوت، مراقبۂ رسالت۔ پھر پچیسواں سبق کمالات اولوالعزم میں حقیقتِ کعبہ ربانی، حقیقت قران مجید، حقیقت صلوٰۃ، معبودیت صرفہ، حقیقت ابراہیمی، حقیقت موسوی، حقیقت عیسوی، حقیقت محمدی، حقیقت احمد، مراقبہ حب، حب صرف، مراقبہ لاتعین وغیرہ وغیرہ ہیں۔ نظیری نیشاپوری کے بقول:

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مراد: تمنا، آرزو، خواہش

محبوب جس کو جذب الٰہی نے اپنی طرف کھینچا ہو اور شدائد و مشقت میں وہ مبتلا نہ کیا گیا ہو۔

جو لوگ اجابت[3] کی راہ سے آتے ہیں مراد کہلاتے ہیں۔ [3] قبولیت دعا

مراقبہ:

دل کی ماسویٰ سے نگہبانی۔ دل میں مقصود کے تصور کی (محافظت کرنا)۔ عادت ڈالنا۔ فیضان علم قدسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

مرشد:

پیر، رہنمائے کامل، راستہ دکھانے والا، راہ رشد عطا کرنے والا۔ صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرنے والا۔

مرید:

مرشد کا پیروکار، بیعت کرنے والا، طالب ہدایت، جس کا ارادہ حق تعالیٰ کے ارادہ میں محو ہو گیا ہو۔ جس کے لیے اسماءِ الٰہی کا دروازہ کھولا گیا ہو اور اس دروازے سے وہ متوصل الی اللہ ہو گیا ہو۔ جو ماسویٰ سے منقطع ہو کر حق سے ملحق ہو گیا ہو۔ صاحب انابت مرید جو انابت کی راہ سے آئے مرید ہے۔ (انابت، توبہ، خدا کی طرف رجوع ہونا)

مزاج:

عناصر[1] کیفیات میں مختلف و متخالف ہیں۔ جب یہ

آپس میں مختلط ہوتے ہیں تو اس اختلاط باہمی کی وجہ سے ان میں ایک کا فعل دوسرے کے فعل کو زائل کر دیتا ہے اور ایک تیسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے مزاج کہتے ہیں۔ جمادات و معدنیات وہ مرکبات ہیں جو مزاج نہیں رکھتے۔ نباتات مزاج رکھتے ہیں۔ اس مزاج کو نفس بھی کہتے ہیں۔ حیوانات میں یہ نفس بھی ہوتا ہے اور حس بھی اور حرکت ارادی بھی۔ ان تینوں کی تراکیب کے نتیجہ کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ (یعنی نباتات، جمادات، حیوانات)

[1] Elements are four, Modern Science points others.

مژہ: (eyelid or eye lash)

حجاب سالک از رویت، اعمال میں تقصیر۔ مژہ، سنان، تیر، پیکاں، معشوق کا ہر غمزہ عشاق کے سینوں کو زخمی کرتا ہے اور اسی جراحت سے عشاق لذت پاتے ہیں۔ اور ہر دم ھل من مزید کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہیں۔

مژگاں: (eye lashes)

بصیرتِ ازلی۔

مسافرت: (Travelling)

خلق ہمیشہ مسافرت میں ہے۔ کسی ایک حال پر اسے قرار نہیں۔ موجودات اول یعنی عقل اول سے آخرِ تنزلات تک یعنی مرتبہ انسانی تک اور مرتبہ انسانی سے مرتبہ الٰہی تک، ایک خط مستدیر (Circular, globular) ہے، جو موہوم (Imaginary circular line) ہے، جس پر خلق مسافرت میں رہتی ہے۔ بطون کی جانب آتی ہے اور جاتی ہے۔ اس آنے جانے کو تجدد تعینات بھی کہتے ہیں۔

مسامرت: (Evening conversation)

عالموں کو عالمِ اسرار و غیوب کے متعلق جو خطابات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خطابات روح الامین ان کے دلوں میں پہنچاتے ہیں۔ کبھی مناجات کو بھی مسامرت کہتے ہیں۔

فیض روح القدس از بار مدد فرماید
دیگراں ھم بکنندہ آنچہ مسیحا می کرد

مستریح: (easy, comfortable (life))

وہ بندہ ہے جسے قضا و قدر کا علم عطا کیا گیا ہو اور وہ جان گیا ہو کہ کون سا کام کب ہوگا یا نہیں ہوگا اور اس خیال سے کہ وقت مقررہ سے پہلے کسی شے کا ظہور ناممکن ہے، اس شے کا انتظار لاحاصل ہے اسے اطمینان قلبی مل جاتا ہے۔

مستی: Love, crave (of mystics)

حیرت جو سالک صاحب شہود کو جمال دوست میں پیدا ہو۔

مسجد:

مرتبۂ محمدیؐ یکسانیت[1] (Identity) مظہر فیض نفس رحمانی، مظہر تجلی جمال (آستانۂ پیرو مرشد)۔

[1] شخصیت

مسخرہ:

(Who leads masked life, or buffoon)

جو لوگوں میں بیٹھ کر اپنے کشف و کرامات بتلاتا ہو اور اپنی درویشی اور معرفت کی بابت شیخی مارتا ہو۔

مشارق و مغارب: (Eastern places & West)

مشرق سے ایک چیز طلوع ہوتی ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتی ہے۔ عالم الوہیت[1] کو عالم ربوبیت[2] سے اور عالم ربوبیت کو عالم برزخ و مثال سے اور عالم برزخ[3] و مثال[4] کو عالم شہادت[5] سے نسبت شرقی حاصل ہے۔ چونکہ ہر عالم کا فیض عالم ماتحت کو پہنچتا ہے اس لیے ہر عالم اپنے ماتحت کے لیے مشرق اور مافوق کے لیے مغرب

ہے۔ اسمائے الٰہی میں سے ہر تعین کے لیے ایک اسم غروب ہوتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا اسم طلوع ہوتا ہے۔ اس لیے قلب انسانی کے مقابل ہزاروں مشارق و مغارب پیش آتے رہتے ہیں۔

۱ شانِ الٰہی ۲ پروردگاری ۳ جہاں موت سے قیامت تک رہیں ۴ خیالات کا عالم ۵ دُنیا

مشاہدہ:

اسما و صفات کی جہت سے خلق کا مشاہدہ، تجلیات کا پیہم ہونا[1]

۱ نور الٰہی کا نظارہ

مشھد: (شہادت گاہ، قبر شہید)

محل شہود، وہ تجلی جو انوار الغیوب سے قلب پر وارد ہو اور کسی انکشاف کا باعث بنے۔

مطلع:

غزل کا پہلا شعر، طلوع ہونے کی جگہ (انسان چہرہ)۔

وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر کوئی جماعت (آیات قرآنی پر) عمل کرتی ہے۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے ظاہری اور باطنی حصے نہ ہوتیہوں۔ ہر حرف کی ایک حد اور ہر حد کا ایک مطلع ہوتا ہے۔ امام حسن بصری نے یہ توجیہہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے قول سے حاصل کی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کوئی حرف یا آیت ایسی نہیں جس پر قوم نے عمل نہ کیا ہو یا آگے چل کر دوسری جماعت اس پر عمل نہ کرے۔ لہٰذا مطلع ایک ایسا مینارہ ہے جس پر لوگ اپنے علم کی معرفت سے چڑھتے ہیں اور وہ دراصل فہم و ادراک ہے جس کے ذریعہ خدا ہر اس انسان کا دل کھولتا ہے جسے اپنا نور عطا کرنا چاہے۔

امام جعفر صادق کا قول ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اپنی تجلیات کو ظاہر کرتا ہے مگر لوگ انھیں نہیں دیکھتے لہٰذا اس قول کے مطابق ہر آیت مطلع انوار تجلیات الٰہی ہے۔ حد سے مراد حد کلام ہے اور مطلع سے مراد حد کلام سے ترقی کر کے شہودِ الٰہی تک پہنچنا ہے (عوارف المعارف، ص ۶۴۔۶۶)

معبودیت صرفہ:

یہ مرتبہ کُل کی اصل ہے (صوفیانہ اصطلاح میں کل اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں) اور سب کی جائے پناہ، اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ بیچون و بے چگوں ہو (لاثانی، بے نظیر، خدا کو بھی کہہ دیتے ہیں) اکابر انبیاء اولیا کرام کی انتہا مقام حقیقت صلوۃ تک ہے۔ جو عابدوں کی عبادت کا انتہائی مرتبہ یہ (نوٹ: صرف کے معنی زائد، نفل، نوافل بھی کہہ سکتے ہیں)۔

معبودیت صرف میں کسی شخص کو کسی طرح کی شرکت نہیں ہے کہ قدم بڑھا سکے کیونکہ جب تک عبادت اور عابدیت کے تعلق کی گنجائش ہے نظر کی طرح قدم کی بھی گنجائش ہے۔ مگر جب معاملہ معبودیت صرفہ سے پڑتا ہے قدم بھی کوتاہی کرتا ہے اور سالک کی سیر ختم ہو جاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہاں سے منع نہیں فرمایا اور بقدر استعداد گنجائش بخشی ہے۔

بلاء بودے اگر ایں ہم نہ بودے

مُلک وملکوت

ملک:

عالم شہادت (the world) عالمِ محسوسات، عالم اجسام۔

ملکوت:

وہ عالم جو مختص ہے ملائکہ اور ارواح اور نفوس کے لیے (The empyrean)

ملکہ: (Habits, Quality)

اعمال کا پختہ ہونا۔ تفکر کر کے آدمی ایک کام اختیار کرتا ہے۔ پہلے بتکلف انجام دیتا ہے، پھر آہستہ آہستہ وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ جب اس کام سے اسے الفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس کا ملکۂ نفس بن جاتا ہے۔ یہ کیفیاتِ نفسانی عالم صورت میں مخفی ہوتی ہیں۔ عالم معنی (یعنی آخرت، عالم روحانی) میں جملہ ملکات روشن ہو جاتے ہیں کیونکہ جسم مثالی[1] ہر قسم کی کثافتوں سے مبرا ہوتا ہے۔

[1] alike

موانعات: (Obstacles)

سلوک میں موانعات وہ ہیں جو وصول الی اللہ میں سدراہ ہوں۔ وہ مجمل طور پر چار ہیں:

(۱) احداث (impurities) و انجاس (خلاف شرع باتیں)

(۲) معصیت، شرک و وسواس

(۳) اخلاقِ ذمیمہ

(۴) قلب کی ماسوئی سے آلودگی

موت و حیات:

موت:

تفرقۂ ھیأتِ اجتماعی (discord in colective form) خفا (concealed)۔ کمون (Lie in ambush, to attack) گھات میں بیٹھنا۔

موتِ اقتضائی: (One's demend)

وہ موت جو حسبِ اقتضائے ذاتی واقع ہو، جیسے کہ تجددِ امثال[1] و کمون و بروز میں واقع ہوتی ہے۔

تجدد امثال۔ (تصوف) انسان پر ہر آن فنا و بقا کی کیفیات طاری ہوتے رہنا اور اصل حقیقت وجود باقی رہنا۔

موتِ اختیاری: (Optional death)

ہوائے نفس کا قلع قمع۔ لذت جسمانی سے اعراض، توبہ ُموتوا قبل ان تموتو ا یعنی مرنے سے قبل مر جانے سے اسی موت کی طرف اشارہ ہے۔ اس مرگِ اختیاری کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

(۱) موتِ ابیض: سفید موت۔ یعنی بھوک، پیاس اور نیند پر قابو پا لینا۔ چونکہ اس سے اشراقیت بڑھتی ہے (روشن ضمیری مراد ہے)۔ حکما کا وہ گروہ جو اپنی روشن ضمیری کی بنا پر دور ہی سے تعلیم دیتے ہیں۔ (اشراقیت: اہلِ باطن (بعض علماء کا دور ہی دور سے تعلیم دینا)

(۲) موتِ احمر: سرخ موت۔ یعنی خواہشات پر غلبہ پا لینا۔ لذائذ و خواہشات کی قربانی اور ان کا خون کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قربانی سرخ روئی کا باعث ہوتی اس لیے اسے سرخ موت کہا گیا ہے۔

(۳) موتِ اخضر: سبز موت۔ یعنی آئندہ کے متعلق امنگوں کو خیر باد کہہ دینا۔ اس سے ترقی و سرسبزی شروع ہو جاتی ہے اس لیے اسے سبز موت کہا گیا ہے۔

(۴) موتِ اسود: سیاہ موت۔ یعنی دارین سے منہ پھیر لینا۔

الفقر سواد الوجه فی الدارین:

چونکہ دونوں جہان سے آنکھ بند کر لی جاتی ہے اسے سیاہ موت کہتے ہیں۔ یہ موت تصفیہ (purity) سے متعلق ہے۔

حیات: (اضطراری یا اختیاری)

زیست، زندگانی، آگاہی، شعور، ظہور، بروز، موت کے مقابلہ میں حیات بھی اقتضائی، اضطراری و اختیاری ہوتی ہے:

حیاتِ اقتضائی: حسب اقتضائے ذاتی واقع ہوتی ہے، جیسے تجدد امثال[1] اور کمون و بروز۔

حیاتِ اضطراری: حیاتِ ابدی ہے جو عالم برزخ اور عالم ملکوت میں حسب استعداد اور حسب حال عطا فرمائی جاتی ہے۔ اسے حیات بعد الممات بھی کہتے ہیں۔

حیاتِ اختیاری: حیاتِ قلبی ابدی بواسطہ تزکیہ و تصفیہ و تجلیہ۔

حیات و ممات کی دو قسمیں اور بھی بیان کی جاتی ہیں' جنھیں حسی و معنوی کہتے ہیں۔

حیاتِ حسی: وہ حیوانی زندگی ہے جو جملہ حیوانات میں مشترک ہے۔

حیاتِ معنوی و حقیقی: وہ روحانی زندگی ہے جو خواص کے ساتھ مختص ہے۔ یہ زندگی مندرجہ ذیل طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) جہل و نادانی کی موت سے نکل کر علم و دانش کی زندگی میں آ جانا۔

(۲) تفرقہ کی موت سے نکل کر حقیقت کی جانب ہمت صرف کرنا۔

(۳) فقدان و نایافت کی مردنی سے نکل کر وجود و یافت کی حیات سے زندہ ہونا اور اپنی ذات سے فنا ہو کر بقائے حق سے باقی ہونا۔ مندرجہ بالا تفاصیل سے مماتِ حسی اور مماتِ معنوی کا فرق بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

مِوالدات یا موالید ثلاثہ:

(Three kingdoms of nature)

معدنیات' نباتات و حیوانات۔

موثرات زندگی (Forces of Life):

اس سے مراد: علم' اخلاق' مذہب' سیاست' معاشرت' معیشت اور بین الاقوامی زندگی ہیں۔ حکماءِ اسلام کے نزدیک وجوب کی تین قسمیں ہیں: واجب الوجود' ممکن الوجود اور ممتنع الوجود۔

۱) واجب وہ ہے جس کا عدم متصور نہ ہو سکے۔

۲) ممتنع وہ ہے جس کا وجود متصور نہ ہو سکے۔

۳) ممکن وہ ہے جس کا نہ تو عدم ناقابل تصور ہو نہ وجود ناقابل تصور ہو۔ وجوب و وجود' واجب کی صفت ہیں۔

موجود (Existent):

صفاتِ سبعہ کو موجود جاننا۔ (زندگی' علم' ارادہ' طاقت' نطق' سمع و بصر)

مہر:

باوجود اس حقیقت سے واقف ہونے کے کہ ہم اصل سے پیوستہ ہیں' اصل کی جانب میلان کرنا اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بے غرض اور بلا کسی مراد کے محبت اور دوستی کرنا۔

مہربانی:

صفتِ ربوبیت۔

مئے بے رنگ:

شرابِ وجہ باقی جس میں نہ رنگِ افعال ہے نہ بوئے صفات' غالب فرماتے ہیں:

مستم اما نہ ازاں بادہ کہ سازند فرنگ
مستم اما نہ ازاں بادہ کہ سازند مغان
للہ الحمد کہ در ساغر من ریختہ اند
مئے بے رنگ زِ میخانۂ بے نام و نشان

میخانہ:

شراب خانہ' بتکدہ' عالم لاہوت' عالم جبروت' باطن عارف کامل' خانقاہِ پیر۔

در میکدۂ وحدت[۱] ہشیار نمی گنجد
در عالم بیرنگی جز یار نمی گنجد

[۱] مقام شہود (نظارۂ خدا)

میدان:

مقام شہود (نظارۂ خدا)

میزان: انصاف کی ترازو

عدالت' اہل ظواہر کے نزدیک وہ ترازو جو قیامت کے دن لوگوں کے اعمال تولنے کے لیے قائم ہوگی۔ اہل باطن کے نزدیک عقل جو انوارِ قدسی سے منور ہو چکی ہو۔

میل:

اپنی اصل کی جانب شعور آگاہی کے ساتھ رجوع ہونا نہ کہ مثل نباتات و جمادات کے ہو جانا' جن میں اپنی اصل کی جانب رجوع طبعی تو ہے مگر بلا اختیار و شعور۔

ن

ن:

جملہ صورِ کونیہ میں حق تعالیٰ کی تجلی' اسم طاہر کے تحت یہ ایک اسم الٰہی ہے اور مرتبہ مظاہر[1] علم' علم اجمالی' بحرِ امکان جو اسمائے کونی کا منشا ہے اور جملہ اسمائے کونی[2] پر محیط ہے۔ ن مثل بحر کے ہے اور حقائق کونی مثل ان مچھلیوں کے ہیں جنھوں نے اس بحر سے صورت پکڑی۔

[1] تزکیہ' تطہیر یا پاکیزگی علم

[2] دنیا' موجودات (تمام اشیاء)

ناز:

صفتِ الٰہی جو کافہ[1] موجودات کے لیے ضروری ہے۔ معشوق کا عاشق کو قوت و ارادہ کا عطا فرمانا بطریق موافقت' ناقص چیز لے کر کامل چیز عطا فرمانا۔ ناز صفتِ معشوقیت ہے' نیاز صفتِ عاشقیت ہے۔

[1] تمام انسانوں کا گروہ۔ نسلِ انسانی (Humanity)

ناسوت:

بشریت' عالم بشریت' طبیعتِ انسانی' ناس میں واو اور تا کی زیادتی ہوئی ہے جیسے مَلک سے ملکوت۔

ناقوس:(Church bell)

آلۂ صوت' جس میں پھونکا جاتا ہے۔

مقام تفرقہ۔ صوتِ سرمدی' صلصلۃ الجرس' انتباہ جو توبہ و انابت و زہد و عبادت کی جانب بڑھنے کی رغبت دلاتا ہے۔ وہ جذبۂ حق جو حق تعالیٰ کی جانب سے آتا ہے اور خوابِ غفلت سے چونکا دیتا ہے۔

نالہ:

مناجات عاشق' شکوہ' گلہ' رونے کی آواز

نالہ زار:

طلبِ محبت۔

نامرادی:

وہ مقام جہاں سالک میں نہ کوئی خواہش باقی رہتی ہے نہ کوئی ارادہ۔

گر مرادِ خویش خواہی نامرادی پیشہ گیر
ما مرادِ خویش را در نامرادی یافتیم

اس مقام پر ارادۂ عاشق عین ارادۂ معشوق بن جاتا ہے اور رضائے عاشق تابع رضائے معشوق ہو جاتی ہے۔ شاہ تراب علی صاحب کاکورویؒ فرماتے ہیں:

عاشقی کانِ نامرادی ہے
عشق دکانِ نامرادی ہے

اور سے حکم ہے کہ مانگ مراد
ہم سے فرمانِ نامرادی ہے
نامرادی کی بھی طلب نہ رہی
یہی پایانِ نامرادی ہے

سرمدؒ فرماتے ہیں:

سرمد غم عشق را بہ شادی[1] نہ دہی
در وے اگرت رسد منادی نہ دہی
صد بار اگر شود مرادت حاصل
زنہار زِ دست نامرادی نہ دہی

۱ خوشی

حقیقتاً یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں بشریت مرتفع ہو جاتی ہے اور سالک اپنے کو عین حق جاننے لگتا ہے اور ھویت حقہ میں اس درجہ گم ہو جاتا ہے کہ اپنی یافت کے علم کو فراموش کر دیتا ہے۔

گم شدن در گم شدن دین منست
نیستی در ہست آئینِ منست

ناموس:

حُبّ جاہ، طلبِ جاہ و شہرت، خودنمائی، خودستائی، نیک نامی و نام آوری کی خواہش، خلق سے عزت و احترام کی تمنا۔ کبھی ناموس سے مخفیت (کنزِ مخفی قبل تخلیق عالم) کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے۔

نائے:

پیغامِ محبوب، یا نائی: نے سے، نے کی۔

نایافت:

(Not to be found, non existent)

لاحاصل، نہ پا سکنا۔
جمع حضور۔ نسبتِ خالقیت کا پرتو مخلوق پر۔

نُبل:

(Verbal: Excellence, genious, knowledge)

دوستی حق باوجود وجدِ تمام۔

نبوت:

خبر دینے والا۔ آئندہ کی غیب کی اور خدا کی رسالت، ولایت، نبوت کے معنی پیشین گوئی کرنا ہے۔ اسی سے لفظ نبی ماخوذ ہے۔ ولایت اور نبوت کا اصل امتیاز و تمیز یہ ہے کہ نبوت خالص وہبی چیز ہے جس میں انسان کی کوشش یا جدوجہد کا کوئی دخل نہیں۔ نبی کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اللہ سے پیغامات اور وحی ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔

نبوت: (حقیقت)

مرتبۂ نبوت وہ مرتبہ ہے جس میں نبی اور خدا کے درمیان سوائے حجاب حدوث[1] کوئی حجاب نہیں۔

۱) صانع کا علم انسان کا سب سے بڑا کمال ہے۔
اس کے بعد
۲) اُس کی احدیت کی معرفت۔
۳) پھر حضوری[2] ہے اس کے فکر میں
۴) پھر اس کے جلال کا شہود[3]
۵) پھر اس کی وحی

اس موخر الذکر حالت کا نام نبوت ہے۔ جب تک عالم حس سے التفات و اشتغال میں کمی نہ واقع ہو کمالات علوی اور علوم الٰہیہ سے نفس کو کوئی حصہ نہیں ملتا۔ جب یہ تاریکی دور ہو کر حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ نفس عالم بالا سے قریب ہو جاتا ہے اور وہاں کے علوم و معاملات سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ نبی کا قلب عالم بالا کے علوم و معانی سے بطور معائنہ کے آگاہ ہوتا ہے اور یہ تمام کمالات انسانیہ و ربانیہ اُسے بغیر کسب و اجتہاد کے حاصل ہوتے ہیں۔ اسرار مکنونہ[4] میں سے نبوت ایک ودیعت[5] ہے جس قلب میں چاہتا ہے رکھ دیتا ہے۔ اس لحاظ سے نبوت نبی کے لیے ذاتی ہوتی ہے۔

۱ Coming from non being to being.

۲ Presence.

۳ Sight of God.

۴ Hidden

۵ Trust, deposit

نبوت حواس کے ادراک سے بالاتر ہے۔ حقیقت نبوت یہ ہے کہ عقل کلی یعنی وہ عقل جو جوہر مبدع ہے' ایک غیر جسدی اور غیر محسوس جوہر ہے' جو علم کمالاتِ الٰہی کا آئینہ ہے۔ یہ جوہر روح میں ایسے پیوست ہو جاتا ہے جیسے روح جسم میں اور اس کے روح و جسم پر ایسے تصرف کرتا ہے کہ اس کے علم و حکمت کے خزائن کا اس پر فیضان ہوتا رہتا ہے۔ یہی فیضانِ وحی کی حقیقت ہے تو گویا نبوت علم و حکمت کا کمال ہے جو نبی کو وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے یہی نورِ نبوت اللہ تعالیٰ کی وہ امانت ہے جس کے زمین و آسمان متحمل نہ ہو سکے' مگر انسان کامل اس کا متحمل ہو گیا۔

جس قدر تمدنی' معاشرتی اور سیاسی پیچیدگیاں قیامت تک پیدا ہوں گی۔ جس قدر حجاباتِ ظلمت و غفلت خالق و مخلوق کے درمیان حائل ہوں گے ان کے خاتمہ کے لیے شریعتِ محمدی ہی کافی ہوگی۔

واقف:

وہ سالک ہے جو کسی مقام پر رُک جائے۔ دیر تک رُکا رہنے کے بعد پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ اس وقت اُسے راجع کہیں گے۔

ولایت:

کمالِ انسانی کا انحصار آپ ہی کے اتباع پر رہے گا یا ان مقدس ہستیوں کے اتباع پر جنھوں نے آپ کی پیروی کی۔ اس اتباع کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اور باطنی۔ متابعت ظاہری مرتبۂ نبوت سے متعلق ہے اور مطابعتِ باطنی مرتبہ ولایت ہے۔ مرتبہ ظاہری یا نبوت سے وہ احکام مراد ہیں جو نبی کریمؐ عالم قدس سے بواسطہ جبرائیل براہ راست حق تعالیٰ سبحانہ سے اخذ کرتے ہیں۔ ولایت وہ فیضانِ اسرارِ توحید ہے جو حضور سرورِ کائناتؐ کو مقام لی مع اللہ میں ملا بغیر وساطت جبرائیل کے براہ راست حق سبحانہ سے' ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے لیکن ہر ولی نبی نہیں ہوتا۔ لیکن ہر نبی نور نبوت اور کمالات نبوت کو اپنی ہی ولایت کے آفتاب سے اخذ کرتا ہے اور کسی غیر کا محتاج اور تابع نہیں ہوتا۔ نبی مثل آفتاب کے ہے' جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی روشنی بخشتا ہے۔ ولی مثل ماہتاب کے ہے جو آفتابِ نبوت سے نور حاصل کرتا ہے اور متابعت آفتاب اس پر لازم ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ ولایت کمال کو نہیں پہنچتی' قوت نبوت ظاہر نہیں ہوتی۔ آدمؑ جنت میں ولی تھے۔ جب دنیا میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی کیونکہ نبوت تشریح و تکلیف کا نام ہے۔ دنیا تکلیف کا گھر ہے۔ برخلاف جنت کے کہ وہ کرامت و مشاہدہ کا نام ہے۔

یھدی اللّٰہ بنورہ من یشاء کے انوار سے بہت تھوڑے لوگ فیض یاب ہوتے ہیں اور مرتبۂ ولایت حاصل کرتے ہیں لیکن لوگوں کی کثیر تعداد متابعت ظاہری سے بہرہ اندوز ہوتی ہے۔ اول الذکر کو ارباب باطن اور موخر الذکر کو ارباب ظاہر کہتے ہیں۔ نبوت کا تعلق اربابِ ظاہر سے ہے لیکن نبوت کا باطن ولایت ہے۔ ظاہر کو باطن سے مدد ملتی ہے۔ باطن ہی سے ظاہر کی پرورش اور فیضان کا دیا جلتا ہے۔ باطنی پہلو یہ ہے کہ اللہ سے تعلق قوی ہو اور اس میں استغراق و فنائیت حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اسی قوی تعلق کا نام ولایت ہے۔

ولایت کی اقسام:

دو ہیں۔ ایک عام دوسری خاص۔ ولایت عامہ تمام ایمان و اسلام اور عمل والوں کے لیے ہے۔ اللّٰہ ولی الذین آمنوا ولایت خاصہ واصلین حق کے لیے ہے۔ وَ لِکلٍّ وجھة ھو مولیھا ہر شخص کو ایک جہت خاص حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ حق تعالیٰ کی حضور تام حاصل کر کے اس جہت کو تقویت پہنچاتا ہے تو وہ جہت خاص اس کی شخصیت پر غالب آ جاتی ہے اور بشریت کو مقہور کر دیتی ہے۔ اسی کو فنائیت کہتے

ہیں جو ولایت کا لازمہ ہے۔ یہ فنا مقدمہ ہے اور سبب بن جاتا ہے بقا باللہ کا۔ دراصل فنا فی اللہ میں پہنچنا ولایت خاصہ کا ادنیٰ مقام ہے۔ ورنہ اس مقام کے اعلیٰ مراتب بقا باللہ اور ظہور من اللہ ہیں۔ جسے مرتبۂ فناء الفنا کی ایک بار بھی تجلی ہو گئی وہ ولایت خاصہ کے لیے نواز لیا گیا۔ مگر اعلیٰ مراتب ولایت خاصہ کے یہ ہیں کہ اللہ اپنے بندہ پر اپنے اسما وصفات بطور علم الیقین اور (مقام) حال کے ظاہر فرما کر اسے ان کے ذریعے تاثیرات و تصرفات کی قوت عطا فرما دے اور اپنے اسما وصفات کا اس بندہ کو متولی کر دے۔ یہ مرتبہ حقائق الٰہیہ کے ثابت ہوئے بغیر نہیں حاصل ہوتا۔ اس کے لیے صحیح اتباع رسول اور صالحین کے آداب کی پیروی ضروری ہے۔

ولایتِ خاصہ میں بھی دو انواع ہیں: وَلایت اور وِلایت۔

۱) وَلایت (بفتح واو): جس میں بندہ کو وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں جن سے طلب الٰہی کی استعداد رکھنے والوں پر اثرات ڈالے جاتے ہیں اور سالکان راہ طریقت کو مقام قب تک پہنچایا جاتا ہے، بعض کو ان میں ایک قسم کی ولایت عطا ہوتی ہے اور بعض کو دونوں قسم کی۔ ان میں سے بعض میں غلبہ ایک کا دوسرے پر ہوتا ہے اور بعض میں دونوں قوتیں مساوی رہتی ہیں۔ بقول صاحب اقتباس الانوار کے متباع چشتیہ وقادریہ کو دونوں اقسام کی ولایتوں سے حصہ وافر ملا ہے۔ گو ان میں سے بعض پر بعض کا غلبہ رہا ہے۔ مشائخ سہروردیہ اور شطاریہ کو بھی اسی ضمن میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ پر ہمیشہ وَلایت کا غلبہ وِلایت پر ہوتا ہے اور ان حضرات میں سے جب کوئی مقتدیٰ اس عالم سے رحلت فرماتا ہے تو وہ وِلایت (بالکسر) کو اپنے کسی مخلص کے حوالہ کر جاتا ہے اور وَلایت کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ کمالاتِ ولایت کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ نزول کی تو ایک حد ہے جو جسم پر آ کر رک جاتی ہے مگر عروج کی کوئی حد نہیں۔ گو اولیاء کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ لیکن تقسیم اس طرح پر ہے:

ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ عُلیا۔

(۱) ولایتِ صغریٰ کا مقام لطیفۂ قلب ہے۔

(۲) ولایتِ کبریٰ کا مقام لطیفۂ قالبیہ ہے۔

(۳) ولایتِ علیا، دوامِ تجلّیِ ذات بلا پردۂ اسما و صفات میں حاصل ہوتی ہے۔ اسے ولایتِ ملاءِ اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

ایک تقسیم اولیاء اللہ کی مستورین اور ظاہرین میں کی گئی ہے۔

اولیاء مستورین:

قطب مدار۔ اقطاب اثنا عشر، چہل ابدال، چہار اوتاد، چہل نجبا، تین صد نقبا، ابدال اقالیم سبعہ۔ یہ لوگ طے ارض کرتے ہیں، پانی پر چلتے ہیں، ہوا میں اڑتے ہیں، لوگوں کی نظروں سے جب چاہتے ہیں پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ بلند آواز سے قرآن واشعار پڑھتے ہیں مگر عوام ان کی آواز نہیں سنتے۔ وجد و رقص کرتے ہیں، آگ میں جاتے ہیں مگر جلتے نہیں۔ پتھر کو سونا بنا دیتے ہیں۔ کشف و مغیبات انھیں ہمیشہ یا اکثر ہوتا رہتا ہے۔ الیاس و خضر انھی میں سے ہیں۔

[پتھروں کو سونا، نبی پاکؐ نے نہیں بنایا یہ کیونکر بناتے ہیں یہ ولایت کا منصب بھی نہیں۔ یہ محض تعلّی اور گپ شپ ہے جو تصوف میں بدعقیدگی یا جوش عقیدگی کا باعث ہے۔ (وحید عشرت)]

اولیاء ظاہرین:

قطب الارشاد مطلق اور ناجیۂ اولیاء ابرار، عارفین، عاشقین، موحدین، محققین، اویسیہ، ملامتیہ، طالبین، مریدین، سالکین، سائرین، طاہرین، واصلین۔

ان میں سے بعض اپنی اور بعض دوسروں کی تکمیل

میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے خوارق مستورین کے خوارق سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ مستورین کے بعض خوارق کو خوارق ہی قرار نہیں دیتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قوائے سماویہ کو قوائے ارضی پر غلبہ ہونے کی وجہ سے خلافِ عادت واقعات ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اور یہ کرامت فی اللہ کا نتیجہ نہیں۔ اولیاء مستورین کو بیشتر کشفِ کونی یعنی کشف صوری ہو جاتا ہے۔ اولیاء ظاہرین کو کشفِ حقائق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کشف و کرامات عالم جبروت کی چیزیں ہیں اور عالم جبروت ایک درمیانی منزل ہے۔ انتہائی منزل تسلیم و رضا ہے' یہاں کشف و کرامات سے مطلق سروکار نہیں رہتا' کیونکہ سالکِ منتہی فنائے احدیت میں غرق ہوتا ہے۔ اسے اپنا ہی ہوش نہیں رہتا تصرفات کرے بھی کون اور کس پر۔ جہاں نہایت یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیار ہی سے گزر جائے۔

تصرفات:

وقیع تصرفات وہ ہیں جو قلوب طالبین میں سرزد ہوتے ہیں۔

مقاماتِ عشرہ:

ولایت بلاحصول مقاماتِ عشرہ نہیں ہوتی۔

توبہ' انابت' زہد' قناعت' ورع' صبر' شکر' توکل' تسلیم' رضا۔

زیرِ قدم نبی:

حضورؐ میں تین مراتب مجتمع ہیں: ولایت' نبوت اور رسالت۔

اول ماخلق اللّٰہ نوری و کنتُ نبیاً و آدم بین الماءِ والطین' و علّمتُ علم الاولین والاخرین

ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے زیرِ قدم ہوتا ہے (اولیاء وارث ہیں انبیاء کے)۔ مثلاً کسی کو ولایتِ ابراہیمی' کسی کو ولایتِ یوسفی' کسی کو ولایتِ موسوی' کسی کو ولایتِ سلیمانی' کسی کو ولایتِ عیسوی حاصل ہوتی ہے۔ منتخب اولیاء اللہ بوجہ اپنی جامعیت کے ولایت محمدی سے نوازے جاتے ہیں۔ آفتابِ حقیقت محمدی کا سایہ مثل سایۂ آفتاب کے ہر قرب میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ زمانۂ رسالت آنحضرتؐ میں سمت الراس (The Zenith) پر آیا اور غائتِ نور و ظہور کے باعث انھوں نے اپنے سایہ کو بھی غائب پایا۔ آسمانِ نبوت کے نصف النہار (In the middle of the day) کے (نکتۂ اعتدالی) بلندترین مقام پر آپ تاباں و درخشاں ہیں۔ بجانب مشرق کے تمام انبیاء ہیں اور بجانب مغرب تمام اولیاء ہیں۔ انبیاء میں جناب رسالت مآب سے قریب ترین نبی عیسیٰؑ ہیں۔

اولیاء اللہ سے زمانہ خالی نہیں:

جب ہر نبی کے زیرِ قدم کم از کم ایک ولی کا ہونا ضروری ہے تو ناممکن ہے کہ کوئی زمانہ اولیاء اللہ سے خالی رہے۔ اگر سوا لاکھ پیغمبر گزرے ہیں تو سوا لاکھ اولیاء اللہ کا ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے۔ چونکہ بعض انبیاء کے زیرِ قدم کئی کئی سو کی تعداد میں اولیا ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی کل تعداد سوا لاکھ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ بیشتر اولیاء اللہ مستورین سے ہیں۔ شادی بیاہ کرتے ہیں۔ لوگ انھیں اچھا بھی کہتے ہیں اور برا بھی' وہ بیمار بھی پڑتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں۔

حجت الٰہی:

اولیاء اللہ اس زمانہ میں حجت الٰہی ہیں۔ نبوت کی تصدیق کرتے ہیں اور انبیاء کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ ان کے وجود سے نبوت زندہ اور اس کے انوار و اثرات قائم ہیں۔

نجم:

وہ گروہ جو نجوم کو مؤثر حقیقی سمجھتا ہے۔ ان لوگوں کو فاعلیتِ حق اور تصرفاتِ حق سے بے التفاتی رہتی ہے۔ یہ

لوگ گویا راہِ حق سے ایک طرف ہٹ گئے ہیں۔ دوسرا گروہ جو نجوم کو باطل سمجھتا ہے۔ وہ بھی راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وما خلقنا السماء والارض وما بینهما باطلا ○ذالک ظن الذین کفروا[۱] ○ فویل للذین کفرو من النار (ص ع ۳) س ۳۸: ۲۷

[۱] انکار کیا (دوزخ کا)

متذکرہ بالا دونوں فریق راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں' بوجہ افراط وتفریط کے۔

نُخُست:

(لفظی : ابتدا' اصول' آخرکار) روزِ اول جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ ندیم' دوست' حضورؐ کے اصحاب' ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ مراد ہیں۔

نرگس: (نرگسی آنکھیں)

نتیجہ جو دل میں پیدا ہو۔

نزدیکی: (Nearness, vicinity)

اسما وصفات اور افعالِ الٰہی کا شعور وعرفان۔

نزولِ الٰہی: (Descent)

حق تعالیٰ کے آثار وصفات کا ظاہر ہونا جو ربوبیت کے مقتضیات سے ہیں۔

نسبت: (Reference)

وہ ملکۂ راسخہ جو سالک اکتساب سے حاصل کرتا ہے۔ جو اس کی روح کو جمیع جہات سے احاطہ کر لیتا ہے اور اس کی صفتِ لازمی بن جاتا ہے ۔ اس کا مرنا جینا اسی پر ہوتا ہے۔

نسیم:

عنایت ویادآوری۔

نشستن:

سکینہ' اطمینان' خاطرجمی۔

نصح:

عمل کو جملہ فسادات سے پاک کرنا۔

نصیحت: (advice)

نیکی کی جانب بلانا اور برائی سے روکنا۔

نعت: (Praise)

نبی پاکؐ کی مدحت وستائش میں کہا گیا کلام۔ وہ تعریف جو موجبِ تمیز ذاتی ہو۔

وصف: (Express qualities)

وہ تعریف جو موجبِ تمیز عرضی ہو۔

نعلین: (کھڑاویں جوتے' نبی پاکؐ کے)

Shoes with wooden sole

دو متضاد صفتیں جیسے غضب ورحمت' انعام وانتقام۔ قدمین سے وہ متضادات مراد ہیں جو مخصوص بالذات ہوں اور نعلین ہونے سے وہ متضادات مراد ہیں جو مخلوقات کی طرف پہنچیں۔ نعلین سونے کی ہونے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بالذات اثر کو طلب کرتے ہیں یعنی موجودات میں اپنے احکام جاری کرتے ہیں۔ ان کا حکم ہر موجود اور ہر جسم میں پایا جاتا ہے۔

نفث روحی: (Blowing like magician)

نفث کے معنی پھونکنے کے ہیں۔ نفثِ روحی وہ خطرہ رحمانی ہے جو بلاواسطہ نہ ہو بلکہ اس کا فیضان حق تعالیٰ سے عقل اول پر ہو۔ پھر وہاں سے ارواح قدسیہ پر ہو۔ پھر یہ فیضان روح حیوانیہ پر ہو جو ہم میں موجود ہے' گویا یہ فیضان روح القدس کی وساطت سے ہوتا ہے۔ (خطرہ' خیال)

(Thought in Arabic only)

نفحات:

فیوض جو مبدا فیاض کی جانب سے قبلِ سالک پر وارد ہوں اور روح سالک کو قدسی خوشبوؤں سے معطر کر دیں۔

نفس:

کسی چیز کی ذات کو اس کا نفس کہتے ہیں۔ نفس کی حقیقت اس کی روح ہے اور روح کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ نے محمدؐ کے نفس کو اپنے نفس سے پیدا کیا پھر آدمؑ کی ذات کو ان کے نفس کا نسخہ بنایا۔ اسی لطیفہ کی بنا پر انھوں نے باوجود ممانعت کے شجرِ ممنوعہ کو کھا لیا۔ کیونکہ نفس ذاتِ ربوبیت سے بنا تھا اور ربوبیت کی یہ شان ہے کہ کسی کو منع کرنے سے باز نہ رہے لیکن اس میں نفس کو التباس ہوا۔ نفس نے بالذات اپنے اوپر بھروسہ کیا حالانکہ اس کا فرض تھا کہ اخبارِ الٰہی پر بھروسہ کرے۔ اس نے یہ نہ جانا کہ اقتضائے طبیعت کے مطابق عمل کرنا روح میں تاریکی پیدا کرتا ہے اور ایسے عمل کرنے والے کو شقی بنا دیتا ہے۔ ظلمتِ طبیعت کے مقتضیات کو معاصی اور انوارِ وحی کے مقتضیات (Pressing needs) کو طاعت کہتے ہیں۔ سعادت یہ ہے کہ اپنی ذاتی معلومات کو غلط سمجھنا اور اخبارِ الٰہی پر کاربند ہونا اور ان پر ایمان لانا ہی سعادت ہے اور اس سے دساست (رجعتِ قہقری) موجب شقاوت ہے۔

نفس انسان میں لطائف ستہ میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اس لطیفہ کا مقام بقول صوفیا جسم انسانی میں ناف کے متصل ہے۔ جب نفس ربوبیت کی ایک شعاع ہے تو جان لو کہ تعین انسانی میں آ کر یہ شعاع ربوبیت حقیقی مقید ہو جاتی ہے۔ اس تقید سے آزادی اور مبدا اصل کی جانب رجوع کی کوشش ہی موجب سعادت ہے۔

نفس امارہ:

جو نفس کو برائیوں کی طرف ابھارتا ہے۔

ع بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

ان النفس الامارۃُ بالسوءِ (یوسف: ۵۳)

نفس لوامہ:

ملامت کرنے والا۔ جب ریاضت و مجاہدہ سے نفس اس پستی سے بلندی کی طرف جانا پسند کرتا ہے تو نصرت الٰہی بھی اس کا ساتھ دی ہے اور ہر معصیت پر وہ اظہارِ ملامت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت اسے نفس لوامہ کہا جاتا ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

لااُقسم بالنفس اللوامة (القیمة ع۱)

نفس مطمئنۃ:

جب بندہ میں اپنے گناہوں پر ملامت کرنے کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے اور اسے ہر قسم کی معصیات سے نفرت ہونے لگ جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اصلاح و تہذیب کے اعلیٰ مراتب کو حاصل کر لیتا ہے' اسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس سے یوں خطاب کرتے ہیں۔

یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربکِ راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر: ۲۷)

صوفیا کی اصطلاح میں انسان کے اوپر کے نصف دھڑ کو جسم ملکوتی اور نیچے کے نصف دھڑ کو جسم نفسانی کہتے ہیں۔ لیکن جب تہذیب نفس کماحقہ حاصل ہو جاتی ہے تو پورا جسم ہیئت وحدانی حاصل کر لیتا ہے۔

ابلیس نفس کی جہت جلالی و گمراہی کا مظہر ہے۔ ابلیس نے نفس طبیعہ پر غلبہ حاصل کر کے نفس حیوانی ہی کو جب اپنا رہنما بنایا تو شیاطین الجن والانس پیدا ہوئے' لیکن شیاطین الانس (انسانی شیطان) ان اصلی جنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ ابلیس کے وجود میں ۹۹ مظاہر شیطنیت کے ہیں اس کے ساتھ بے شمار تنوعات ہیں۔ ان

میں سے سات مظاہر (بطور اصل کے ہیں) بنیادی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱) دنیا و مافیہا: اس میں ابلیس کفار مشرکین کا پورا ساتھ دیتا ہے۔

۲) عجب: اس میں وہ نیک لوگوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ انھیں اپنے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی کی نصیحت ان پر کارگر نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نیک اعمال کے وہم میں مبتلا ہو کر ان کو آہستہ آہستہ ضائع کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ بد خلقی، بدگمانی، غیبت اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳) ریا: ان میں وہ عابدوں اور زاہدوں پر ظاہر ہوتا ہے کہ تیرے اعمال اچھے ہیں۔ انھیں لوگوں پر ظاہر کرتا کہ لوگ تیرے معتقد بنیں اور تیری پیروی کر کے ہدایت پائیں۔ رفتہ رفتہ ان کی نیتوں کو فاسد کر کے انھیں ہلاک کر دیتا ہے۔

۴) طبیعت وشہوات و لذات: اس میں وہ مسلمانوں پر ظاہر ہوتا ہے۔

۵) علم: اس میں وہ علما پر ظاہر ہوتا ہے۔ علما پر بمقابلہ جہلا کے اسے جلدی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ابلیس قسم کھاتا ہے کہ ایک جاہل کے مقابلے میں ہزار قوی الایمان عالموں کو بہکانا اس کے لیے آسان ہے۔

۶) عادات و طلبِ راحت: اس میں وہ سچے مریدوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی ہمتوں کو شدتِ عبادت میں تھکا ڈالتا ہے تا کہ وہ اپنے نفس کی طرف واپس آئیں اور انسانی جبلت (طبیعت) کی ان تاریکیوں میں پھر گرفتار ہو جائیں۔

۷) اس میں وہ صدیقین و اولیاء اللہ اور عارفین پر ظاہر ہوتا ہے۔ ابلیس ہر ادنیٰ اور اعلیٰ پر موت کے وقت تک ظاہر ہوتا رہتا ہے اور اعتقادات و فہم میں التباس کرتا رہتا ہے۔ مقربین اس کی مکاریوں کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے اثر سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ یہ لوگ جب اس کا مکر پہچان لیتے ہیں تو یہ شناخت ان کی مزید ترقی کا باعث ہوتی ہے۔

لہٰذا غفلت ابلیس کی تلوار ہے، شہوت اس کا تیر ہے، ریاست اس کا قلعہ ہے، جہل اس کی سواری ہے، لہو ولعب، شراب، فضول قصے کہانیاں اس کے ہتھیار ہیں، عورتیں اس کا گروہ ہیں جن سے زیادہ زبردست ہتھیار اس کے قبضہ میں اور کوئی نہیں پھر اس کے حملہ کے خاص حالات اور اوقات ہیں۔ غصہ کا وقت، تہمت کا وقت، جھگڑے کا وقت اور اس کے ساتھ ہی رات کا وقت جس میں عبادت یا علمی مشاغل کی بجائے وہ خوش گپیوں، لہو ولعب، سیاسی چالوں کے داؤ پیچ سیکھنے اور سکھانے میں خرچ کرنا ہی اپنا نصب العین بنا لیتا ہے۔

ابلیس انسان کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر میں ناکامیاب ہو جاتا ہے تو دوسری، تیسری، چوتھی غرض اس قسم کی شیطانی تدابیر میں دن رات مصروف رہتا ہے۔ لیکن انسان ان حرکات سے ٹھوکریں کھانے کے بعد مسلسل ناکامیوں کے بعد، جب اسے ذرا سی بھی تحریک ہدایت کی ملتی ہے تو اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ یہ چیز ابلیس کو نصیب نہیں۔

<u>نفس کلیہ (یا نفس مدبر کلیہ):</u>

(God's Throne, Universal soul)

موجودات میں عرش سے فرش تک جو کچھ گزرتا ہے وہ نفس کلیہ ہی کا مقتضی ہے۔ خاصیت افعال کے اعتبار سے مبدائیت بھی طبیعت کلیہ کے ضمن میں آتی ہے۔ جس کے (نفس) کے نظام مقتضیات کو مصلحت کلیہ کہیں گے۔ افلاک کے منجملہ عناصر و اجزا، طبائع عناصر، نباتات، حیوانات وغیرہ سب ہی نفس کلیہ کے مختلف المزاج ہتھیار ہیں۔ صورتوں

کے تغیر سے یہ نفس متغیر نہیں ہوتا۔ وہ صرف مدبر کی تدبیر ہے جو صورتوں میں تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ جب پانی ہوا بن جاتا ہے یا ہوا پانی بن جاتی ہے تو نفس کلیہ دونوں صورتوں میں باقی رہتا ہے۔ نفس ناطقہ کی حیثیت بھی نفس کلیہ ہی ہے۔

نفس الامر:

محل اعیانِ ثابتہ وصورِ علمیہ۔

نفی و اثبات:

توحید کی دو جہتیں ہیں: نفی اور اثبات اور کلمہ طیبہ مرکب ہے نفی اور اثبات سے' ذات باری تعالیٰ ان اوصاف سے مبرا و منزہ ہے جو اس کی شان کے شایاں نہیں۔ نفی ان ہی اوصاف ناقصہ کی کی جاتی ہے اور اس کی ذات کامل' اسمائے حسنیٰ اور ان اوصاف کاملہ (جن کو اس نے خود بیان فرمایا ہے) کا اثبات کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتِ خداوند عزوجل ہمارے نفی اور اثبات کا بھی محتاج نہیں ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ ہماری تمام تصورات وعبارات سے منزہ اور مادریٰ ہے۔

نقاب:

حجاب' موانع استعداد' تجلی کے پیدا ہونے میں سنگِ راہ۔

نقل:

کشفِ معنی و اسرار۔

نقطۂ جوالہ:

مرکزِ توحید ؎

نیست در دائرہ یک نکتہ خلاف از کم و بیش
کہ من ایں مسئلہ بے چون و چرا می بینم

اس مرکز کا دائرہ ممکنات ہیں۔ اس مرکزِ توحید کے گرد بے شمار دوائر ممکنات بنتے رہتے ہیں۔

نکاح معنوی:

مختلف الخاصیت اجزا کی ترکیب' تناسب و اعتدال سے' جس طرح صورت انسانی کو پیدا کیا۔ اس میں اپنے حسن کی تجلی ڈالی۔ اس حسن نے نفس ناطقہ انسانی کو اپنی جانب کھینچا اور اپنا عاشق بنالیا۔ چنانچہ روح اور بدن کا تعلق عاشق و معشوق کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان نکاح معنوی کر دیا اور حق مہر کے طور پر تمام عالم کو انسان کی ملک بنا دیا۔ اس نکاح معنوی سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ حسب ذیل ہے: علوم' نطق' فصاحت' اخلاق حسنہ' صباحت' بالفاظ دیگر صفات کمال اور جلال و جمال۔

نکتہ:

ذاتِ بحت۔ خطرۂ رحمانی' وہ پیامبر (رسول) جس کی وساطت سے حق کی جانب سے عبد کے دل میں پیام آناً فاناً آجاتا ہے اور عبد و معبود میں رشتہ قائم و دائم ہو جاتا ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

نماز و روزہ:

توجہ باطن الی اللہ اور اعراض از ماسویٰ۔

نمط:

مقامِ حضور و مشاہدہ۔

نوالہ:

خلعت جو افراد کے لیے خاص ہے۔ عطیۂ حق برائے مقربین۔

نور:

یہ ایک اسم ہے اسمائے الٰہی سے جو تقریباً مترادف ہے اسم ظاہر کے۔ وجودِ عالم ظاہر درلباس صور جمیع الوانیہ از جسمانیات' ہر واردات الٰہی جو دل پر وارد ہو دیکھیں سورہ نور' ع ۵' اللہ نور السموتِ والارض. لکل شیٔ علیم تک۔

سمٰوٰت میں ارواح ہیں۔ ارض : اجساد۔ مشکوۃ : جسم انسانی ۔ طاق مشبک۔ مصباح: روح ہے جو مثل چراغ روشن اور روشنی دیتی ہے۔ زجاجہ (شیشہ' آئینہ): قلب مومن ہے۔ شجرۃ مبارکتہ : نفس انسانی مراد ہے۔ زیتونتہٍ: انواع و اقسام کے فیوض قبول کرنے کی صلاحیت و قابلیت ۔ لاغربیتہ: وہ اجسام کثیف و تاریک (ظلمت و جھول) اس میں ہر گز نہیں ہیں۔ یکاد زیتھا : یعنی اس میں خود ہی چمک اٹھنے کی صلاحیت ہے۔ لاشرقیۃ : سے اشارہ ہے عالم مجردات کی طرف و نیز یہ کہ اس میں کمالات بالفعل ہیں۔ ولولم تمسسہ نار : اگرچہ حرارتِ عزیزہ کا روح انسانی کے ساتھ کوئی مدبرانہ تعلق نہ ہو۔ نور علی نورٍ : جو اس نورِ انسانی کے مافوق ہے وہ نورِ الٰہی ہے۔

نوروز:

(Newyear Day) پارسیوں کا مذہبی اور اب ایرانیوں کا روایتی تہوار۔ مقام تفرقہ۔

نَے:

بانسری۔ انسانِ کامل' درویش' صاحبِ حال' واصلانِ حق جو از خود تہی (ارادہ سے خالی) لیکن از حق باقی ہیں۔ جن میں سے خود ان کی کوئی آواز نہیں نکلتی بلکہ نے نواز کی آواز نکلتی ہے۔ نے سے مراد قلم بھی ہے جس سے باطن ظہور میں آتا ہے۔ قلم وجودِ محمدیؐ کی وساطت سے سرِّ مکتوم[1] ظہور میں آیا اور جمیع علوم کی تعلیم کے لیے رابطہ پیدا ہو گیا ۔

بشنو از نے چون حکایت می کند
وز جدائی ھا شکایت می کند

(مولانا روم)

کیست نے از کس کہ گوید دم بدم
من نیم جز موج دریائے قدم[2]

(جامی)

[1] hidden [2] ancient

نیم مستی:

اپنے استغراق سے واقف ہونا اور اس پر نگاہ رکھنا۔

و

واجب الوجوب:

واجب وہ ہے جو اپنے وجود کے لیے کسی غیر کا محتاج نہ ہو۔ وہ ذاتِ حق ہے۔ جو اپنے وجود' قیام و بقا کے لیے کسی غیر کا محتاج نہیں۔

واجب الوجود:

اسے کہتے ہیں جس کا وجود اس کی ذات کا مقتضا (ضروری Necessary) ہو۔

ممکن الوجود وہ ہے جو اپنی موجودیت کے لیے کسی غیر کا محتاج ہو اور اس میں حکم (قانون' قاعدہ) کے اختلافات جاری ہوں۔

واحدتین:

وحدتِ حقیقی حق اور وحدتِ حقیقی انسانی۔

وادیٔ ایمن:

(لفظی: بے خوف وادی) تصفیہ جو قلب کو تجلیٔ الٰہی کے قابل بنا دے۔

وارد:

خواطرِ محمود (اچھے خیالات) جو چیز از قسم معانی دل پر بلا کسی کوشش صادر ہو۔

واسطہ:

صورتِ پیر و مرشد۔

واقعہ:

جو کچھ کہ عالم غیب و شہادت کے متعلق سالک کے

دل پر واقع ہو۔ (بقول لارڈ برٹینڈ رسل اور وائیٹ ہیڈ کائنات تسلسل واقعات ہے۔(وحید عشرت)

وجد:

احوالِ صادقہ جو قلب پر اس وقت وارد ہوں جبکہ قلبِ شہود فانی میں ہو۔

وجدان:

مقامِ شہود۔

وجود:

ہستی، ذاتِ بحت، ہستیِ مطلق، واحدیت۔ ذات کا وہ مرتبہ جہاں صفات سلب ہوں چنانچہ اس بنا پر حضرت[1] الجمع پر بھی وجود[2] کا اطلاق ہوتا ہے۔

[1] وہ لوگ جو حاضر ہیں اجتماع مزدلفہ میں صبح پر

[2] اجتماع

وجود سے وجودِ حق تعالیٰ مراد ہوتا ہے۔ اس کی چھ اقسام ہیں:

(۱) واجب الوجود: لازم الوجود۔ (خدا)

(۲) ممکن الوجود: یعنی جسم مثالی۔

(۳) ممتنع الوجود: یعنی روح اضافی۔

(۴) عارف الوجود: اعیانِ ثابتہ۔

(۵) شاہد الوجود: یعنی مرتبۂ وحدت۔

(۶) واحد الوجود: یعنی مرتبۂ احدیت۔

مراتب وجود:

من حیث ھو ھو[1] میں نہ اعتبارِ ذہنی ہے نہ اعتبار خارجی۔ مرتبۂ لا میں بشرطِ شے[2] (میں، وجود) نہ اطلاق (Total Universal or Universality) میں مقید ہے نہ تقید میں۔ اس مرتبہ میں وہ نہ کلی ہے نہ جزدی، نہ عام ہے نہ خاص۔ یہ واحد ہے نہ کثیر ہے۔ جملہ اعتبارات واضافات یہاں ساقط ہیں۔ یہ مرتبہ سب درجوں سے بلند ہے۔ رفیع الدرجات سے اسی مرتبہ کی جانب اشارہ ہے۔

[1] وہی میرا رب ہے یا ھو [2] انشاء اللہ (God willing)

وکان اللہ ولم یکن معه شی الان کما کان

نہ جوہر ہے نہ عرض ہے۔ بعینہٖ بذاتہ موجود ہے اور کسی دوسری چیز سے جو ذہناً یا خارجاً اس سے مغائرت رکھتی ہو موجود نہیں۔ وہ بدیہی ہے اور حقیقت و ماہیت میں سب چیزوں سے پوشیدہ۔ ذہن اور خارج میں کوئی شے بغیر اس کے نہیں پائی جاتی۔ پس وہ بالذات سب کا محیط ہے۔ اسی سے اشیا کا توارد ہے۔ وہی اشیاء کا عین ہے۔ وہی اپنے مرتبوں میں تجلی فرماتا ہے اور علم اور عین میں اپنی حقیقتوں سے اور صورتوں سے ظہور فرماتا ہے پھر اسی کا نام ماہیت اور اعیانِ ثابتہ ہو جاتا ہے اور ہر مرتبہ میں اس کا نام بدلتا رہتا ہے۔ وہی ضدین میں ظہور کرتا ہے اور اسی سے مثلین قائم ہوتی ہیں حالانکہ وہ بے مثل و بے مثال ہے اور وجود ذہنی اور وجود خارجی سب اسی کے اظلال ہیں۔

الم تر الی ربک کیف مد الظل (الفرقان: ۴۵)

یعنی وجود اضافی (ذہنی) کو ممکنات پر کیسے پھیلایا۔ اسما وصفات کے لباس ہی میں پھیلایا۔

وجودِ اکبر:

وہ واصل[1] حق جو نکتۂ انتہا کو پہنچ گیا اور جس میں جمال وجلال کا اجتماع و امتزاج نہایت اعتدال کے ساتھ ہوا ہو۔ اسے وجودِ اکبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگ ہدایت کرنے کی بہترین قابلیت رکھتے ہیں۔ جن منتہیوں میں جمال وجلال کا اِعتدال اس درجہ حسن کا پہلو لیے ہوئے نہیں ہوتا، انھیں وجودِ کبیر کہتے ہیں۔

[1] Viz (واصلِ حق) One who joins

وجودِ کبیر:

قطب مدار اور قیوم عالم وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ لوگ

نادر وکمیاب ہوتے ہیں۔ وجود اکبر اور بھی زیادہ نادر وکمیاب ہیں اور یہی لوگ ظاہر و باطن میں حضور سرور کائناتؐ کے بالکل قدم بقدم ہوتے ہیں اور حضورؐ ہی کے جمال وجلال کے اعتدال کا پرتو ان پر پڑتا ہے۔

وجودِ مکتسب:

اولیاء اللہ کو بعض صورتوں میں بعد اکتساب کے ایک خاص نوعیت و لطائف و قوت کی صورت[۱] مثالی عطا فرمائی جاتی ہے۔ جو صورتاً بدن عنصری کے مشابہ اور لطائف میں روح کے قریب قریب ہوتی ہے اور قوت میں عوام کی صورتِ مثالی سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ دراصل ہر شخص ایک صورت مثالی رکھتا ہے۔ یہ صورت ہر شخص میں روح وجسم کے درمیان ایک برزخ ہے۔ جو صوری اعتبار سے مشابہ جسم اور حسی اعتبار سے مشابہ روح ہوتی ہے۔ خواب کی ملاقاتیں ان ہی مثالی صورتوں کی آپس میں ہوتی ہیں۔ بعد مرنے کے جب انسان عالم برزخ میں جاتا ہے تو اسے ایک صورتِ مثالی عطا ہوتی ہے جو اس کی روح کا مرکب بنتی ہے۔ یہ وہی صورتِ مثالی عطا ہوتی ہے جو اس کی روح کا مرکب بنتی ہے۔ یہ وہی صورت ہے جو اس دنیا میں بدنِ جسمانی میں حلول کیے ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کشف و ریاض سے اس صورت مثالی پر اقتدار حاصل کر لیتے ہیں اور ان حضرات کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی صورت کو ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر نمایاں کر سکتے ہیں۔ بعض اولیاء اللہ کو حیات ظاہری میں اور تبرز بعد ممات (مرنے کے بعد نظر آجانا) میں اضطراری (طور پر) یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جس شکل و صورت میں چاہیں اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں ہزاروں مختلف مقامات پر دکھلا لیں۔

۱ resemblance, model, form, manner

وجہ:

ذاتِ باری تعالیٰ، وجودِ حقیقی۔

وحدت حقیقی:

وہ وحدت جس میں کسی وجہ سے کثرت نہ ہو اور جو تجزی کو قبول نہ کرے۔ اس کے مقابل اس کی کوئی ضد نہ ہو۔ تجزی[۱] تغیر و ضدیت، تشبیہ اور اثنینیت کو وہ قبول نہیں کرتی۔ یہ وحدتِ حقیقی ھویت مطلقہ[۲] ہی کے شایانِ شان ہے۔

وحدت مجازی:

وہ وحدت جو تجزی و تعدد و تکثر کو نیز اپنے مقابل کو قبول کرے۔ یہ وحدت تمام محدثات[۳] میں جاری ہے۔

۱ Onalysis ۲ مرتبۂ ذات یا وحدت
۳ سوانح، تاریخی حالات

وحدت وجود و وحدت شہود:

لفظ وجود کا اطلاق صوفیا کرام کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ وہی وجود واجب ہے۔ اس سے ان کی مراد ہوتی ہے کہ صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہی ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے۔ برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستی مطلق سے قائم ہیں:

ہرچہ آید در نظر غیر تو نیست
یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو
(خسرو)

یہاں توئی سے مراد ذات ہے۔ بوئے تو سے صفات مراد ہیں اور خوئے تو سے افعال باری تعالیٰ مراد ہیں۔ چنانچہ وحدت الوجود سے یہی مراد ہے۔

وسط سلوک میں جو حالت ہوتی ہے وہ وحدت شہود ہے اور انتہائے سلوک کی حالت وحدت الوجود ہے۔ انتہائے سلوک کی حالت میں سالک رات دن کی کیفیات سے تجاوز کر کے حقیقت کے میدان میں آتا ہے تو وہ آفتاب بھی دیکھتا ہے اور ستاروں کو بھی اور یہ بھی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ سب ستارے آفتاب ہی کی روشنی سے چمکتے ہیں۔ یہیں پہنچ

کر وہ حفظِ مراتب کا بھی خیال رکھ سکتا ہے۔

جمہور صوفیا کا مسئلہ توحید وجودی پر اتفاق ہے۔ اظہارِ حقیقت کے لیے البتہ مختلف پیرایوں اور مختلف اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حقیقتاً سب آپس میں متفق ہیں۔ عوام اور اغیار کو جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ سطحی اور لفظی ہیں نہ کہ معنوی۔

نوٹ: مجدد الف ثانیؒ نے عقیدۂ وحدت الوجود کی تردید و تغلیط بڑے زور و شور سے کی ہے۔ اس سلسلہ میں دیکھیں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا رسالہ 'مجدد کا تصور توحید۔

علامہ اقبال اور ابن تیمیہ بھی اس کے خلاف ہیں۔ الطاف اعظمی کی کتاب وحدت الوجود' غیر اسلامی نظریہ اور ڈاکٹر وحید عشرت کا مقالہ بروزیت دیکھیے۔

از تذکرہ غوثیہ:

دونوں فلسفے' ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات کے تعلق کا بیان ہے۔ مطالب کے لحاظ سے توحید عینی اور توحید ظلی بھی کہہ سکتے ہیں۔

وجود یعنی ہستی حقیقی واحد۔ لیکن ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن۔ باطن وجود ایک نور ہے جو جملہ عالم کے لیے بمنزلہ ایک حال کے ہے۔ اسی نور باطن کا پرتو ظاہر وجود ہے جو ممکنات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہ اسم وصفت وفعل کہ عالم ظاہر میں ہے۔ ان سب کی اصل وہی وصف باطن ہے اور حقیقت اس کثرت کی ہی وحدت محض ہے۔ جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جملہ افراد کائنات تجلیات حق ہیں۔ محی الدین ابن عربی کا قول ہے:

سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا

اور اس کثرتِ اعتباری کا وجود اس وحدتِ حقیقی سے ہے۔ الحق محسوس والخلق معقول۔

نوٹ: عین کے بجنسہٖ اصل جوہر بھی اس کے معنی ہیں۔

اسلام میں ظلی نبی یا ظلی نبوت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسی طرح توحید ظلی کا بھی کوئی تصور نہیں ہے۔

ابن عربی نے وحدت الوجود کے غلبہ کی وجہ سے اس قسم کی اصطلاحات بنا لی ہیں۔ شعرا نے ظل پناہ یا ظل خدا سے اپنے بادشاہوں کو مخاطب کیا ہے۔ یہ افلاطونیت ہے جس میں دنیا امثال کا ظل ہے جو غلط ہے۔

ورقہ: (Schedule, paper)

نفسِ کلیہ۔ لوح محفوظ۔

وسیلہ:

مقام قربت' اور یہی مقام محمود ہے۔

وصال:

تعین کا اٹھ جانا اور ہستی مجازی سے جدائی کا ہو جانا اور اپنی خودی کے وہم سے بیگانہ ہو جانا' وصال حق ہے۔ اسے آشنائی حق بھی کہتے ہیں ؎

تو مباش اصل کمال اینست و بس
توز تو گم شو وصال این ست و بس

(عطار)

وجود ہر مرتبہ میں واجب ہے اور مخلوقات تعینات[1] ہیں۔ جب تک تعین رفع نہیں ہوتا وصول میسر نہیں آتا' چنانچہ واصل حق مخلوق نہیں رہتا اور مخلوق کے اثرات اس پر سے زائل ہو جاتے ہیں۔ [1] essential qualities

وصول:

سالک کا مقام مرآتیہ[1] تک پہنچنا۔ یعنی بندہ کا آئینہ ذات بن جانا اور اس سے ذات کا ظہور واقع ہونا۔ نمائش و نمود۔ [1] آئینہ' نظر نہ آنے والی دنیا۔

وفا:

عنایت ازلی جو عمل پر التفات کئے بغیر آغوش میں

لے لیا کرتی ہے۔

وقت: حالتِ موجودہ۔ وقت اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان پر کسی وقت غالب ہو اگر انسان دنیا میں مبتلا ہے تو اس کا وقت دنیا ہے۔ عقبیٰ کی فکر دامن گیر ہے تو اس کا وقت دنیا نہیں ہے۔ عقبیٰ کی فکر دامن گیر ہے تو اس کا وقت عقبیٰ ہے۔ سرور میں سرشار ہے تو اس کا وقت سرور ہے۔ رنج میں غرق ہے تو وقت رنج ہے حزن ہے۔ غرضیکہ انسان پر جو حال طاری ہو وہی اس کا وقت ہے۔ حال ہی نقدِ وقت ہے۔ حال ہی سے سالک کو واسطہ ہے جو مثل شمشیرِ برق آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ الوقت سیفٌ قاطعٌ

طوالت وقت در کثافت:

لطافت سے کثافت کی جانب جس قدر نزول ہوگا وقت اسی قدر اندازہ میں طوالت اختیار کرے گا (کرتا جائے گا)۔ عالم ملکوت میں تھوڑا سا وقت عالم ناسوت[1] کے زیادہ وقت کے برابر ہوگا۔ جیسے کہ دائرہ میں مرکز کے قریب کی تھوڑی سی جگہ خطِ محیط کی جانب آ کر زیادہ وسعت اختیار کر لیتی ہے۔ [1] دنیا

وقفہ:

دو مقامات کے درمیان رک جانا۔

ولایت: (Schuon, cycle of sanctity).

دیکھیں: 'نبوت'

وھم: (Whim, conceive a false idea)

پندار۔ انسان میں بدترین چیز قوت وھمیہ (وھمیہ) ہے جو ایک مہلک قوت ہے اور ہر خوبی کو ہلاک کر دیتی ہے۔

ھ

ھا: (have care, behold)

اعتبار ذات بلحاظ حضورِ وجود۔

ھاھوت:

Not given by steingass or other dictionaries

وہ مقام جس کی جانب کُنتُ کنزاً مخفیاً سے اشارہ ہے۔

ھبا:

تنزلاتِ وجود کا وہ مرتبہ جس میں اجسام عالم کو کشادہ کیا جاتا ہے۔ یہ مرتبہ عینی نہیں بلکہ مثل عنقا کے ہے جو دیکھنے میں نہیں آتا بلکہ سننے میں آتا ہے۔ عقل اول کے بعد چوتھا مرتبہ ہے۔ ایک جوہر ہے جس میں صورِ اجسام مفتوح ہوتے ہیں۔ (کشادہ ہوتے ہیں)

ھجران:

Not frequenting (meeting closely) friends.

ظاہر و باطن میں غیر کی جانب التفات کرنا ہجران ہے۔ اشتیاق میں تڑپنا بھی ہجران ہے۔ ہجر دراصل وہ کیفیت ہے جو فراق بعد وصال میں پیدا ہو۔ وصل سے قبل جو کیفیت ہوتی ہے اسے ہجر نہیں کہتے بلکہ اضطراب کہتے ہیں۔

ھجوم: To thrust upon suddenly.

کسی چیز کا کسی دل پر قوت کے ساتھ وارد ہونا بغیر اس کے کہ اس کے لیے اپنی طرف سے کوئی کوشش کی جائے۔

ھدایت:

یہ بالذات ایک بھید ہے وجودی اور الہامی جو اللہ کے بندوں پر طاری ہوتا ہے اور ان پر ہجوم کرتا ہے۔ جذبۂ الٰہی ایک نور ہے جس کے تحت عارف خدا کے راستہ پر تائید الٰہی سے مناظر اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے تو وجودی بھید (ذاتِ باری تعالیٰ کا) صرف خواب میں ممکن ہے یا روزِ قیامت شہودِ ذات ہوگا صرف مومنین کے لیے۔

ھدیہ:

ولایت، خواہ کسی نوع کی ہو۔

ھشیاری:

غلبۂ عشق سے افاقۂ سکون کی جانب آنا۔ یعنی مقام سُکر سے مقام صحو میں آنا۔

ھفت منزل:

یہ وہ سات وادیاں ہیں جو سالک کو راہِ سلوک میں پیش آتی ہیں اور جنھیں خواجہ فرید الدین عطار اپنی کتاب منطق الطیر میں بیان فرماتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) وادیٔ طلب (۲) وادیٔ عشق (۳) معرفتِ الٰہی (۴) استغنا (۵) توحید (۶) حیرت (۷) فقر و غنا

ھمت:

اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حصولِ کمالات کی غرض سے اپنی پوری قوتوں اور جمیع قوائے روحانیہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونا۔ وصول الی اللہ کے لیے جملہ مخلوقات کو ترک کر دینا اور قلب کو تمام خواہشوں اور آرزوؤں سے پاک کر لینا اور دل میں طلبِ صادق کا پیدا کر لینا بھی ہمت ہے۔

ہمت ایک براق العارفین ہے جس کی بدولت طالبانِ حق کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ سوائے نیک لوگوں اور مقبول بندوں کے کسی کو اس میں حصہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے اسم قریب سے تجلی فرمائی اور اسم سریع اور اسم مجیب سے نظر ڈالی۔ ہمت جب کسی چیز کا قصد کرتی ہے تو اس پر قائم ہو جاتی ہے اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق پا لیتی ہے۔ ہمت کے قائم ہونے کی دو علامتیں ہیں۔ ایک علامتِ حالیہ اور دوسری علامتِ فعلیہ۔

علامتِ حالیہ یہ ہے کہ حصولِ مقصد کے لیے خصوصیت کے ساتھ قلب میں یقین کامل راسخ ہو جائے اور علامت فعلیہ یہ ہے کہ حرکات و سکنات (کوشش عملی) سے حصول مقصد کے لیے جی توڑ کر سعی کی جائے۔ جس میں یہ دونوں باتیں نہیں وہ ہرگز صاحبِ ہمت نہیں۔ ہمت کے موثر ہونے کے لیے یقین بہت ضروری چیز ہے۔ جب شیطان دلوں میں حلول کر جاتا ہے اور وسواس ڈال دیتا ہے تو ناامیدی پیدا ہو جاتی ہے اور یقین کا نور التباس کی تاریکی میں مخفی ہو جاتا ہے۔ مایوسی شیطان کا دھکا ہے۔

ہمت کا اصلی تعلق خدا کے ساتھ ہے۔ موجودات سے تعلق پیدا کرنے والی جدوجہد ہمت نہیں کہلاتی بلکہ 'ہَم'[۱] کہلاتی ہے۔ ہم دل کی توجہ ہے جسّی مقصد کی جانب۔ وہ مقصد اعلیٰ ہو خواہ ادنیٰ۔ لیکن ہمت کے لیے اسرار کی معرفت حاصل ہونے سے قبل اس سے بڑے درجہ کی طرف ترقی کرتے جانا ضروری ہے ورنہ یہ معرفت بھی حجاب بن جاتی ہے۔

دل میں جو خطرہ سب سے پہلے کسی امر کے متعلق گزرتا ہے اسے خاطر[۲] اول یا خاطر ربانی، ہاجس[۳] (کسی خیال کا دل میں بار بار آنا) یا سبب اول یا فکر خاطر کہتے ہیں۔ اس میں خطا کا احتمال کبھی نہیں ہوتا۔ جب وہ خطرہ[۴] قوی ہو کر نفس میں متحقق ہو جاتا ہے، اسے ارادہ کہتے ہیں، جب تردد، غور و خوض اور مزید چھان بین اس میں پختگی پیدا کرتی جاتی ہے تو اسے ہمت کہتے ہیں، جب اس میں مضبوطی آ جاتی ہے تو اسے عزم کہتے ہیں، جب دل میں اس عزم کے عمل میں لانے کا خیال پیدا ہوتا ہے، اسے قصد کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جب اس کام کو شروع کرنے لگتے ہیں تو وہ قصد نیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

[1] Occuring thoughts, thought which occurs in mind.

[۲] (ہاجس (ج) ھَوَاجس)

[۳] (not in persin) خطرہ۔ خیال (عربی)

۴ بغیر خیالِ صفات with out considering

ھو:

اعتبارِ ذات[1] بلحاظ غیبت اور بلا اعتبارِ صفات (یعنی ذاتِ الٰہی پر یقین اور بھروسہ غائبانہ ایمان)

۱ اہم خواہشات یا ضرورتیں

ھوا:

(لفظی: خواہشِ نفس۔ آرزو) متقضیاتِ[1] طبیعت کی جانب نفس کا میلان اور علویت سے سُفلیت کی جانب جھکنے کی خواہش۔

ھویت: (مرتبہ وحدت یا مرتبۂ ذات۔ لاھوت)

لفظ ھو سے مشتق ہے جو غائب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال میں آتا ہے۔ ھویت سے حق تعالیٰ کی ذات کنہ[1] کی طرف اشارہ باعتبار اس کے اسما وصفات اور اس کی غیبوبیت کے۔ حق تعالیٰ کی غیبت میں اس کی شہادت ہے اور اس کی شہادت عین؛ اس کی غیبت ہے۔ انسان کی حالت پر اس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ وہ بالذات ایسا غیب ہے جو اسی کو لائق ہے اور اس کی شہادت بھی ایسی ہے جو اسی کے لائق ہے۔ وہ ایسا ہے جیسا کہ وہ خود اپنے کو جانتا ہے

۱ ذاتِ بلند۔ اعلیٰ۔ اللہ تعالیٰ) ذاتِ حقیقی(b) گہرائی۔ تہ (کسی مسئلہ کی) (اہم حصہ۔ مغز) Substance (ست؛ جوہر Divine essence or Being ھویت مابعد الطبیعات؛ فوق الفطرت۔

ھیولیٰ: (Matter بنیادی عنصر) مادہ

وہ چیز ہے جس میں صورِ اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور وہ نفسِ رحمانی ہے۔ ہر وہ باطن بھی ھیولیٰ ہے جو صورتِ ظاہر رکھتا ہے۔

ی

یار:

تجلیٔ صفات۔ صفت تصرف الٰہی۔

یاقوت حمرا:

نفسِ کلیہ۔ کیونکہ بوجہ تعلق بہ جسم اس میں ظلمت ہے برعکس عقل کے۔ جسے دُرّہ[1] بیضا بھی کہتے ہیں۔

نوٹ: حُمر کے معنی سرخ ہیں۔ لٰہذا یاقوت حمرا سرخ یاقوت ہے۔

۱ سیر نہ ہونے والا معدہ (The stomach of beasts)

یقین:

جس میں شک و شبہ کو مطلق دخل نہ ہو۔ رویت عیان[1] بقوتِ ایمان نہ کہ بذریعۂ صحبتِ برہان۔

(دیکھیں عین الیقین، علم یقین)

۱ Seeing, observe face to face روحانی دید

Seeing, vision رویت لبصیرت؛ روحانی پیکر؛ جو کشف میں نظر آئے۔

یقین محکم:

حضرت معاذؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا آپ مجھے دو مختلف آدمیوں کے بارے میں اپنا فیصلہ بتائیں پہلا شخص عبادت گزار ہے؛ نیک اعمال کا مالک ہے اور گناہ بہت کم ہیں۔ مگر اس کے یقین وایمان میں کمزوری ہے۔ کبھی کبھی اسے شک و شبہات بھی لاحق ہو جاتے ہیں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا اس کا شک اس کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔ دوسرا وہ آدمی ہے جس کے اعمال کم ہیں مگر اس کا ایمان و یقین بہت مستحکم ہے۔ مگر اس کے باوجود بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ معاذ یہ سن کر خاموش رہے۔ مگر اس آدمی نے کہا 'اگر پہلے آدمی کا شک اس کے نیک اعمال کو ضائع کر سکتا ہے تو دوسرے شخص کا یقین اس کے گناہوں کو بیکار کر سکتا

ہے۔ روایت ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا 'میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس سے بڑھ کر عقل مند ہو۔

لہٰذا یقین علم سے افضل ہے کیونکہ یہ عمل کا سب سے بڑا محرک ہے۔ جو عمل کا ذریعہ ہوگا وہ خدا کی بندگی کا ذریعہ بھی بنے گا' جو عبودیت کا سبب ہوگا وہ ربوبیت کے حقوق بھی بجا لائے گا۔ یہ تمام باتیں اور مکمل یقین و معرفت صرف صوفیائے کرام اور زاہد علما کا حصہ ہیں۔

یوم الجمع:

وقتِ لقا و وصول بسوئے عین جمع۔ روز قیامت (Doomsday)

☆☆☆